حق گوئی و بیباکی کے نرالے انداز

حافظ مؤمن خان عثمانی

فاضل مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ و وفاق المدارس العربیہ پاکستان

Marfat.com

Marfat.com

حق گوئی و بیباکی
کے
نرالے انداز

حافظ مؤمن خان عثمانی

فاضل مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ و وفاق المدارس العربیہ پاکستان

خطیب مرکزی جامع مسجد فاروقِ اعظم مدرسہ عربیہ مخزن العلوم کھٹائی

تحصیل اوگی ضلع مانسہرہ

المیزان ناشران و تاجران کتب

الکریم مارکیٹ اردو بازار لاہور پاکستان فون: ۷۲۱۲۷۶۲، ۷۱۲۲۹۸۱-۰۴۲

Marfat.com

المیزان

عصر حاضر کے تقاضوں سے ہم آہنگ

جملہ حقوق محفوظ ہیں

سلسلہ مطبوعات - ۲۰۵

سن اشاعت ۲۰۰۸ء

محمد شاہد عادل نے

حاجی حنیف پرنٹرز سے چھپوا کر

المیزان اردو بازار لاہور سے شائع کی۔

Marfat.com

فہرست

صفحہ نمبر	عنوان
15	انتساب: شہدائے لال مسجد کے نام
17	پیش لفظ
26	سرداران قریش کے سامنے آنحضرت ﷺ کا کلمہ حق
27	حضرت صدیق اکبر کا سب سے پہلا اعلان حق
28	حضرت فاروق اعظم کا اعلان حق
28	حضرت عثمانؓ کا اپنے چچا کے سامنے کلمہ حق
29	حضرت بلالؓ کا نعرہ حق
29	حضرت ابوذر غفاریؓ کا اعلان حق
30	حضرت سعید بن زیدؓ اور فاطمہ بنت خطابؓ کی حق گوئی
31	رومی سپہ سالار کے سامنے حضرت خالدؓ کی بیباکی
32	حضرت معاذ بن جبلؓ کی جرأت و بہادری
34	حضرت ابوعبیدہؓ کی حق گوئی
35	حضرت ابن عمرؓ کی حق گوئی حجاج کے سامنے
36	ایرانی دربار میں حضرت مغیرہ بن زرارہ کی حق گوئی
37	ایرانی دربار میں حضرت مغیرہ بن شعبہ کی بیباکانہ گفتگو

Marfat.com

حضرت نعمان بن مقرنؓ کی جرأت مندانہ گفتگو	38
رستم کے دربار میں حضرت ربعی بن عامر کی آزادانہ گفتگو	39
نجاشی کے دربار میں حضرت جعفرؓ کی آزادانہ گفتگو	41
حضرت فاروقؓ کے سامنے ایک عام آدمی کی جرأت	47
حکم بن عمرو غفاری کی حق گوئی	48
حضرت عبدالرحمن بن ابی بکر کی حق گوئی	49
دجال اسود عنسی کے سامنے ابومسلم خولانی کی ایمان افروز گفتگو	51
حضرت امیر معاویہؓ کے سامنے ابومسلم خولانی کا جرأت مندانہ کلام	55
ظلم سے ہمیشہ بچتے رہنا	57
یہ مال نہ تیرا ہے نہ تیرے باپ کا	58
ایسے شخص کو قتل کروں جو اللہ کی حفاظت میں آچکا ہے؟	59
حضرت ابوحازم اعرجؒ کی بیباکانہ گفتگو	61
حضرت حسن بصری کی حق گوئی حجاج کے سامنے	68
گورنر ابن ھبیرہ کے سامنے حضرت حسن بصریؒ کا بیباکانہ کلام	72
مجھے ہے حکم اذان لا الٰہ الا اللہ	74
وہ میرا ہی کلام ہے	75
حضرت علیؓ کے ساتھ شرکت پر صرف خوشی نہیں بلکہ فخر ہے	76
ام سنان کی آزادانہ گفتگو	79
سبحان اللہ! یہ آرزو	81
چند جملے تھے جو صدمہ کے سبب ٹپک پڑے تھے	83

Marfat.com

محمد بن سیرین کی حق گوئی	84
میں تجھے قتل کردوں گا	86
کمیل بن زیاد نخعی کی حق گوئی	87
حجاج کے سامنے سعید بن جبیر کی حق گوئی اور بیباکی	87
حضرت سعید بن مسیب کی حق گوئی	93
ایک خلیفہ کے ہوتے ہوئے دوسرے کیلئے بیعت نہیں کرسکتا	94
مجھے ان ظالموں کے قبضہ میں نہیں دے گا	95
یزید بن حبیب کی حق گوئی	96
اس کا قرب تجھ سے اور میرا قرب اللہ سے ہے	96
نازک مزاج شاہاں تاب سخن ندارد	99
حجاج کو حضرت وائل کا جواب	100
یحییٰ بن یعمر کی حجاج سے بحث	101
خلیفہ سلیمان کے سامنے حضرت طاؤس کی حق گوئی	103
رجاء بن حیات کا جرأت مندانہ اقدام	104
اتنی ہی نصیحت کافی ہے	105
خلیفہ ہشام کے سامنے حضرت طاؤس کا بیباکانہ کلام	106
خلیفہ منصور کے سامنے عبداللہ بن طاؤس کی حق گوئی	108
ہشام کے سامنے فرزدق شاعر کی حق گوئی	109
آپ ایسے لوگوں میں شامل نہ ہوں	111
تجھ جیسے ظالم کو حکمران بنایا	112

گالی دینا شرفاء کے شایان شان نہیں	114
بخوبی جانتا ہوں	115
آپ مجھ سے کیوں ناراض ہوتے ہیں؟	116
کلمہ حق کی سزا	117
حضرت سفیان ثوری کی حق گوئی اور دعا	117
آج کی موت کل سے بہتر ہے	118
انہیں مت چھیڑو	119
خلیفہ منصور اور حضرت سفیان ثوری	119
رعایا کی جرأت خلیفہ کے سامنے	120
خلیفہ مہدی کے سامنے ایک شخص کی حق گوئی	120
قاضی شریک کی خلیفہ منصور کے سامنے حق گوئی	121
قاضی شریک کی حق گوئی	122
اپنی موت قبول کی مگر ایک بے گناہ کو بچالیا	126
حضرت فضیل بن عیاض اور ہارون رشید کی گفتگو	127
فاطمہ ام جعفر کی حق گوئی ہارون رشید کے دربار میں	129
ایک بیوہ عورت کی آزادانہ فریاد	131
چین کے بادشاہ کے سامنے اسلامی وفد کی حق گوئی	134
گورنر ہبیرہ کے سامنے امام اعظم کی حق گوئی	138
جعفر منصور کے سامنے امام ابوحنیفہ کی جرأت	141
حضرت امام مالک بن انس کی حق گوئی و بیباکی	143

Marfat.com

144	حضرت امام ابو یوسفؒ کا وزیر کی گواہی سے انکار
145	ہارون الرشید کے سامنے ایک شخص کی بیباکی
146	ہارون الرشید کے دربار میں امام محمدؒ کی حق گوئی
146	تاریخی پس منظر
153	امام احمد بن حنبلؒ کی حق گوئی و بیباکی
155	امام احمد ابتلا و امتحان میں
156	واقعہ کی تفصیلات امام احمدؒ کی زبان سے
160	بے نظیر عزیمت و استقامت
161	امام ابو مسہر کا اعلان حق
162	حضرت ابو نعیم کا اعلان حق
163	حضرت احمد بن نصر کی راہ حق میں شہادت
166	منصور حلاج کے قتل پر اعلان حق
167	احمد بن معذلؒ کی بیباکی
168	بادشاہ کا نصیحت پر انتقام
169	تلخ نوائی میری چمن میں گوارا کر
175	اظہار حق کی خاطر جاں فروشی
175	ایلچی شخص حق گوئی کی جرأت نہیں رکھتا
176	قید خانہ میں جانا قبول کیا مگر ایمان فروشی نہیں کی
176	خلیفہ واثق باللہ کے روبرو ایک قیدی کی حق گوئی
177	اپنا سر کٹوا دیا مگر حق کو نہیں چھوڑا

ایک عالم کی اخلاقی جرأت	179
ابن السکیت کی سرفروشانہ حق گوئی	179
امام بخاری کی آزادانہ گفتگو امیر بخارا سے	180
سر دربار حضرت شہاب الدین سہروردی کی حق گوئی	181
حق گو اور حریت پسند اہل دربار	182
ابوالحسین نوری کی حق گوئی	183
قید منظور مگر فتوی پر دستخط نہیں کیے	184
شمس الائمہ سرخسی قید خانہ میں	185
جیل خانہ قبول کیا مگر حق گوئی نہ چھوڑی	186
ایک صوفی منش بزرگ اور شہزادہ کی عبرت انگیز گفتگو	187
امام الحرمین کی جرأت ایمانی اور بادشاہ کی بردباری	189
ایک حق گو عالم کے روبرو نظام الملک کا مؤدب کھڑا ہونا	191
نہر کے پل پر یا پل صراط پر	192
بادشاہ اور غریب عورت کا مقدمہ قاضی کی کچہری میں	193
امام غزالی کی حق گوئی	195
بادشاہ کو نصیحت	197
شیخ ابوالحسن خرقانی کی حق گوئی	199
ایک بڑھیا کی دلیری سلطان کے سامنے	203
امام مسجد کی حق گوئی امیر الامراء کے سامنے	205
حضرت نظام الدین اولیاءؒ کا بادشاہ کی ملاقات سے انکار	206

Marfat.com

اپنی جان گنوادی مگر ظالم کو عادل نہیں کہا	208
شیخ شہاب الدین احمد جام کی حق گوئی	209
تندمزاج بادشاہ کوایک درویش کی نصیحت	210
حضرت مخدوم جہانیاں جہاگشت کی ایک مظلوم سے ہمدردی	212
ہمایوں کا کلمہ کفراور شیر خان کی غیرت ایمانی	213
شیخ بہاؤالدین زکریاملتانیؒ کی حق گوئی	214
چنگیز خان کے سامنے ایک مسلمان کی جرأت مندانہ گفتگو	216
مولانا شمس الدین کرمانی کی حق گوئی	218
شیخ ابوعبداللہ کی ایمان افروز حق گوئی	219
شاہی آداب پر سنت کوترجیح	220
ایک مردانہ صفت قیدی لڑکی کی حیرت انگیز جرأت	222
ایک عالم کا بادشاہ کی مصاحبت سے انکار	224
مصائب قبول کئے مگر بادشاہ کوسجدہ نہ کیا	225
اظہارحق کے لئے جلاوطنی	225
میری علمداری میں ایسانہ ہو	226
بادشاہ خاموش ہوگیا	228
شہادت کی آرزو باقی ہے	229
فرخ سیر کے زمانہ کاایک حق گوواعظ	230
مفتی عبدالغنی کاجلال	230
ایک درویش کی گورنر کے سامنے حق گوئی وسرفروشی	232

Marfat.com

مجتہد اعظم کی صاف گوئی نادر شاہ سے	233
ایک فتوی کے اثر سے شہنشاہ ایران کی مجبوری	234
بادشاہ کو خلاف شرع امور سے منع کرنا	236
قاضی موسیٰ کی شہادت اور اس کی ماں کے حیرت انگیز کلمات	236
خواجہ احمد شاہ کا منصب قضاء سے انکار	238
ما محمدیتیم موسوی و عیسوی رانمی دانیم	239
ایک صاحب علم کی حق گوئی	240
حضرت سید محمد غوث گوالیاری کی حق گوئی	241
اسلاف کی غیرت وخودداری	242
بادشاہ دکن کو خطبہ پڑھتے ہوئے ایک حق پرست کا ٹوکنا	244
شاہ صبغۃ اللہ کا بادشاہ کو دیوی کی پرستش سے منع کرنا	244
ایک حقیقی نمک خوار کی جرأت	245
ایک طالب علم کا نواب رامپور کی ملاقات سے انکار	246
قال اللہ وقال الرسول کی جگہ محفل رقص نہیں ہو سکتی	247
شیخ الاسلام عبدالغنی حق گوئی کی وجہ سے مصائب میں	248
تارک جماعت کی شہادت	249
مولانا شمس الدین کی حق گوئی	249
قاضی قسطنطنیہ کی حق گوئی	250
حضرت خواجہ معین الدین چشتی کی حق گوئی	250
کایا پلٹ جملہ	251

بندہ اور نوکر	252
شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی حق گوئی	253
شیخ عزالدین بن عبدالسلام کی حق گوئی اور بیباکی کا بے مثال واقعہ	254
بادشاہ کو تنبیہ	256
حضرت مجدد الف ثانیؒ کا جہانگیر کو سجدہ کرنے سے انکار	257
سلطان ٹیپو کا فرنگیوں کے سامنے سر جھکانے سے انکار	260
میں انگریز کا باغی ہوں	262
صداقت پسندی کی ناقابل فراموش مثال	264
ایمان نہیں ہو سکتا	264
حضرت حسن شاہ جیلانی کا انداز فقیرانہ	265
اکبر کے خلاف ملا یزدی کا فتویٰ	266
اکبر کے سامنے شیخ تھانیسری کی جرأت و بیباکی	267
مہاراجہ رنجیت سنگھ کا پیغام مصالحت اور سید احمد شہید کی طرف سے جواب	270
بسم اللہ ہم بھی تیار ہیں	272
ہندوستان کے آخری مسلمان بادشاہ بہادر شاہ ظفر کا فرنگی کورٹ کے سامنے بیان	284
انگریز افسر کی صورت دیکھنے سے انکار	285
بدیع الزمان نورسیؒ کی حق گوئی و بیباکی کی داستان	286
حضرت شیخ الہند کی حق گوئی	294
مولانا تاج محمد امروٹی کا جلال	301
مولانا حسین احمد مدنی کی حق گوئی	301

فرنگی عدالت میں حضرت مدنی کا عزم	303
مفتی اعظم ہند مفتی کفایت اللہ کی حق گوئی	303
ضمیر فروشی سے انکار	304
شیخ التفسیر مولانا احمد علی لاہوری کی غیرت ایمانی	305
ابوالکلام آزاد کا آزادانہ کلام	306
مولانا محمد علی جوہر کی حق گوئی	308
آزادی یا موت	308
فرنگی کورٹ کے سامنے محمد علی جوہر کی بیباکی	309
مولانا حفظ الرحمن سیوہاروی کی گرج	309
ہم صرف ملک اور وطن کے وفادار ہیں	310
طنز کا جواب	310
یہ ٹوپی نہیں اتر سکتی	311
فرنگی عدالت میں بخاری کی گرج	312
مولانا سیف الرحمن کی انگریز گورنمنٹ کے خلاف جرأت وبیباکی	313
مولانا مظہر علی اظہر کی حق گوئی	314
تم غدار ابن غدار ہو	318
مولانا فضل الرحمن احرار	320
میں قانون محمدی کا پابند ہوں	321
میں بہ تا ہوں	321
بندوقوں کے سائے میں آوازِ حق	322

شوکت علی کا فرنگی کورٹ میں بیان	323
فرنگی عدالت میں حسرت موہانی کی حق گوئی	324
فرنگی عدالت میں چوہدری فضل حق کا بیان	324
رئیس الاحرار کا فرنگی کورٹ میں اظہار حق	324
فرنگی عدالت میں شورش کاشمیری کی شورش	325
فرنگی عدالت میں شیخ حسام الدین کا اظہار خیال	325
فرنگی عدالت میں سردار محمد شفیع کا بیان	325
فرنگی کورٹ میں عنایت محمد پسروری کی حق گوئی	325
فرنگی عدالت میں قاضی احسان احمد شجاع آبادی کا عزم	326
فرنگی کورٹ کے سامنے محمد حسین غازی کی حق گوئی	326
فرنگی عدالت میں ماسٹر تاج الدین انصاری کی بیباکی	326
مولانا محمد گل شیر کی گرج	326
فرنگی عدالت میں احسن عثمانی کی حق گوئی	327
فرنگی عدالت میں علامہ انور صابری کی بے صبری	327
فرنگی کورٹ میں علی بہادر خان کی بہادری	327
فرنگی عدالت میں مولانا عبدالرحمن میانوی کی حق گوئی	327
فرنگی عدالت میں مولانا احمد سعید دہلوی کا اظہار حق	328
میں اس سے باز نہیں آ سکتا	328
مفتی محمد حسن امرتسری کا کلمہ حق	329
شیخ الاسلام شبیر احمد عثمانی کی جرأت و بیباکی	331
شاہ فیصل کے سامنے کلمہ حق	331

Marfat.com

ہمارا منصب اور ذمہ داری	332
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی	332
شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان کی حق گوئی	334
میں تمہاری گولیوں سے ڈرنے والا نہیں	334
شیخ القرآن کی غیرت ایمانی	335
مفتی محمود اور ان کے رفقاء کی حق گوئی	335
سید امین گیلانی کا نعرہ حق	337
امام اہلسنت شیخ الحدیث مولانا سرفراز خان صدر کی شان قلندری	338
اذان پوری کر دی	339
ہتھکڑی ٹوٹ گئی	340
جیل کا راشن	340
انگریز جج کے سامنے مولانا غلام غوث ہزاروی کی بیباکی	341
فرنگی کورٹ کے مولانا ہزاروی کی للکار	341
مولانا فضل الرحمٰن کا نعرہ مستانہ	342
مفتی نظام الدین شامزئی کا قلندرانہ فتویٰ	347
میر اتھن رئیس اور قاضی حمید اللہ کا جرأتمندانہ اقدام	350
امیر المومنین ملا محمد عمر مجاہد کی جرأت و بہادری	352
اسامہ بن لادن کی بہادری و مردانگی	358
امام حرم نبوی شیخ حذیفی کا نعرہ حق	361
پرویز مشرف کے سامنے عدنان کاکا خیل کی حق گوئی	365

کمپوزنگ: قاضی شمس الرحمٰن، فضلی کمپیوٹرز توحید روڈ اوگی ضلع مانسہرہ

فون 03018166768

Marfat.com

انتساب

شہدائے لال مسجد کے نام

فروری ۱۹۹۸ء کے ابتدائی دن تھے۔ ہماری جماعت بیرون ملک جانے کے لئے ویزہ کے حصول کے سلسلہ میں لال مسجد اسلام آباد میں ٹھہری ہوئی تھی۔ ایک ہفتہ کے قیام کے دوران مختلف نمازوں کے بعد شہید اسلام حضرت مولانا عبداللہ شہید کے ساتھ گفتگو رہتی۔ ایک دن صبح کی نماز کے بعد حضرت مولانا صاحب بندہ کے ساتھ مختلف موضوعات پر محو گفتگو تھے یہاں تک کہ ناشتے کا وقت ہوگیا۔ حضرت بھی ہمارے ساتھ دسترخوان پر شریک ہوئے۔ ناشتے کے بعد جانے لگے تو بندہ بھی رخصت کرنے کی غرض سے ساتھ نکلا۔ مسجد سے نکل کر سیڑھیوں پر ہم کھڑے تھے کہ موٹر آ کر کھڑی ہو گئی۔ اس میں سے ایک نوجوان کلین شیو پینٹ پتلون میں ملبوس اترا اور مولانا صاحب کے پاس آ کر کوئی بات کر کے سیدھا مولانا صاحب کے گھر میں داخل ہوا تو مجھے حیرانگی اور تعجب نے گھیرے میں لے لیا کہ یہ نوجوان کون ہے جو اس طرح بے دھڑک مولانا صاحب کے گھر میں داخل ہوا۔ میرے استفسار پر بتایا گیا کہ مولانا عبداللہ صاحب کا فرزند عبدالرشید ہے۔

اسی سال کے آخر میں مولانا عبداللہ کو لال مسجد کے صحن میں شہید کر دیا گیا۔ ان کے شہادت کے بعد عبدالرشید غازی میں تبدیلی آئی اور ایسے تبدیل ہوگئے کہ لباس کے ساتھ دل و دماغ، سوچ و فکر، شوق وجذبہ سب کچھ تبدیل ہوگیا۔ ساڑھے نو سال کے بعد عبدالرشید غازی وہ عبدالرشید نہیں تھے جن کو میں نے پہلی بار دیکھا تھا۔ اب وہ ایک علامہ وقت تھے۔ لال مسجد کے نائب خطیب تھے، جامعہ فریدیہ کے نائب مہتمم تھے، ایک بے باک لیڈر تھے، ایک زیرک رہبر تھے، ایک نڈر مجاہد تھے۔ ان کی تحریک کے طریقہ کار سے اختلاف اپنی جگہ پر مگر انہوں نے جس طریقہ سے ایک ظالم، جابر، ڈکٹیٹر اور اس کے حواریوں، مسلمان فوج کے نام نہاد غازیوں، مسلح کمانڈوز کا مقابلہ کیا، تاریخ نے

اوراق ہمیشہ اس واقعہ کو اپنے سینہ پر سجائیں گے۔ ان کا اور ان کے ساتھ شہید ہونے والے بے گناہ معصوم طلباء و طالبات اور ان کی بوڑھی والدہ کا خون تا قیامت پکار پکار کر سوال کرے گا ''او ظالمو! او قاتلو! او انسانیت کے دشمنو! ہمارا کونسا جرم تھا جس کی ہمیں یہ سزا دی گئی، جس کی پاداش میں ہمارے اوپر ہماری اپنی فوج کے ہاتھوں بم برسائے گئے، وہ کونسا گناہ تھا کہ مسجد مدرسہ کے اندر ہم پر گولے برسائے گئے؟ وہ کون سی خطا تھی کہ آٹھ دن تک مسلسل بھوکا پیاسا رکھ کر ہمارے جسموں کو گولیوں سے چھلنی کر دیا گیا؟ وہ کون سی برائی تھی جس کی پاداش میں زہریلی گیس چھوڑ کر ہمارے جسموں کو جلا کر رکھ دیا گیا؟ وہ کون سی برائی تھی جس کی وجہ سے مرنے کے بعد بھی ہمارے جسموں کے ساتھ غیر انسانی سلوک روا رکھا گیا؟ کوئی سنے یا نہ سنے مگر فضا ان صداؤں سے گونجتی رہے گی یہاں تک کہ احکم الحاکمین کی عدالت کا دروازہ کھل جائے اور ان قاتلوں کو زنجیروں میں باندھ کر گھسیٹا جائے اور دربار خداوندی میں لاکر بای ذنب قتلت کی گرجدار آواز میں محاسبہ شروع ہو جائے۔

آج ان معصوم بے گناہ شہداء کی روحیں حکومت کے نشے میں مست ارباب اقتدار کو پکار پکار کر کہتی ہیں:

ممکن نہیں کہ موت ہمیں دے سکے شکست
ہم نے تو زندگی کو دکھائے ہیں راستے

✿✿✿

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم : اما بعد:

دنیائے انسانیت میں ہر نوع کے انسان پائے جاتے ہیں۔مگر بعض لوگ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ جرأت و بہادری کے خصوصی جوہر سے مالا مال ہوتے ہیں۔وہ حق بات کرنے میں نہ کسی کا خوف محسوس کرتے ہیں نہ کسی ملامت کرنے والے کی طعن و تشنیع کی پرواہ کرتے ہیں۔ ورنہ بہت سے لوگ خوف اور لالچ کی وجہ سے جھوٹ،فریب اور دھوکہ دہی جیسے گھناؤنے فعل سے دریغ نہیں کرتے اور اپنے مفادات کے حصول کے لئے منافقانہ رویہ اپنانا تو ایک عام سی چیز بن چکی ہے۔موجودہ دور میں اسی کو صاحب کمال، سمجھدار، زیرک، معاملہ فہم سمجھا جاتا ہے جو ہر محفل کا رنگ قبول کرے، ہر بہاؤ کے ساتھ بہنا سیکھے، ہر قدم کے ساتھ چلنا سیکھے۔

حافظا گر وصل خواہی صلح کن با خاص و عام
با مسلمان اللہ اللہ با برہمن رام رام

جو کسی صاحب اقتدار، سرمایہ دار، جاگیردار، ڈکٹیٹر کی آواز پر ''یس سر'' کی صدا لگائے، سر جھکائے، ماتھا ٹیکے، ہاتھ جوڑے۔جو کسی صاحب منصب، صاحب قوت، صاحب جاہ و جلال کی تعریف میں زمین و آسمان کے قلابے ملائے، جھوٹے القاب لگائے، بات بات پر اس کی ہاں میں ہاں ملائے۔جو وقت کے کسی قارون، ہامان اور فرعون کی قصیدہ خوانی کرے، ظلم و زیادتی پر اس کی تعریفیں کرے، اس کی ہر خواہش کی تکمیل کے لئے اپنی عزت اور ناموس کو داؤ پر لگائے، ایسے شخص کو پسند کیا جاتا ہے۔اسے وسیع الظرف اور جدید اصطلاح میں اعتدال پسند اور روشن خیال سمجھا جاتا ہے۔اور جو شخص اس طرح ہر دیگ کا چمچہ نہیں بنتا، ہر شخص کو خوش کرنے کے لئے جھوٹے القابات نہیں لگاتا، ہر شخص کی بات پر ہاں نہیں کہتا، صاحب اقتدار، سرمایہ دار، جاگیردار کی فرعونیت کے سامنے ہاتھ نہیں جوڑتا، ہر چڑھتے سورج کا پجاری نہیں بنتا، اسے قدم قدم پر

Marfat.com

دشمنی، عداوت، مصائب و آلام کا سامنا کرنا پڑتا ہے، دوست و احباب، اپنے پرائے سبھی ناخوش ہوتے ہیں۔

اپنے بھی خفا مجھ سے ہیں بیگانے بھی ناخوش
میں زہر ہلاہل کو کبھی کہہ نہ سکا قند

لیکن صاحب کردار انسان وہ ہے جس کی زبان اس کے دل کی ترجمانی کرے، جو زبان پر سوائے حق اور سچ کے اور کچھ بھی نہ لائے، جس کا ضمیر زندہ ہو، جس کا دل بیدار ہو، جس کی سوچ پائیدار ہو، جس میں خوف اور بزدلی کا عنصر نہ ہو، جس میں لالچ کی بیماری نہ ہو۔

ہزار خوف ہوں لیکن زباں ہو دل کی رفیق
یہی رہا ہے ازل سے قلندروں کا طریق

حق و صداقت کے معاملہ میں کسی کو خاطر میں نہ لائے، کسی کا لحاظ نہ کرے، کسی کی ملامت سے نہ ڈرے۔

اسلامی تاریخ میں بے شمار لوگ ایسے پائے جاتے ہیں جنہوں نے ظلم و بربریت کو سہہ کر حق کا اظہار کیا، احقاق حق کے لئے ہر قسم کی اذیتوں کو برداشت کیا اور حق گوئی کے معاملہ میں وہ کسی سے نہ ڈرے نہ دبے نہ ہی اپنی روش بدلی۔

ہم حق بات کا ہر وقت اظہار کریں گے
منبر نہیں ہو گا تو سر دار کریں گے

بڑے بڑے ظالموں اور وقت کے فرعونوں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر حق کو پوری جرأت کے ساتھ بیان کیا۔ یہ اسلام کی حقانیت ہے کہ اس نے کمزوروں کو قوی، غریبوں کو غنی، گمراہوں کو ہادی، بزدلوں کو جری کر دیا۔ آنحضرت ﷺ نے کفار مکہ کے ظلم و ستم کے سامنے جس جرأت و بہادری کا اظہار کیا وہ انسانی تاریخ کا اہم باب ہے۔ اسی دربار میں صحابہ کرام نے ایسی جرأت و بہادری سیکھی کہ دنیوی بادشاہوں کے جاہ و جلال بھرے درباروں میں جا کر انہوں نے حق کو بانگ دہل بیان کیا۔ ان کے بعد اسلاف امت نے ظالم و جابر بادشاہوں کے سامنے

Marfat.com

اظہار حق کرتے ہوئے گردنیں کٹوائیں۔اور **افضل الجهاد کلمة حق عنده سلطان جائر** ''ظالم و جابر بادشاہ کے سامنے صدائے حق بلند کرنا افضل جہاد ہے'' کا فریضہ ادا کرتے ہوئے ایوان اقتدار کے مغرور اور بدمست حکمرانوں کو لگام دے کر صراط مستقیم پر قائم رکھنے کی جدوجہد کی۔

حکمرانی کا نشہ ایسا مست نشہ ہے جس میں آدمی کو کسی کی پرواہ نہیں ہوتی۔وہ اپنے آپ کو دیگر ہم جنسوں سے بالاتر سمجھتے ہوئے اپنے ہر قول و فعل کو درست خیال کرتا ہے اور اپنے ہر قول اور فعل کے متعلق تمام ماتحتوں سے ''جی ہاں، یس سر، جی حضور'' کے علاوہ کچھ اور سننے کا عادی نہیں ہوتا، خصوصاً علماء کی بات تو اسے نشتر کی طرح چبھتی ہے۔حق بات اسے خوئے فرعونیت پر آمادہ کرتی ہے۔لیکن لکل فرعون موسیٰ کے قانون الٰہی کے تحت ہر ظالم و جابر کو دوست رکھنے، اس کی خوئے فرعونیت کو ٹوکنے، اس کو بے لگام ہونے سے بچنے کے لئے قدرت نے ہر دور میں کچھ ایسی ہستیاں پیدا فرمائی ہیں جنہوں نے اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر اس وادی پر خار میں قدم رکھا ہے۔

اقتدار کے نشے میں مست حکمرانوں نے اپنے دور کے اہل حق کو اس قدر وحشتناک سزائیں دیں کہ آنے والی نسلیں اس کے تصور سے لرزہ براندام ہوں۔اس سزا کو دیکھ کر کوئی بھی شخص اس طرح کی حق گوئی کرنے کی جرأت نہ کر سکے۔مگر یہ تمام تر وحشیانہ سزائیں اہل حق کو حق گوئی سے نہ روک سکیں بلکہ ہر دور کے اہل حق نے ظلم و ستم کے نئے نئے حربے سہہ کر حق گوئی کی نئی تاریخ رقم کر ڈالی۔

سرفروشی کی تمنا آج میرے دل میں ہے
دیکھنا ہے زور کتنا بازوئے قاتل میں ہے

ان سرفروشان اسلام کے ایمان افروز قصے واقعی ایمان کو جلا بخشتے ہیں۔ان کے مطالعہ سے اظہار حق اور سرفروشی کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔انسان کا ضمیر جاگ اٹھتا ہے، سوئے ہوئے جذبات بھڑک اٹھتے ہیں، ایک شوق اور ولولہ پیدا ہوتا ہے، غفلت کی تنی ہوئی چادر سرکنے لگتی ہے اور انسان کے اندر غیرت کا وہ پوشیدہ مادہ ابھر کر سامنے آتا ہے جس کو نہ تو حجاج بن یوسف کی ننگی تلوار مٹا سکی ہے، نہ بنو عباس کی سخت گیری دبا سکی ہے، نہ فرنگیوں کے پھانسی کے پھندے اس جذبے کو ٹھنڈا کر

Marfat.com

سکے ہیں اور نہ ہی جدید دور کے ڈیزی کٹر بم اور خوفناک میزائل اس جذبہ حریت کو دلوں سے نکال سکے ہیں۔

اسی جذبہ حریت نے آج بھی اہل حق کو عالمی شیاطین امریکہ اور اس کے حواریوں کے آگے سینہ تان کر کھڑے ہونے کی ہمت عطا فرمائی ہے۔ دور جدید کی نام نہاد مہذب دنیا نے اہل حق کی سزاؤں کے لئے جو بہیمانہ اور شرمناک طریقے استعمال کیے ہیں چنگیز اور ہلاکو بھی ایسا نہیں کر سکے مگر اس بہیمت اور بربریت کے باوجود مغرب کا خونخوار چہرہ تہذیب، اعتدال پسندی اور حقوق انسانی کے پرفریب پردوں میں چھپا ہوا ہے۔ مغربی دولت پر چلنے والا نام نہاد آزاد الیکٹرانک اور پرنٹ میڈیا یکطرفہ کارروائی کرتے ہوئے مغرب کے بھیانک خونخوار چہرے پر میک اپ کر کے دنیا کے سامنے خوبصورت اور مہذب پیش کر کے مجرمانہ اور ظالمانہ عمل میں سب سے بڑا کردار ادا کر رہا ہے اور ہمارے ملک کے اکثر صحافی دشمن کے آلہ کار بن کر دن رات ان کی تعریفوں میں رطب اللسان رہتے ہیں۔ دین اور دینی تعلیمات سے ناآشنا مغربی ماحول میں پرورش پانے والے فلمکار گرگٹ کی طرح رنگ بدلنے، حرص وہوس کے پجاری، حکمرانوں کی چوکھٹ پر جبہ سائی کرنے والے ضمیر فروش لکھاری مغرب کے بدنما غلاظت بھرے چہرے کو خوبصورت کر کے پیش کرنے میں ید طولیٰ رکھتے ہیں۔

لیکن حقائق چھپانے سے نہیں چھپتے۔ فلسطین، افغانستان، عراق، ابوغریب، جیل اور کیوبا کے صعوبت خانوں سے نکلنے والی آہیں اور سسکیاں دنیا کے کونے کونے میں پہنچ چکی ہیں اور پوری دنیا سمجھ چکی ہے کہ دور حاضر میں تہذیب وانسانیت کا درس دینے والا، صبر وبرداشت اور تحمل مزاجی کی رٹ لگانے والا، اعتدال پسندی اور روشن خیالی کا ڈھنڈورا پیٹنے والا، انسانی حقوق ومساوات کا شور مچانے والا، آزادی اور رواداری کا دعویٰ کرنے والا مغربی استعمار سب سے بڑا ظالم ہے، سب سے بڑا سفاک ہے، سب سے بڑا خونخوار ہے، سب سے بڑا حقوق انسانی کا ڈاکو ہے، سب سے بڑا انتہا پسند ہے، سب سے بڑا تاریک خیال ہے، سب سے بڑا ڈکٹیٹر ہے، سب سے بڑا جاہل ہے، سب سے بڑا دجال ہے، سب سے بڑا مکار ہے، سب سے بڑا عیار ہے، سب سے بڑا شاطر

ہے، سب سے بڑا بے رحم ہے، سب سے بڑا ضدی اور ہٹ دھرم ہے جس نے دنیا کے کونے کونے میں اپنے پالتو بھیڑیے پال رکھے ہیں۔

جن کی غداری کی وجہ سے آج امت مسلمہ ہر طرف سے پریشان ہے، جن کی غداری کی وجہ سے آج امت مسلمہ غلامی کے بدترین دور سے گزر رہی ہے، جن کی غداری کی وجہ سے آج امت مسلمہ پسماندگی کی زندگی گزارنے پر مجبور ہے، جن کی غداری کی وجہ سے آج امت مسلمہ بہتر وسائل کے باوجود بے سروسامانی کے عالم میں ہے، جن کی غداری کی وجہ سے آج امت مسلمہ جہالت لے اندھیرے میں پڑی ہوئی ہے، جن کی غداری کی وجہ سے آج امت مسلمہ مغرب کے زیر اثر ہے، جن کی غداری کی وجہ سے افغانستان اور عراق قتل گاہ کی حیثیت اختیار کر چکے ہیں، جن کی غداری کی وجہ سے فلسطین و کشمیر کے مسائل نصف صدی سے لٹکے ہوئے ہیں، جن کی غداری کی وجہ سے رشدی جیسے ملعونوں کو تمغے اور القابات ملتے ہیں، جن کی غداری کی وجہ سے ابوغریب جیل اور کیوبا کے صعوبت خانے مسلمان مجاہدین سے آباد ہین، جن کی غداری کی وجہ سے چیچنیا اور بوسنیا کے مظلوم مسلمان لاوارث ہیں، جن کی غداری کی وجہ سے اسلامی ممالک ایٹمی اسلحہ سے محروم ہیں، جن کی غداری کی وجہ سے دنیا کے کونے کونے میں مسلمانوں کے اوپر دہشت گردی کا لیبل چسپاں ہوتا ہے، جن کی غداری کی وجہ سے اسلامی شعائر کا مذاق اڑایا جاتا ہے، جن کی غداری کی وجہ سے اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کی توہین کی جسارت کی جاتی ہے، جن کی غداری کی وجہ سے دنیا کی ہر برائی مسلمانوں کی طرف منسوب کی جاتی ہے، جن کی غداری کی وجہ سے امت مسلمہ اختلافات کا شکار ہے، جن کی غداری کی وجہ سے امت مسلمہ پر ہر طرف سے کفر کی یلغار ہے، جن کی غداری کی وجہ سے امت مسلمہ آج ذلیل و خوار ہے۔

مگر اہل حق آج بھی موجود ہیں جو حق و صداقت کے لئے اپنے تن من دھن کی قربانی دینے سے بھی پیچھے نہیں ہٹتے۔ شہدائے لال مسجد کا واقعہ بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے جس میں سینکڑوں طلباء و طالبات کو عبدالرشید غازی سمیت شہید کر دیا گیا۔ اس تحریک کا طریقہ کار اگرچہ ان کا ذاتی فعل تھا مگر جس قدر بے دردی، بربریت اور سفاکی سے ان معصوم طلباء و طالبات کو خانہ خدا کے

Marfat.com

اندر گولوں، بموں اور کیمیکل گیس کے ذریعہ شہید کیا گیا، اسلامی تاریخ میں اس ظلم کی کوئی مثال نہیں ملتی۔

غم کی نماز ہو ہی نہیں سکتی ادا کبھی
جب تک لوگ خون وفا سے وضو نہ کریں

سات دن تک مسلسل بجلی، پانی، گیس کے کنکشن کاٹ دیئے گئے۔ روزانہ بمباری ہوتی رہی، عبدالرشید غازی شہید کے ساتھ طلباء وطالبات بھوکے پیاسے، درختوں کے پتے کھا کر ظالم حکمرانوں کا مقابلہ کرتے رہے۔ حکومت نے غیر ملکی دہشت گردوں کی موجودگی کا ڈھنڈورا پیٹ کر عوام کی حمایت حاصل کرنے کی کوشش کی اور ساتھ مذاکرات کا ڈھونگ بھی رچایا۔ مگر جب مذاکرات آخری مراحل میں پہنچے تو ایوان صدر کی طرف سے امریکی آقا کو خوش کرنے اور اس کے اعتماد کو بحال کرنے اور اپنے دور اقتدار کو باقی رکھنے کے لئے مسجد و مدرسہ کا تقدس پامال کرتے ہوئے ان معصوم، بے گناہ اور دین کی خدمت کرنے والوں کو طاقت سے کچلنے کا فیصلہ کر لیا گیا تا کہ اس وحشتناک اور ہیبت ناک منظر کو دیکھ کر آئندہ کسی مسجد و مدرسہ سے کسی قسم کی حق گوئی کی کوئی آواز بھی نہ اٹھ سکے۔ تمام مساجد و مدارس پر اس ظالمانہ کارروائی کی دھاک بٹھائی جائے اور حق کے ان مراکز کو حق گوئی سے محروم کیا جائے اور اہل الحق کی زبانوں کو سیل کر دیا جائے۔

لیکن شاید یہ ہمارے فوجی حکمرانوں کی خام خیالی ہے۔ اگر اس طرح اہل حق کو مٹایا جا سکتا تو یہ کب کے مٹ چکے ہوتے۔ مگر

حق کی فطرت کو قدرت نے یہ لچک دی ہے
اتنا ہی یہ ابھرے گا جتنا کہ دبا دیں گے

حق دبانے سے دبتا نہیں، جھکانے سے جھکتا نہیں، مٹانے سے مٹتا نہیں بلکہ اس قسم کی کارروائیوں سے اس کو نیا ولولہ، نیا عزم، نیا جوش، نیا حوصلہ، نیا جذبہ اور نئی زندگی ملتی ہے۔ علامہ عبدالرشید غازی اور ان کے ساتھیوں نے اس جوش و جذبے کے ساتھ اپنے آپ کو آگ کی بھٹی میں جھونکا۔

Marfat.com

لست ابالی حین اقتل مسلمًا
علی ای جنب کان للہ مصرعی
ذالك فی ذات الالہ وان یشأ
یبارك علی اوصال شلو ممزع

یہ جذبہ اور شوق جو چودہ سو اٹھائیس سال پہلے موجود تھا، آج جدید دور کے جدید تقاضوں کے ہوتے ہوئے اکیسویں صدی کے روشن خیال معاشرہ میں روشن خیال شہر کے عین وسط میں اسی جوش و جذبے کے ساتھ موجود ہے اور تا قیامت موجود رہے گا۔ دنیا کا کوئی ظالم، جابر، قاتل، خونخوار بھیڑیا اس شوق اور جذبے کو ختم نہیں کرسکتا۔ کائنات کے اندر حق کی صدائیں گونجتی رہیں گے، صداقت کی آوازیں بلند ہوتی رہیں گی اور یوں حق و باطل کی کشمکش جو ازل سے چلی آئی ہے ابد تک جاری رہے گی۔ کسی شخصیت کے چلے جانے سے اس کے اندر کمی نہیں آئے گی۔

فصل گلشن وہی فصل گلشن رہی لاکھ گلچیں ستم روز ڈھاتے رہے
رونق گلستاں میں نہ آئی کمی پھول آتے رہے پھول جاتے رہے

اہل حق اللہ تعالیٰ پر نظر رکھ کر اس کی رضا اور خوشنودی کے لئے اپنی اپنی قربانیاں پیش کرتے رہیں گے۔ اور زمانے کے ظلم و جبر کی پرواہ کئے بغیر اپنے مشن میں آگے بڑھتے رہیں گے۔

تم جبر کئے جاؤ ہم صبر کئے جائیں
اللہ ہی منصف ہے اللہ ہی جزا دے گا

مومن خان عثمانی

فاضل مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ وفاق المدارس العربیہ
خطیب مرکزی جامع مسجد فاروق اعظم مدرسہ مخزن العلوم کٹھائی
تحصیل اوگی ضلع مانسہرہ فون: 0301-8137073, 0345-9485845

18 جولائی 2007ء، ۲ رجب المرجب ۱۴۲۸ھ

سرداران قریش کے سامنے آنحضرت ﷺ کا کلمہ حق

حضرت عبداللہ بن عمر فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ قریش کے سردار حطیم میں جمع تھے۔ میں بھی وہاں موجود تھا۔ وہ آپس میں کہنے لگے کہ اس آدمی (حضرت محمد ﷺ) کی طرف سے ہمیں جتنا برداشت کرنا پڑا ہے اتنا کبھی کسی اور کی طرف سے برداشت نہیں کرنا پڑا۔ یہ ہمیں بے وقوف کہتا ہے اور ہمارے آباؤ اجداد کو برا بھلا کہتا ہے، ہمارے دین میں عیب نکالتا ہے اور ہماری جماعت کے ٹکڑے ٹکڑے کر رہا ہے اور ہمارے معبودوں کو گالیاں دیتا ہے۔ ہم نے اس کی طرف سے بہت کچھ برداشت کر لیا ہے۔

اسی اثناء میں آنحضرت ﷺ چلتے ہوئے تشریف لائے۔ آپ ﷺ نے حجر اسود کا استلام کیا اور بیت اللہ کا طواف کرتے ہوئے ان کے پاس سے گزرے۔ سرداران قریش نے آپ کی بعض باتیں نقل کر کے آپ کو طعنہ دیا۔ آنحضرت ﷺ کے چہرہ اقدس پر اس کا اثر محسوس کیا گیا۔ آپ ﷺ ان کے سامنے سے تشریف لے گئے۔ جب دوبارہ ان کے پاس سے گزرنے لگے تو انہوں نے پھر وہی باتیں کر آپ ﷺ کو پھر طعنہ دیا۔ تیسری مرتبہ پھر آپ ﷺ کے گزرنے پر انہوں نے ویسی ہی باتیں کر کے طعنہ دیا۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا، اے جماعت قریش کیا تم سن رہے ہو؟ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں محمد کی جان ہے، میں تم لوگوں کو ذبح کرنے کرنے کے لیے ہی آیا ہوں۔

آپ ﷺ کی اس بات سے ان پر ایسی ہیبت طاری ہوئی کہ وہ سب ایک دم سہم گئے۔

(حیاۃ الصحابہ ۱/۳۴۳)

حضرت صدیق اکبرؓ کا سب سے پہلا اعلان حق

صحابہ کرام کی تعداد جب اڑتیس ہوگئی، ایک دفعہ سب اکٹھے ہو گئے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آنحضرت ﷺ سے اس بات کا اصرار کیا کہ اب کھلم کھلا اسلام کی دعوت دی جائے۔ آپ ﷺ نے فرمایا، ابو بکر ابھی ہم تھوڑے ہیں۔ جب حضرت صدیق اکبرؓ کا اصرا

Marfat.com

بڑھتا رہا۔ یہاں تک کہ آپ ﷺ نے کھلم کھلا اسلام کی دعوت دینے کی اجازت دے دی۔ چنانچہ مسلمان مسجد حرام کے مختلف حصوں میں تقسیم ہو گئے اور ہر آدمی اپنے قبیلہ میں جا کر بیٹھ گیا اور حضرت ابو بکر صدیق لوگوں میں بیان کرنے کے لئے کھڑے ہو گئے۔ آنحضرت ﷺ تشریف فرما تھے۔ یہ اسلام کا سب سے پہلا نعرہ حق تھا جس کے لگانے والے صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔

اسلام کا یہ نعرہ حق سن کر مشرکین مکہ حضرت ابو بکر صدیق اور مسلمانوں پر ٹوٹ پڑے۔ حضرت صدیق اکبرؓ کو مسلمانوں سمیت خوب مارا گیا۔ حضرت صدیق اکبرؓ کو پاؤں تلے روندا بھی گیا۔ عتبہ بن ربیعہ حضرت صدیق اکبرؓ کے قریب آیا اور آپ کو جوتوں سے مارنے لگا۔ اتنا مارا کہ حضرت صدیق اکبرؓ کا چہرہ اور ناک نہیں پہنچانا جا رہا تھا۔ بنو تمیم والے دوڑتے ہوئے آئے اور مشرکین کو آپؓ سے ہٹایا اور کپڑے میں ڈال کر حضرت صدیق اکبرؓ کو گھر لے گئے۔ انہیں حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مر جانے میں کوئی شک نہیں تھا جس پر انہوں نے مسجد حرام میں اعلان کیا کہ اگر ابو بکرؓ مر گئے تو ہم اس کے بدلہ میں عتبہ بن ربیعہ کو قتل کر دیں گے۔
(البدایہ ۳/۳۰، حیاۃ الصحابہ ۱/۲۶۳، الاصابہ ۴/ ۲۴۷)

حضرت فاروق اعظمؓ کا اعلان حق

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اسلام لانے پر جمیل بن معمر جمحی نے مسجد حرام کے دروازے پر کھڑے ہو کر اعلان کیا کہ اے جماعت قریش! غور سے سنو، خطاب کا بیٹا عمر بے دین ہو گیا ہے۔ قریش کعبہ کے اردگرد اپنی مجلسوں میں بیٹھے ہوئے تھے۔ حضرت عمرؓ نے جمیل کے پیچھے سے فرمایا، غلط کہتا ہے، میں مسلمان ہوا ہوں اور کلمہ شہادت اشھد ان لا الہ الا اللہ و ان محمدا لرسول اللہ پڑھا ہے۔

یہ سن کر وہ سب حضرت عمر کی طرف جھپٹے اور حضرت عمر سے لڑنے لگے یہاں تک کہ سورج سروں پر آ گیا اور حضرت عمرؓ تھک کر بیٹھ گئے۔ تمام مشرکین حضرت عمرؓ کے سر پر کھڑے تھے اور حضرت عمرؓ فرما رہے تھے کہ جو تمہارا دل چاہتا ہے کر لو، میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ ہم مسلمان

تین سو گئے تو یا تو تم مکہ ہمارے لئے چھوڑ کر چلے جاؤ گے یا ہم تمہارے لئے چھوڑ کر چلے جائیں گے۔ (البدایہ ۸۲/۳، حیاۃ الصحابہ ۳۶۶/۱)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا اپنے چچا کے سامنے کلمہ حق

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اسلام لانے پر ان کے چچا حکم بن ابوالعاص بن امیہ نے پکڑ کر رسی میں مضبوطی سے باندھ دیا اور کہا کہ تم اپنے آباؤ اجداد کے دین کو چھوڑ کر ایک نئے دین کو اختیار کرتے ہو، اللہ کی قسم جب تک تم اس دین کو نہیں چھوڑو گے میں اس وقت تک بالکل تمہیں نہیں کھولوں گا۔

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا، اللہ کی قسم میں اس دین کو کبھی بھی نہیں چھوڑوں گا۔ جب حکم نے دیکھا کہ حضرت عثمان اپنے دین پر بڑے پکے ہیں تو ان کو چھوڑ دیا۔ (طبقات ابن سعد ۳/۳۷، حیاۃ الصحابہ ۳۶۸/۱)

حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا نعرہ حق

حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب اسلام کی دولت سے نوازے گئے تو مشرکین ملکہ آپ کو طرح طرح کی تکلیفیں دینے لگے تاکہ اسلام کو چھوڑ کر پھر واپس مشرکین کے ساتھ مل جائیں۔ جب دوپہر کو تیز گرمی ہو جاتی تو امیہ بن خلف حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لے کر باہر نکلتا اور مکہ کی پتھریلی زمین پر ان کو کمر کے بل لٹا دیتا، پھر وہ کہتا کہ ایک بڑا پتھر ان کے سینہ پر رکھ دیا جائے۔ چنانچہ ایک بڑا پتھر ان کے سینے پر رکھ دیا جاتا تھا۔ پھر حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے کہتا تم ایسی ہی تکلیفوں میں رہو گے یہاں تک کہ یا تو تم مرجاؤ یا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا انکار کر کے لات وعزیٰ کی عبادت شروع کردو۔

لیکن حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان تمام تکلیفوں کے باوجود احد احد کا نعرہ لگاتے کہ معبود ایک ہی ہے۔ (حیاۃ الصحابہ ۳۷۳/۱)

Marfat.com

حضرت ابوذر غفاریؓ کا اعلان حق

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب اسلام لائے تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا، تم اپنی قوم میں چلے جاؤ اور میرا حکم آنے تک وہیں رہو۔ حضرت ابوذرؓ نے فرمایا، اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے، میں کافروں کے بیچ میں پورے زور سے اس کلمہ توحید کا اعلان کروں گا۔ چنانچہ مسجد حرام میں تشریف لے گئے اور بلند آواز سے پکار کر کہا اشهد ان لا اله الا الله و ان محمد الرسول الله۔ یہ سن کر مشرکین کھڑے ہوئے اور مار مار کر لٹا دیا۔

اتنے میں حضرت عباس آئے اور ان کو بچانے کے لئے ان کے اوپر لیٹ گئے اور فرمایا کہ تمہارا ناس ہو کیا تمہیں معلوم نہیں کہ یہ قبیلہ غفار کے آدمی ہیں اور ملک شام کا تمہارا تجارتی راستہ اسی قبیلہ کے پاس سے گزرتا ہے۔ حضرت عباس نے ان کو کافروں سے چھڑایا۔ اگلے دن پھر حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسی طرح دوبارہ نعرہ حق بلند کیا۔ پھر کافروں نے ان پر حملہ کیا اور ان کو مارا۔ پھر حضرت عباس بچانے کے لئے ان کے اوپر لیٹ گئے۔ (بخاری ۵۴۴/۱)

حضرت سعید بن زیدؓ اور فاطمہ بنت خطابؓ کی حق گوئی

حضرت عمرؓ کو اسلام لانے سے قبل جب اپنے بہنوئی سعید بن زید اور بہن فاطمہ بنت خطاب کے اسلام لانے کا پتہ چلا تو غصے سے بھر گئے اور ان کے گھر چل دیئے۔ جب وہاں پہنچے، گھر میں داخل ہوتے ہی کہا کہ یہ پست آواز کیا تھی جو میں نے تمہارے پاس سے سنی۔ انہوں نے کہا کہ ہم آپس میں باتیں کر رہے تھے اور کچھ نہیں تھا۔ حضرت عمرؓ نے کہا، شاید تم دونوں بھی (اس نبی کی طرف) مائل ہو گئے ہو۔ سعید بن زید نے ان سے کہا، اے عمر! اگر حق تمہارے دین کے علاوہ کسی اور دین میں ہو تو پھر تمہارا کیا خیال ہے؟ یہ سنتے ہی حضرت عمرؓ ان پر جھپٹے اور ان کو بہت بری طرح سے روندا۔ ان کی بہن انکو اپنے خاوند سے ہٹانے کے لئے آئیں تو حضرت عمرؓ نے اپنی بہن کو اس زور سے مارا کہ چہرے سے خون نکل آیا۔ ان کی بہن کو بھی غصہ آیا، انہوں نے

Marfat.com

غصہ سے کہا، اے عمر! اگر حق تمہارے دینکے علاوہ کسی اور دین میں ہو تو پھر؟ اور ساتھ ہی انہوں نے بلند آواز سے کلمہ شہادت اشھد ان لا الہ الا اللہ واشھد ان محمد الرسول اللہ پڑھا۔

حضرت عمر جب مایوس ہوئے تو کہا کہ مجھے بھی وہ کتاب دو جو تمہارے پاس ہے تا کہ میں بھی اسے پڑھوں۔ ان کی بہن نے کہا کہ تم ناپاک ہو اور اس کتاب کو صرف پاک آدمی ہاتھ لگا سکتے ہیں۔ اس لئے کھڑے ہو کر یا تو غسل کرو یا وضو۔ (حیاۃ الصحابہ ۱/۳۸۳، طبقات ابن سعد ۱۹۱/۲)

رومی سپہ سالار کے سامنے حضرت خالدؓ کی بیباکی

ایک مرتبہ حضرت ابو عبیدہؓ بن جراح نے حضرت خالدؓ بن ولید کو سفیر بنا کر رومی لشکر گاہ میں ان کے سپہ سالار باہان کے پاس بھیجا۔ باہان نے اپنی شان وشوکت اور عظمت وجلال کا بیان کیا اور عربوں کو جاہل، وحشی اور خانہ بدوش قوم بتاتے ہوئے کہا، ''تم پر قیصر روم کے بے پناہ احسانات ہیں، تم کو اس طرح رومیوں پر نہیں چڑھ دوڑنا چاہئے تھا، یہ سراسر احسان فراموشی ہے۔''

جب باہان اپنی بات کہہ چکا اور خوب ڈینگیں مار چکا تو حضرت خالدؓ بن ولید کھڑے ہوئے اور فرمایا:

> تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں، اس کے رسول محمد ﷺ پر درود وسلام ہو۔ بے شک رومیو! تم دولت مند، مالدار اور صاحب حکومت ہو۔ یہ بھی سچ ہے کہ ہم محتاج تھے، تنگ دست تھے، وحشی اور خانہ بدوش تھے، ظلم و جہالت کے اندھیرے میں گھرے ہوئے تھے، آپس میں جھگڑتے، بت تراشتے اور بت پرستی کرتے تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ہم پر رحم کیا اور ہماری قوم میں ایک نبی بھیجا جس نے ہمیں توحید کا سبق دیا۔ برائیوں سے بچایا، آپس میں بھائی چارہ سکھایا، ظلم و جہالت کے اندھیرے کو دور کیا، بت پرستی کی لعنت سے محفوظ کیا۔ اب ہم مسلمان ہیں۔ جن برائیوں کا تم ذکر کرتے ہو ان سے پاک ہیں۔ اگر

Marfat.com

ان برائیوں کی وجہ سے ہم سے نفرت کرتے ہو تو اب ہم میں وہ برائیاں نہیں ہیں۔اس لئے تم بھی اسلام میں داخل ہو جاؤ اور ہمارے بھائی بن جاؤ۔انشاء اللہ فلاح پاؤ گے۔اگر تم کو یہ گوارہ نہیں ہے تو جزیہ دے کر ہماری امان میں داخل ہو جاؤ۔اگر یہ بھی قبول نہیں ہے تو کل میدان میں معلوم ہو جائے گا کہ تم کتنے بڑے ہو اور ہم کتنے چھوٹے۔ (الفاروق ۱۳۴)

حضرت معاذ بن جبلؓ کی جرأت و بہادری

دمشق کی فتح کے بعد ۱۴ ہجری ۶۳۴ء میں اسلامی لشکر کا پڑاؤ محل میں ہوا۔سامنے بیسان کے مقام پر رومیوں کا لشکر جمع تھا۔مسلمانوں کے بڑھے ہوئے حوصلے دیکھ کر عیسائی بہت زیادہ خوفزدہ تھے۔انہوں نے سپہ سالار حضرت ابوعبیدہؓ بن جراح کے پاس اطلاع بھیجی کہ وہ بھی صلح کرنا چاہتے ہیں۔حضرت ابوعبیدہؓ نے حضرت معاذ بن جبل کو سفیر بنا کر بیسان بھیجا۔

عیسائیوں میں حضرت معاذ بن جبل کی بزرگی اور تقدس کا بہت چرچا تھا۔انہوں نے ان کے استقبال کی شاندار تیاری کی، چاہتے تھے کہ ان کی خوب عزت افزائی کریں لیکن انہوں نے ان کی عزت اپنے ہی ڈھنگ سے کرنی چاہی۔خیمے میں دیبا کے زریں فرش بچھائے گئے، خادم اور چوبدار صف بستہ کھڑے ہو گئے۔

حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب رومیوں کے خیمے میں پہنچے تو اس زریں فرش کو دیکھ کر وہیں ٹھٹک کر رک گئے اور کہا۔

> میں اس شاندار فرش پر قدم نہیں رکھوں گا، مجھے اس میں غریبوں کے خون کی بو آتی ہے جو چیز غریبوں کا حق چھین کر تیار کی گئی، میں اس پر قدم کیسے رکھ سکتا ہوں؟

رومیوں نے کہا، افسوس ہم تو آپ کی عزت کرنا چاہتے تھے لیکن آپ خود ہی اس کو ٹھکرا رہے ہیں۔
حضرت معاذ نے کہا کہ جس کو تم عزت کہتے ہو، مسلمان کی نظر میں اس کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔
یہ کہہ کر وہ اس زریں فرش سے بچ کر زمین پر بیٹھ گئے۔جب ان کے اس بے تکلفی سے زمین پر

Marfat.com

بیٹھنے پر ایک رومی نے کہا، زمین پر بیٹھنا غلاموں کا شیوہ ہے۔ تو فرمایا، بے شک زمین پر بیٹھنا غلاموں کا شیوہ ہے اور میں اللہ کا حقیر ترین غلام ہوں۔

باہان نے کہا، تم ہمارے ملک پر کیوں حملہ آور ہوئے؟ حبشہ کا ملک عرب کے قریب ہے، فارس کا بادشاہ فوت ہو چکا ہے اور سلطنت کی باگ ڈور ایک عورت کے ہاتھ میں ہے۔ حالانکہ ہمارا بادشاہ ہرقل اعظم دنیا کا سب سے بڑا بادشاہ ہے۔ سلطنت روم دنیا کی پہلی عظیم طاقت ہے۔ ہم تعداد میں آسمان کے ستاروں اور روزن میں زمین کے برابر ہیں۔ اچھا ہے کہ تم ہمیں چھوڑ کر کسی اور طرف نکل جاؤ۔

حضرت معاذؓ بھلا ان باتوں سے مرعوب ہونے والے کب تھے۔ فوراً کھڑے ہو کر بولے:

> ہم تم سے تمہارا ملک چھیننے نہیں آئے ہیں۔ ہم تو تم سے یہ کہنے آئے ہیں کہ تم اسلام قبول کر کے ہمارے بھائی بن جاؤ۔ شراب نوشی اور سود خوری چھوڑ دو۔ اگر یہ منظور نہیں ہے تو جزیہ دو اور ہماری پناہ میں آ جاؤ ورنہ وہ سامنے فخل کے میدان میں ہماری تلواروں کو کل صبح تمہارا انتظار رہے گا۔ رہی یہ بات کہ تم تعداد میں آسمان کے ستاروں اور روزن میں زمین کے برابر ہو تو ہمیں قلت و کثرت کی کبھی پرواہ نہیں ہوتی۔ تمہیں اگر اس پر ناز ہے کہ تمہارا بادشاہ دنیا میں سب سے بڑا ہے تو ہمیں بھی اس بات پر فخر ہے کہ ہمارا خلیفہ عام مسلمانوں پر فوقیت نہیں رکھتا۔ اگر وہ زنا کرے تو اس کو سنگسار کر دیا جائے۔ اگر چوری کرے تو ہاتھ کاٹ ڈالا جائے۔ اہل روم! ذرا سوچو کہ کون سی بات فضیلت کی ہے؟ تم اپنے قیصر کو جو عام انسان ہوتا ہے، خدا کا سا مرتبہ دیتے ہو، وہ عام لوگوں سے برتر سمجھا جاتا ہے، ہم اپنے خلیفہ کو عام مسلمانوں پر کوئی فوقیت نہیں دیتے۔

رومی حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ بے باکانہ باتیں سن کر حیران رہ گئے۔ ایک رومی نے پوچھا، کیا مسلمانوں میں تم سے بھی بڑھ کر نڈر اور بہادر کوئی اور ہے؟ فرمایا، معاذ اللہ یہ ہی بہت ہے کہ میں سب سے بدتر نہیں ہوں۔ (سیر انصار جلد دوم، الفاروق ۱۲۳)

Marfat.com

حضرت ابوعبیدہؓ کی حق گوئی

قیصر روم کی فوج جب مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے بیسان میں پڑی ہوئی تھی تو مسلمانوں سے اتنی خائف تھی کہ کسی قیمت پر ان سے جنگ نہیں کرنا چاہتی تھی۔ اس کا سپہ سالار باہان کسی بھی طرح جنگ کو ٹالنا چاہتا تھا۔ اس لئے اپنے ایک بہت ذمہ دار کمانڈر کو اسلامی فوجی پڑاؤ میں فحل بھیجا۔ رومی سفیر کا مقصد مسلمانوں کو مال و دولت کا لالچ دے کر اپنے وطن واپس کرنا تھا۔ اس نے حضرت ابوعبیدہؓ بن جراح سے یہ پیشکش کی کہ اگر مسلمان ان پر حملہ نہ کریں اور واپس چلے جائیں تو قیصر روم کی طرف سے فی سپاہی دو دو دینار دیئے جائیں گے، ایک ہزار دینار سپہ سالار کو ملیں گے اور دو ہزار دینار آپ کے خلیفہ کو مدینہ بھیج دیئے جائیں گے۔ اگر آپ اس کے لئے تیار نہیں ہیں تو جنگ میں آپ کے لوگ مارے جائیں گے اور اتنی بڑی مالی رعایت سے بھی ہاتھ دھوئیں گے۔

حضرت ابوعبیدہؓ نے بڑی سنجیدگی سے رومی کمانڈر کی بات سنی، پھر انتہائی متانت سے جواب دیا:

> آپ لوگ شاید ہم کو اتنا ذلیل اور کم مایہ سمجھتے ہیں کہ ہم دولت کی خاطر آپ کے ملک میں آئے ہیں۔ میں آپ کو صاف صاف بتا دینا چاہتا ہوں کہ ہمارا یہاں آنے کا مقصد ملک و مال نہیں ہے نہ ہمیں ملک سے رغبت ہے نہ مال کا لالچ۔ آپ دو دینار کی بات کرتے ہیں، آپ کے دو لاکھ دینار بھی ہمارے سپاہی کی نظر میں دھول کی برابر ہیں۔ ہم تو صرف کلمۃ الحق کا اعلان کرنے نکلے ہیں۔ توحید کا پیغام لے کر آپ کے ملک میں آئے ہیں۔ یا تو آپ ایمان قبول کر کے ہمارے بھائی بن جائیں یا ہماری اطاعت قبول کر کے ہمیں جزیہ دیں، نہیں تو جس خون خرابے سے تم ہمیں ڈراتے ہو اس سے ڈرنے والے ہم نہیں ہیں۔ یہ ہماری تلوار میدان میں یہ فیصلہ کر دے گی کہ کون حق پر ہے اور کون باطل پر اور اللہ تعالیٰ یہ بتا دے گا کہ کون ذلیل اور کم مایہ ہے، تم یا ہم؟ (مہاجرین جلد اول)

Marfat.com

حضرت ابن عمرؓ کی حق گوئی حجاج کے سامنے

ایک مرتبہ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ نے حجاج بن یوسف کو خطبہ پڑھتے دیکھا، غضب آلود ہو کر برملا فرمانے لگے، خدا کے دشمن! خدا کی حرام کی ہوئی باتوں کو اس نے حلال کرایا۔ خدا کے گھر کو خراب کیا اور خدا کے دوستوں کو قتل۔

حجاج نے اپنی نسبت یہ سخت کلمات سن کر پوچھا، یہ کون ہے؟ کسی نے کہا، عبداللہ ابن عمرؓ۔ اتنا سن کو وہ سفاک آپ کی طرف مخاطب ہوا اور کہنے لگا، بڑے میاں! تم سٹھیا گئے ہو اور تمہارے حواس بجا نہیں رہے۔

منبر سے اترا تو دل میں بخار بھرا ہوا تھا۔ اپنے ایک ملازم کو اشارہ کیا اور اس نے زہر میں بجھا ہوا ایک حربہ حضرت ابن عمرؓ کے پاؤں میں مار دیا۔ اسی ہتھیار کی سمّیت آپ کی وفات کا باعث ہوئی۔ مزید عنایت دیکھئے کہ جو مرض خود پیدا کیا تھا، اس کی عیادت کو آیا۔ مگر حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے نہ اس کے سلام کا جواب دیا نہ کلام کیا۔ (علمائے سلف) (تاریخ اسلام کے ناقابل فراموش واقعات: ۴۷۳)

ایرانی دربار میں حضرت مغیرہ بن زرارہ کی حق گوئی

شہنشاہ ایران یزدگرد نے صحابہ کرام کے وفد کو دور جاہلیت کی فاقہ مستیوں کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا کہ ہم تمہارے کھانے کا بندوبست کر دیں گے، تمہارے لباس کا بھی انتظام کر دیں گے اور کوئی ایسا بادشاہ تمہارے لئے مقرر کر دیں گے جو تم سے نرم برتاؤ کرے گا۔ تو حضرت مغیرہ بن زرارہ نے آگے بڑھ کر فرمایا:

> اے بادشاہ! بے شک ہم ایسے ہی بد بخت و بدحال تھے جیسا کہ تو نے بیان کیا بلکہ اس سے بھی زیادہ، ہم مردار جانور کھاتے تھے، اون اور چمڑا ہمارا لباس تھا اور زمین ہمارا بستر۔ لیکن جب ہم میں خدا کا وہ برگزیدہ رسول مبعوث ہوا جو حسب ونسب میں سب سے افضل تھا، شان وشوکت میں سب سے اعلیٰ تھا اور اخلاق

Marfat.com

حسنہ مُس بے نظیر تو اس نے ہماری کایا پلٹ دی، اس کی معجزانہ تعلیم سے ہم ساری دنیا کے رہنما بن گئے اور آج یہ حالت ہے کہ تم جیسے مغرور بادشاہ بھی ہماری عظمت وشوکت سے تھراتے ہیں۔

اے بادشاہ! اب زیادہ حیل و حجت فضول ہے۔ یا تو اس برگزیدہ رسول کی دعوت کو قبول کرلو اور اس سعادت کبریٰ کے آگے سر جھکا دو ورنہ جزیہ ادا کرنا منظور کرلو اور اگر یہ دونوں باتیں منظور نہیں تو پھر تلوار کے فیصلہ کا انتظار کرو۔

بادشاہ حضرت مغیرہ کی اس تقریر سے بہت برہم ہوا اور جوش میں آ کر کہا، اگر سفراء کا قتل بین الاقوامی آداب کے خلاف نہ ہوتا تو میں تمہیں قتل کرا دیتا۔ (خلفائے راشدین کے کارنامے ۱۹۰)

ایرانی دربار میں حضرت مغیرہ بن شعبہ کی بے باکانہ گفتگو

حضرت مغیرہ بن شعبہؓ جب ایرانی دربار میں پہنچے، رستم نے اسلامی سفیر کو مرعوب کرنے کے بڑی سج دھج سے اپنا خیمہ سجایا، حریر و دیبا کے بیش قیمت فرش زمین پر بچھائے گئے اور زرنگار پردے دیواروں پر لٹکائے گئے۔ بیچ دربار میں ایک سونے کے تخت پر جواہرات کا تاج سر پر رکھے رستم بڑی شان سے بیٹھا تھا، ادھر ادھر درباری سونے کے مرصع تاج اوڑھے اپنے اپنے مرتبہ کے مطابق بیٹھے تھے۔ راستہ کے دونوں طرف خدام اور پہرہ دار ادب کے ساتھ کھڑے تھے۔ حضرت مغیرہؓ گھوڑے سے اتر کر سیدھے تخت کی طرف بڑھے اور بے باکانہ رستم کے زانو سے زانو ملا کر بیٹھ گئے۔

حضرت مغیرہؓ کی اس جرأت پر تمام دربار حیران رہ گیا۔ پہرے دار آگے بڑھے اور حضرت مغیرہؓ کو تخت سے اتار دیا۔ حضرت مغیرہؓ نے فرمایا:

اے سرداران ایران! ہم تمہیں عقل مند سمجھتے تھے مگر تم تو بڑے بے وقوف نکلے۔ ہم مسلمان بندوں کو خدا نہیں بناتے اور کمزور انسانوں پر طاقتور لوگوں کی آقائی کے قائل نہیں۔ ہمارا خیال تھا کہ تمہارے ہاں بھی یہی دستور ہوگا۔ بہتر یہ تھا کہ تم ہمیں پہلے ہی بتا دیتے کہ تمہارے ہاں کمزور طاقتور کی پوجا کرتے ہیں اور

Marfat.com

انہیں دیوتا بنا کر اونچی جگہ بٹھاتے ہیں۔ انسانی مساوات کا اصول تسلیم نہیں۔
اگر یہ بات مجھے پہلے معلوم ہو جاتی تو میں ہرگز تمہارے دربار میں نہ آتا۔ خیر اب تو میں آ گیا لیکن تمہیں بتا دیتا ہوں کہ سلطنت قائم رہنے کے یہ ڈھنگ نہیں، زیردستوں کی بے قراری تمہارے اقتدار کی بساط الٹ دے گی۔

حضرت مغیرہؓ کی زبان سے یہ الفاظ سن کر دربار میں چہ میگوئیاں ہونے لگیں۔ کمزور طبقہ کے لوگوں نے کہا، خدا کی قسم اس عربی نے تو سچی بات کہی۔ سردار بولے، اس شخص نے ہماری رعایا کو ہم سے بغاوت پر آمادہ کر دیا ہے، جو لوگ اس قوم کو حقیر سمجھتے ہیں وہ بڑے بے وقوف ہیں۔
(ابن جریر ۳/۳۶، حیاۃ الصحابہ ۳/۷۵۰، خلفائے راشدین کے تاریخی کارنامے ۱۹۱)

حضرت نعمان بن مقرنؓ کی جرأت مندانہ گفتگو

شہنشاہ ایران یزدگرد: یہ بتاؤ تم ہمارے ملک میں کیوں آئے ہو؟

نعمان بن مقرن: اے بادشاہ! کچھ عرصہ پہلے ہم وحشی تھے، ہم جاہل تھے، لیکن خدا نے ہم پر بڑا فضل فرمایا، ہماری ہدایت کیلئے ایک برگزیدہ رسول بھیجا، خدا کے اس مقدس رسول نے ہمیں راہ حق دکھائی، اس نے نیکی کی طرف بلایا اور بدی سے بچایا اور وعدہ کیا کہ اگر ہم اس کی دعوت کو قبول کر لیں تو دنیا و آخرت کی کامیابی ہماری قدم چومے گی۔ ہم نے اس کی دعوت کو قبول کر لیا تو اس نے ہمیں حکم دیا کہ ہم اس دعوت کو ان قوموں تک پہنچائیں جو ہمارے پاس میں آباد ہیں اور انہیں بتائیں کہ یہی دعوت جسے اسلام کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے، تمام خوبیوں کی بنیاد ہے، یہ حق کو حق اور باطل کو باطل کی صورت میں پیش کرتی ہے۔

لہٰذا اے عمائدین ایران! ہم تمہیں اس مقدس دین کی طرف بلاتے ہیں۔ اگر تم اس دعوت کو قبول کرتے ہو تو ہمیں تم سے تعرض کرنے کی کوئی ضرورت نہیں، ہم کتاب اللہ تمہارے حوالے کر دیں گے، وہی تمہاری رہنمائی ہو گی اور اس کے احکام کی پیروی تمہارا فرض ہو گا۔ لیکن اگر تمہیں اس دعوت کے قبول کرنے سے انکار ہے تو پھر تمہیں جزیہ ادا کر کے ہمارے اقتدار کو قبول کرنا پڑے گا اور عہد کرنا ہو گا کہ تمہاری سلطنت میں ظلم نہ ہو گا اور بدکاری سر نہ اٹھائے گی۔ اور اگر تمہیں

Marfat.com

یہ بھی منظور نہیں تو پھر تلوار تمہارے اور ہمارے درمیان فیصلہ کرے گی۔

رستم کے دربار میں حضرت ربعی بن عامر کی آزادانہ گفتگو

جنگ قادسیہ کے موقع پر جب سعد بن ابی وقاص اسلامی فوج لے کر ایران پہنچے تو شہنشاہ ایران کے فوجی سپہ سالار مشہور پہلوان رستم کے مطالبہ پر حضرت سعد نے ربعی بن عامر کو قاصد بنا کر رستم کے پاس بھیجا۔ حضرت ربعی وہاں پہنچے تو کیا دیکھتے ہیں کہ ان لوگوں نے رستم کے دربار کو سونے کے کام والے تکیوں اور ریشمی قالینوں اور چمکدار موتیوں اور بڑی زیب وزینت سے سجا رکھا تھا۔ حضرت ربعی موٹے کپڑے پہنے ہوئے تھے، تلوار اور ڈھال لگا رکھی تھی، چھوٹے قد والی گھوڑی پر سوار تھے، اپنی سواری پر چلتے رہے۔ یہاں تک کہ قالین کا ایک کنارہ گھوڑی نے روند ڈالا۔ پھر اس سے اترے اور گھوڑی کو ایک تکیہ سے باندھ دیا اور آگے بڑھے تو ہتھیار اور زرہ پہنے ہوئے تھے۔ خود ان کے سر پر رکھی ہوئی تھی۔ دربانوں نے کہا کہ آپ اپنے ہتھیار یہاں اتار دیں۔ حضرت ربعی نے فرمایا کہ میں خود تمہارے پاس نہیں آیا بلکہ تمہارے بلانے پر آیا ہوں۔ اگر مجھے اس طرح آگے جانے دیتے ہو تو ٹھیک ہے ورنہ میں یہیں سے واپس چلا جاتا ہوں۔

رستم سے پوچھا گیا تو رستم نے کہا کہ ایسے ہی آنے دو۔ حضرت ربعی اپنے نیزے سے قالیوں پر ٹیک لگاتے ہوئے رستم کی طرف بڑھے اور قالینوں کو پھاڑ ڈالا۔ حاضرین دربار نے حضرت ربعی سے پوچھا کہ آپ یہاں کیوں آئے ہیں۔ حضرت ربعی نے کہا:

> اللہ نے ہمیں اس لئے مبعوث فرمایا ہے کہ جسے اللہ چاہے ہم اسے بندوں کی بندگی سے نکال کر اللہ کی عبادت میں لگا دیں اور دنیا کی تنگی سے نکال کر دنیا کی وسعت میں پہنچا دیں اور دوسرے دینوں کے مظالم سے نکال کر اسلام کے عدل وانصاف میں داخل کر دیں۔ اللہ نے اپنا دین دے کر ہمیں اپنی مخلوق کی طرف بھیجا ہے تا کہ ہم ان کو اس دین کی دعوت دیں جو اس دین کو اختیار کرے گا ہم اس سے اس کو قبول کریں گے اور جو اس دین کو اختیار کرنے سے انکار کرے گا ہم اس سے جنگ کرتے رہیں گے۔ یہاں تک کہ اللہ کا وعدہ ہم سے پورا ہو

جائے گا۔

انہوں نے پوچھا کہ اللہ کا وعدہ کیا ہے؟ حضرت ربعی نے فرمایا:

جو دین کا انکار کرنے والوں سے جنگ کرتے ہوئے مرے گا اسے جنت ملے گی اور جو باقی رہے گا اسے فتح و کامیابی ملے گی۔

رستم نے کہا، میں نے تمہاری بات سن لی، کیا تم مجھے مہلت دے سکتے ہو تا کہ ہم بھی غور کر لیں اور تم بھی غور کر لو۔ حضرت ربعی نے فرمایا، ہاں کتنی مہلت چاہتے ہو، ایک دن یا دو دن؟ رستم نے کہا، نہیں ہمیں تو زیادہ دنوں کی مہلت چاہئے کیونکہ ہم اپنے اہل شوریٰ اور اپنی قوم سے خط و کتابت کریں گے۔ حضرت ربعی نے فرمایا، جناب رسول اللہ ﷺ نے ہمارے لئے یہ طریقہ کار مقرر کیا ہے کہ دشمن سے سامنا ہو جائے تو ہم اسے تین دن سے زیادہ مہلت نہ دیں، لہذا تمہیں تین دن کی مہلت ہے، تم اپنے اور اپنی پبلک کے بارے میں غور کر لو اور مہلت ختم ہونے پر تین باتوں میں سے کوئی ایک بات اختیار کر لینا۔

رستم نے پوچھا، کیا تم مسلمانوں کے سردار ہو؟ حضرت ربعی بن عامر نے فرمایا، نہیں لیکن مسلمان ایک جسم کی مانند ہیں، عام مسلمان بھی اگر کسی کو پناہ دے گا تو وہ ان کے امیر کو ماننی پڑے گی؟ (البدایہ ۷/۳۸، حیاۃ الصحابہ ۱/۲۸۷)

نجاشی کے دربار میں حضرت جعفر کی آزادانہ گفتگو

نجاشی نے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو ملاقات کے لئے دعوت دی تو وہ خوفزدہ ہو گئے، آپس میں مشورے کرنے لگے کہ اگر بادشاہ نے ہمارے دین کے بارے میں سوال کیا تو کیا جواب دیں گے؟ ان میں سے منجھے ہوئے صحابہ کرامؓ نے کہا، ہم وہی کچھ کہیں گے جو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب قرآن مجید میں کہا ہے۔ ہم برملا اس پیغام کا اعلان کریں گے جو نبی اکرم ﷺ اپنے رب کی جانب سے لے کر آئے ہیں۔

صحابہ کرامؓ نجاشی کے دربار میں گئے، کیا دیکھتے ہیں کہ وہاں قریش کے نمائندے عمرو بن عاص اور عبداللہ بن ربیعہ بیٹھے ہوئے ہیں۔ اور حاشیہ نشین درباری لباس زیب تن کئے ہوئے

Marfat.com

تخت کے دائیں بائیں باادب اپنے سامنے کھلی ہوئی کتابوں پر سر جھکائے بیٹھے ہیں۔ دربار میں مکمل سناٹا چھایا ہوا ہے۔ صحابہ کرامؓ دربار میں داخل ہوئے، سلام کیا اور مجلس کے آخر میں جہاں جگہ خالی تھی، بیٹھ گئے۔ عمرو بن عاص نے ان کی طرف دیکھا اور کہا، تم بادشاہ سلامت کے سامنے سجدہ ریز کیوں نہیں ہوتے؟ صحابہ کرامؓ نے جواب دیا کہ ہم اللہ کے سوا کسی کو سجدہ نہیں کرتے۔

نجاشی نے بڑے تعجب سے اپنے سر کو جنبش دی اور ان کی طرف نرمی سے دیکھتے ہوئے ارشاد فرمایا: آپ نے وہ کون سا دین ایجاد کر لیا ہے کہ جس کی وجہ سے اپنی قوم کے دین کو چھوڑ دیا ہے اور میرے دین میں بھی تم داخل نہیں ہوئے؟

حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بات کرنے کی اجازت طلب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

> بادشاہ سلامت! ہم نے اپنے لئے کوئی نیا دین ایجاد نہیں کیا۔ صورت حال یہ ہے کہ ہمارے پاس حضرت محمد ﷺ اپنے رب کی جانب سے ایک ایسا طرز حیات لے کر آئے ہیں جو ہدایت اور حق پر مبنی ہے، جس نے ہمیں تاریکیوں سے نور کی طرف نکالا۔ ہم جاہل تھے، بتوں کے پجاری تھے، رشتوں کا تقدس پامال کرتے تھے، مردار کھاتے تھے، بے حیائی کے مرتکب تھے، پڑوسی کے حقوق پامال کیا کرتے تھے، ہم میں سے طاقتور کمزور کو رکیدتا تھا۔ ہم ان گھناؤنے جرائم میں بری طرح ملوث تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے پاس ایک رسول بھیجا، جس کے خاندان کو ہم جانتے تھے، جس کی صداقت، امانت اور پاکدامنی کے ہم قلب صمیم سے معترف تھے، اس نے ہمیں اللہ کی طرف دعوت دی اور ہمیں یہ حکم دیا کہ ہم صرف ایک اللہ کی عبادت کریں، علاوہ ازیں ہمیں نماز قائم کرنے، زکوٰۃ ادا کرنے اور رمضان کے روزے رکھنے کی ترغیب دی، نیز ہمیں یہ تلقین کی کہ پتھروں اور بتوں کی پوجا کو یکسر چھوڑ دیں اور اسی طرح ہمیں سچ بولنے، امانت ادا کرنے، صلہ رحمی کرنے، پڑوسیوں سے حسن سلوک سے پیش

آنے، حرام سے بچنے اور خون ریزی سے بچنے کا حکم دیا اور ساتھ ہی ساتھ اس نے ہمیں بے حیائی کے ارتکاب، جھوٹ بولنے اور یتیم کا مال کھانے سے منع کیا۔ تو ہم نے صدق دل سے آپ کی صداقت کا اعتراف کیا، آپ کی رسالت پر ایمان لے آئے اور آپ کی پیش کردہ شریعت کی پیروی کرنے لگے۔ ہم ایک اللہ کی عبادت کرنے لگے جس کا کوئی شریک نہیں، ہم نے ہر اس چیز کو حرام قرار دے دیا جسے آپ نے ہمارے لئے حرام قرار دیا تھا اور ہر اس چیز کو حلال سمجھا جسے آپ نے ہمارے لئے حلال قرار دیا تھا۔ تو اس بنا پر ہماری قوم ہماری دشمن بن گئی اور ہمیں المناک سزا دینے لگی تاکہ وہ ہمیں دین سے منحرف کر دے اور پھر سے ہمیں بتوں کے پجاری بنا دے جبکہ ہم ایک اللہ کی عبادت کے خوگر بن چکے تھے۔ جب انہوں نے ہم پر ظلم وستم کی انتہا کر دی، ہمارا عرصہ حیات تنگ کر دیا، ہمارے اور دین کے مابین حائل ہونے لگے تو ہم پناہ حاصل کرنے کے لئے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپ کا انتخاب ہم نے محض اس بنا پر کیا کہ یہاں ہم پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔

نجاشی نے حضرت جعفر رضی اللہ عنہ سے پوچھا، کیا آپ کے پاس اس پیغام کو کوئی نمونہ ہے جو وہ اپنے رب کی طرف سے لائے ہیں؟

فرمایا، ہاں۔ کہا، وہ مجھے بھی سنایئے۔ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ سے سورہ مریم کی درج ذیل ابتدائی آیات پڑھ کر سنائیں۔

واذکر فی الکتاب مریم اذا انتبذت من اھلھا مکانا شرقیا فاتخذت من دونھم حجابا فارسلنا الیھا روحنا فتمثل لھا بشرا سویا قالت انی اعوذ بالرحمن منك ان کنت تقیا قال انما انا رسول ربك لاھب لك غلاما ذکیا قالت انی یکون لی غلام و لم یمسسنی بشر و لم اك بغیا قال کذالك قال ربك ھو علی ھین ولنجعله آیة للناس ورحمة منا وکان امرا مقضیا فحملته فانتبذت به مکانا قصیا فاجاء ھا

Marfat.com

المخاض الی جذع النخلة قالت یا لیتنی مت قبل هذا و کنت نسیا منسیا۔ فناداها من تحتها الا تحزنی قد جعل ربك تحتك سریا۔

اور (اے نبی ﷺ) اس کتاب میں مریم کا حال بیان کرو جب کہ وہ اپنے لوگوں سے الگ ہو کر شرقی جانب گوشہ نشین ہوگئی تھی اور پردہ ڈال کر ان سے چھپ بیٹھی تھی، اس حالت میں ہم نے اس کے پاس اپنی روح (یعنی فرشتے) کو بھیجا اور وہ اس کے سامنے ایک پورے انسان کی شکل میں نمودار ہوگیا، مریم یکا یک بول اٹھی کہ اگر تو خدا ترس آدمی ہے تو میں تجھ سے خدائے رحمٰن کی پناہ مانگتی ہوں۔ اس نے کہا میں تو تیرے رب کا فرستادہ ہوں اور اس لئے بھیجا گیا ہوں کہ تجھے ایک پاکیزہ لڑکا دوں۔ مریم نے کہا، میرے ہاں کیسے لڑکا ہوگا جب کہ مجھے کسی بشر نے چھوا تک نہیں اور میں کوئی بدکار عورت نہیں ہوں۔ فرشتے نے کہا، ایسے ہی ہوگا، تیرا رب فرماتا ہے کہ ایسا کرنا میرے لئے بہت آسان ہے اور ہم یہ اس لئے کریں گے کہ اس لڑکے کو لوگوں کے لئے نشانی بنائیں اور اپنی طرف سے ایک رحمت اور یہ کام ہو کر رہنا ہے۔ مریم کو اس بچے کا حمل رہ گیا اور وہ اس حمل کو لئے ہوئے ایک دور کے مقام پر چلی گئی۔ پھر زچگی کی تکلیف نے اسے ایک کھجور کے درخت کے نیچے پہنچا دیا، وہ کہنے لگی کاش میں اس سے پہلے ہی مر جاتی اور میرا نام ونشان نہ رہتا۔ فرشتے نے پائنتی سے اس کو پکار کر کہا، غم نہ کر تیرے رب نے تیرے نیچے ایک چشمہ رواں کر دیا ہے۔

یہ آیات سن کر نجاشی رونے لگا، یہاں تک کہ اس کی داڑھی آنسوؤں سے تر ہوگئی۔ دربار کے تمام حاشیہ نشین بھی یہ کلام سن کر رونے لگے، آنسوؤں سے ان کے سامنے کھلے ہوئے صحیفے اور کتابیں بھیگ گئیں۔

نجاشی نے عمرو بن عاص اور اس کے ساتھی عبداللہ بن ربیعہ کی طرف دیکھا اور کہا کہ یہ پیغام جو ابھی ہمیں پڑھ کر سنایا گیا ہے اور وہ پیغام جو عیسیٰ علیہ السلام لے کر آئے تھے، دونوں کا منبع ایک ہی ہے۔ پھر ان سے کہا کہ اللہ کی قسم میں ان پاکیزہ نفس لوگوں کو آپ کے سپرد نہیں کر سکتا اور نہ ہی

Marfat.com

جب تک میں زندہ ہوں کوئی مجھے اس کام کے لئے ورغلا سکتا ہے۔

یہ بات کہی اور اٹھ کھڑا ہوا تو سب حاشیہ نشین بھی اٹھ کھڑے ہوئے اور مجلس اختتام پذیر ہو گئی۔

عمرو بن عاص یہ صورت حال دیکھ کر غیض وغضب سے پیچ وتاب کھانے لگا اور اس کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔ پھر اپنے ساتھی سے کہنے لگا، قسم خدا کی کل میں نجاشی کو ضرور ملوں گا اور اسے ایسی بات بتاؤں گا جس سے ان کے کئے دھرے پر پانی پھر جائے گا۔ ساتھی قدرے نرم دل تھا، اس نے کہا، عمرو ایسا نہ کرو، آخر وہ ہمارے ہی رشتہ دار ہیں، کیا ہوا اگر آج ہمارے درمیان کچھ اختلافات رونما ہو گئے ہیں، جس کی بناء پر انہوں نے ہماری مخالفت کی ہے، چھوڑیئے جانے دیجئے۔

اس نے کہا، خدا کی قسم میں نجاشی کو ضرور بتاؤں گا کہ یہ لوگ عیسیٰ علیہ السلام اور مریم کو بندہ سمجھتے ہیں۔ انہوں نے بڑی صفائی کے ساتھ اس بات کو آپ سے چھپائے رکھا ہے۔ یہ عیسیٰ علیہ السلام پر تہمت ہے جس کے یہ مرتکب ہوئے ہیں۔

دوسرے دن عمرو بن عاص نجاشی کے پاس گیا اور کہا، بادشاہ سلامت ان لوگوں نے آپ کو ایک بات سنا دی اور ایک بات چھپائے رکھی، یہ لوگ عیسیٰ بن مریم کے متعلق کہتے ہیں کہ وہ ایک بندہ ہے۔

یہ بات سن کر نجاشی نے انہیں اپنے پاس بلایا اور دریافت کیا کہ عیسیٰ بن مریم کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے؟ حضرت جعفرؓ نے فرمایا، ہم عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق وہی کچھ کہتے ہیں جو نبی اکرم ﷺ نے ہمیں بتایا ہے۔

نجاشی نے کہا، وہ آپ کے پاس کیا پیغام لائے ہیں؟ عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں انہوں نے کیا بتایا ہے؟

حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا، وہ اللہ کا بندہ، اس کا رسول اور اس کا وہ کلمہ ہے جو پاکدامن مریم کی طرف القاء کیا گیا۔

نجاشی نے کہا، بخدا عیسیٰ علیہ السلام بالکل ایسے ہی ہیں جس کا اظہار آپ نے کیا، ہے، ان

میں اور آپ کی بات میں ذرا برابر بھی فرق نہیں۔

یہ صورتحال دیکھ کر دربار میں موجود بڑے بڑے اساطین جز بز ہوئے اور کھسر پھسر کرنے لگے کہ نجاشی نے آج یہ کیا عجیب انداز اختیار کیا ہے۔ اس نے ان کی طرف غضبناک انداز میں دیکھا اور کہا، تم جاؤ بھاڑ میں، سچائی یہی ہے جس کا اظہار آج یہاں ہوا ہے۔ پھر حضرت جعفرؓ اور ان کے ساتھیوں سے کہا، میرے اس ملک میں امن، سکون اور آرام سے رہو جو تمہارے درپے آزار ہوگا، نقصان اٹھائے گا۔ یقیناً جو تمہارے درپے آزار ہوگا، نقصان اٹھائے گا۔ مجھے کوئی سونے کا پہاڑ دے کر یہ کہے کہ میں تمہیں کوئی گزند پہنچاؤں تو میں اس پیشکش کو ٹھکرا دوں گا اور تمہیں کوئی ذرا برابر بھی تکلیف دینے کے لئے آمادہ نہیں ہوں گا۔

پھر اپنے دربان سے کہا، عمرو بن عاص اور اس کے ساتھی کو تمام تحائف لوٹا دو، مجھے ان کی کوئی ضرورت نہیں، اللہ تعالیٰ نے مجھے میرا ملک رشوت دے کر نہیں لوٹایا تھا کہ اب میں لوگوں سے تحائف کی صورت میں رشوت لینا شروع کر دوں۔

(حیات تابعین کے درخشان پہلو: ۵۳۴۷)

حضرت عمر فاروقؓ کے سامنے ایک عام آدمی کی جرأت

امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دبدبہ و جلال کا یہ عالم تھا کہ ایران و روم کی حکومتیں ان کا نام سن کر کانپ اٹھتی تھیں لیکن رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی جو جماعت چھوڑی اس کی حق گوئی اور بیباکی کا یہ حال تھا کہ اگر ایسے صاحب جلال خلیفہ کی بھی کوئی بات حق کے خلاف سمجھتے تھے تو ان کو بھی برسر عام بلا خوف ٹوک دیتے تھے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی ان کے اس جوہر کی قدر کرتے تھے۔ وہ خود تو بے خوف و بے باک تھے ہی، دوسرے مسلمانوں کو بھی حق گوئی سکھانے کی کوشش کرتے تھے۔ جب عام مسلمانوں میں سے کوئی ان کو خلافت کے کاموں میں ٹوکتا تھا تو وہ بہت خوش ہوتے تھے۔ اکثر وہ لوگوں سے سوال کیا کرتے تھے کہ اگر وہ خلافت کے معاملہ میں اپنی من مانی کرنے لگیں گے تو مسلمان ان سے کس طرز سے پیش آئیں گے۔

Marfat.com

ایک مرتبہ وہ منبر پر عام لوگوں سے خطاب کر رہے تھے۔ بیچ میں انہوں نے کسی بات پر سوال کیا ''لوگو! اگر میں دنیا کی طرف جھک جاؤں تو تم کیا کرو گے؟''

ایک صحابی نے تلوار کی طرف اشارہ کر کے کہا، یہ تلوار آپ کا سر اڑا دے گی۔

حضرت عمرؓ نے ان کو آزمانے کے لئے سخت لہجہ میں کہا، کیا تم کو معلوم نہیں کہ تم کس سے بات کر رہے ہوں؟

صحابی نے جواب دیا، ہاں ہاں! میں جانتا ہوں کہ میں امیر المومنین سے بات کر رہا ہوں، اگر وہ دنیا کی طرف جھکے تو یہ تلوار ان کی گردن اڑا دے گی۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا، اللہ کا شکر ہے میری قوم میں ابھی ایسے لوگ موجود ہیں جو میرے ٹیڑھا چلنے پر مجھے سیدھا کر سکتے ہیں۔ (الفاروق ۳۵۰)

حکم بن عمرو غفاری کی حق گوئی

حضرت حکم بن عمرو غفاریؓ حضرت معاویہؓ کی خلافت میں خراسان کے گورنر تھے۔ یہ حکومت کے انتہائی وفادار تھے۔ نہایت ہی سچائی اور ایمانداری سے اس خدمت کو انجام دیتے تھے لیکن دین کے معاملہ میں بہت محتاط تھے۔ اگر کبھی حکومت کے قانون اور شریعت کے قانون میں فرق دیکھتے تھے تو حکومت کی بات کو ماننے سے صاف انکار کر دیتے تھے۔

ایک جنگ میں اسلامی فوج کے ہاتھوں بہت سا مال غنیمت آیا جس میں سونے چاندی اور ہیرے جواہرات بھی کافی تھے۔ اسلامی قانون کے مطابق مال غنیمت کا پانچواں حصہ بیت المال کا ہوتا ہے اور باقی چار حصے مجاہدین میں تقسیم کرنے کے لئے۔ لیکن زیاد نے انہیں لکھا کہ امیر المومنین کا فرمان آیا ہے کہ سونا چاندی روک کر مال غنیمت مجاہدین میں تقسیم کر دیا جائے۔

حضرت حکم بن عمرو غفاریؓ نے اس کے جواب میں لکھا:

اما بعد! تمہارا خط جس میں تم نے امیر المومنین کے فرمان کا حوالہ دیا ہے، ملا۔ لیکن امیر المومنین کے مکتوب سے پہلے مجھے اللہ کی کتاب مل چکی ہے۔ میں اس فرمان کی پرواہ نہیں کرتا۔ اللہ کی قسم اگر کسی بندے کو آسمان اور زمین گھیر لیں اور وہ اللہ

سے ڈرتا ہو تو وہ اپنے بندے کی رہائی کا ضرور کوئی نہ کوئی سامان کر دے گا۔

یہ جواب لکھ کر انہوں نے مال غنیمت مع سونے چاندی کے مجاہدین میں تقسیم کر دیا اور صرف پانچواں حصہ مرکز کے لئے محفوظ کر لیا۔ (طبقات ابن سعد جز اول ص ۱۸)

حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر کی حق گوئی

حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیس سال تک نہایت امن وسکون کے ساتھ خلافت کا کام انجام دیا۔ جب ان کا آخر وقت قریب آیا تو یہ فکر ہوئی کہ اب خلافت کس کے سپرد کی جائے۔ کچھ لوگوں نے مشورہ دیا کہ یزید کو خلیفہ نامزد کیا جائے۔ حضرت معاویہؓ کی سمجھ میں یہ مشورہ آ گیا اور انہوں نے یزید کو نہ صرف خلیفہ نامزد کر دیا بلکہ اپنی زندگی میں ہی اس کے لئے خلافت کی بیعت لینا بھی بہتر سمجھا۔ مسلمانوں کے لئے یہ ایک نئی بات تھی۔ وہ اس بدعت کو آسانی سے قبول کرنے کو تیار نہ ہوئے۔ اس سے پہلے سب خلفاء کا انتخاب کسی نہ کسی انداز پر جمہوری تھا اور عام مسلمانوں کی رائے سے عمل میں آیا تھا۔ پھر اس وقت حضرت حسین بن علی، عبداللہ بن زبیر، عبداللہ بن عباس اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم اجمعین جیسے عظیم مرتبہ لوگ موجود تھے۔ جن سے یزید کا کوئی مقابلہ نہ تھا۔ اس لئے مکہ اور مدینہ میں خاص طور سے جہاں صحابہ کرام کی بڑی تعداد بھی موجود تھی۔ اس امر کی خوب مخالفت ہوئی۔

جب حضرت معاویہؓ کے حکم سے مروان بن حکم نے اہل مدینہ سے یزید کی خلافت کی بیعت لینا شروع کی تو حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بلاخوف وبلا جھجک کہا، تم لوگ خلافت کو موروثی بادشاہت بنانا چاہتے ہو ہم ایسا ہرگز نہیں ہونے دیں گے۔ مروان اس بات پر ناراض ہوئے مگر انہوں نے اس ناراضگی کی کوئی پرواہ نہیں کی۔ حضرت امیر معاویہؓ کو حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس مخالفت کا علم ہوا تو انہیں خوش کرنے کے لئے ایک لاکھ درہم ہدیہ کے طور پر بھیجے۔ حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے اس رقم کو واپس کرتے ہوئے کہا:

یہ رقم مجھے حق بات کہنے سے نہیں روک سکتی۔ خدا کی قسم میں اپنے دین کو دنیا کے بدلے فروخت کرنے کے لئے کسی بھی حال میں تیار نہیں ہوں۔ (استیعاب جلد

Marfat.com

۲۔بحوالہ مردان حق ۷۳)

دجال اسود عنسی کے سامنے ابو مسلم خولانی کی ایمان افروز گفتگو

جب اسود عنسی کے پاؤں جم گئے، کثیر تعداد میں علاقے اور انسان اس کے تابع ہو گئے تو اس نے اپنے ان مخالفوں کی سرکوبی کے لئے تیزی سے اقدامات کئے جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے دین پر راسخ ایمان ہونے کی دولت سے نوازا تھا، جنہیں نبی اکرم ﷺ کی صداقت پر ٹھوس یقین تھا۔ اللہ ورسول ﷺ سے سچی محبت تھی اور جو حق کے پرچار اور باطل سے نبرد آزما ہونے کو اپنے لئے باعث افتخار سمجھتے تھے۔

اس نابکار نے بڑی سختی اور ظالمانہ انداز میں پکڑ دھکڑ شروع کر دی اور انہیں عبرت ناک سزائیں دینے لگا۔ ان عظیم شخصیات میں حضرت عبداللہ بن ثوب رضی اللہ عنہ سرفہرست ہیں جو ابو مسلم خولانی کے نام سے مشہور تھے۔

حضرت ابو مسلم خولانی دین وایمان کے پکے راست گو، سچائی کے خوگر، اعلان حق میں غیور اور جرأتمند تھے۔ انہوں نے اپنے آپ کو اللہ کے لئے وقف کر دیا تھا۔ اسود عنسی نے حضرت ابو مسلم خولانی کو ایسی عبرت ناک سزا دینے کا فیصلہ کیا جس سے تمام مخالفین کے رونگٹے کھڑے ہو جائیں اور وہ مخالفت سے یکسر باز آجائیں۔

اس نے حکم دیا کہ صنعاء کے ایک کھلے میدان میں لکڑیاں اکٹھی کی جائیں اور انہیں آگ لگا دی جائے اور لوگوں میں یہ اعلان کر دیا جائے کہ وہ فقیہہ یمن ابو مسلم خولانی کی توبہ اپنے موقف سے انحراف اور اسود عنسی کی نبوت کے اقرار کا دلفریب منظر دیکھنے کے لئے میدان میں جمع ہو جائیں۔

جب میدان میں لوگوں کے اژدھام کی وجہ سے تل دھرنے کی جگہ نہ تھی تو اسود عنسی وقت مقررہ پر اس طرح نمودار ہوا کہ چیلے چانٹوں، حفاظتی دستے اور لشکر کے جرنیلوں نے اسے اپنے گھیرے میں لے رکھا تھا۔ وہ اس چبوترے پر رکھی گئی عالیشان کرسی پر براجمان ہوا جو آگ کے سامنے خاص طور پر اس کے لئے رکھی گئی تھی۔

Marfat.com

ابومسلم خولانی کو بیڑیوں میں جکڑ کر اس کے سامنے لایا گیا۔لوگ یہ ہیبت ناک منظر بڑے ہی استعجاب سے دیکھ رہے تھے۔ ہر کوئی انگشت بدنداں تھا۔اس جھوٹے، مکار اور سرکش نے ان کی طرف بڑے تکبر سے دیکھا، پھر شعلہ فگن آگ کی طرف دیکھا، پھر وہ آپ کی طرف متوجہ ہوا اور پوچھا، کیا تم اقرار کرتے ہو کہ حضرت محمد ﷺ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں؟

آپ نے فرمایا، ہاں میں بانگ دہل گواہی دیتا ہوں کہ حضرت محمد ﷺ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں، وہ سید المرسلین اور خاتم الانبیاء ہیں۔

اسود عنسی نے تیوری چڑھا کر اور اپنا مکروہ چہرہ اس کی آنکھوں کے قریب لا کر کہا، کیا تم گواہی دیتے ہو کہ میں اللہ کا رسول ہوں؟

آپ نے فرمایا، میرے کانوں میں بہرہ پن اتر آیا ہے، جو تم کہتے ہو وہ بات میں سن نہیں پارہا۔اسود عنسی نے کہا، میں تمہیں اس آگ میں پھینک دوں گا۔حضرت ابومسلم نے فرمایا:

اگر تم مجھے اس آگ میں پھینک دو گے جو لکڑیوں سے جلائی گئی ہے، میں اس کے ذریعے قیامت کے دن اس آگ سے بچ جاؤں گا جس کا ایندھن لوگ اور پتھر ہوں گے، جس پر ایسے سخت گیر فرشتے ہوں گے جو اللہ تعالیٰ کا ہر حکم مانیں گے اور سر مو بھی انحراف نہیں کریں گے۔

یہ بات سن کر اسود نے کہا، میں تیرے بارے میں جلد بازی نہیں کروں گا۔ میں تجھے موقعہ دیتا ہوں تاکہ تیری عقل ٹھکانے آ جائے۔تھوڑی دیر کے بعد اس نے پھر یہ سوال دوہرایا، کیا تم گواہی دیتے ہو کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں؟ آپ نے فرمایا:

میں گواہی دیتا ہوں کہ حضرت محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں، اللہ تعالیٰ نے انہیں دین برحق دے کر بھیجا اور آپ پر رسالت ختم کر دی۔

اسود کو بہت غصہ آیا، اس نے کہا، کیا تو گواہی دیتا ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں؟

حضرت ابومسلم نے کہا، کیا میں نے تجھے پہلے نہیں کہہ دیا تھا کہ تیری یہ بات میرے کان سننے کے لئے آمادہ نہیں ہیں اور نہ ہی ان میں یہ بات سننے کا یارا ہے۔

یہ جواب سن کر اور حضرت ابومسلم کے چین واطمینان کو دیکھ کر اسود عنسی غصے سے آگ بگولہ ہو

Marfat.com

گیا۔ اس نے ارادہ کیا ہی تھا کہ انہیں آگ میں پھینکنے کا حکم دے، اتنے میں اس کا ایک منظور نظر چیلا آگے بڑھا اور کان میں یہ بات کہی، جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ یہ شخص پاکیزہ دل مستجاب الدعوات ہے۔ یاد رکھ اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندے کو ہرگز ذلیل ورسوا نہیں کیا کرتا۔ اگر آج تو نے اسے آگ میں پھینک دیا اور اللہ تعالیٰ نے اسے بچالیا تو آن واحد میں تیری عزت خاک میں مل جائے گی اور لوگ اسی میدان میں تیری نبوت کو جھٹلا دیں گے۔ اور اگر آگ نے اسے جلا دیا تو لوگوں کی نظروں میں اس کی عزت وتوقیر مزید بڑھ جائے گی، لوگ اسے شہیدوں کی صف میں لا کھڑا کریں گے۔ میری مانیں، اس کو چھوڑ کر اس پر احسان کریں اور اسے ملک بدر کر دیں اور اپنی جان چھڑائیں۔

اسود عنسی نے اپنے چیلے کا مشورہ مانتے ہوئے حضرت مسلم خولانی کو فوراً ملک سے نکل جانے کا حکم دیا۔

حضرت ابو مسلم خولانی نے مدینے کا رخ کیا۔ رسول معظم ﷺ کی زیارت کا شوق دل میں موجزن تھا، یہ آپ کی زیارت کا سرمہ اپنی آنکھوں کو لگانے سے پہلے ہی ایمان لا چکے تھے، دل آپ کی صحبت کا متمنی تھا۔ لیکن یہ ابھی مدینہ کی حدود میں پہنچے ہی تھے کہ انہیں نبی اکرم ﷺ کے وصال اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے خلیفہ بننے کی اطلاع ملی تو انہیں آپ ﷺ کی وفات پر دلی صدمہ ہوا۔

حضرت ابو مسلم خولانی مدینہ منورہ پہنچے اور مسجد نبوی کا قصد کیا۔ مسجد نبوی کے قریب پہنچ کر اپنی اونٹنی کو دروازے کے پاس باندھ دیا۔ حرم نبوی میں داخل ہوئے۔ روضہ رسول ﷺ پر سلام عرض کیا، پھر مسجد کے ایک ستون کی اوٹ میں کھڑے ہو کر نماز پڑھنے لگے۔ جب نماز سے فارغ ہوئے تو حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کے قریب آئے اور فرمایا، تم کون ہو، کہاں سے آئے ہو؟ آپ نے عرض کیا، یمن سے آیا ہوں۔ آپ نے پوچھا، ہمارے اس ساتھی کا کیا بنا جسے جلانے کی خاطر دشمن خدا نے آگ بھڑکائی تھی لیکن اللہ تعالیٰ نے اسے نجات دے دی؟ آپ نے فرمایا، وہ اللہ کے فضل وکرم سے خیر وعافیت سے ہے۔

حضرت عمر نے فرمایا، میں تجھے قسم دے کر پوچھتا ہوں، کہیں تم ہی تو وہ نہیں ہو؟ فرمایا، ہاں

Marfat.com

میں ہی وہ ہوں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کی پیشانی کو چوما اور فرمایا، کیا تم جانتے ہو کہ اللہ نے اپنے اور تیرے دشمن کے ساتھ کیا سلوک کیا؟ فرمایا نہیں مجھے کچھ پتہ نہیں، جب سے میں نے یمن چھوڑا ہے مجھے کوئی خبر نہیں۔ فرمایا، اللہ تعالیٰ نے اسے دوسرے مومنوں کے ہاتھوں قتل کرادیا ہے، اس کی حکومت جاتی رہی اور اس کے پیروکار دین اسلام کی طرف لوٹ آئے۔

آپ نے فرمایا، اللہ کا شکر ہے جس نے میری آنکھیں اس کے عبرت ناک انجام سے ٹھنڈی کیں اور اس کی شعبدہ بازی سے دھوکہ کھانے والے اہل یمن کو اسلام کا دامن تھامنے کی توفیق عطا کیا۔

حضرت عمرؓ نے کہا، میں اللہ تعالیٰ کا شکر بجالاتا ہوں جس نے حضرت محمد ﷺ کی امت میں سے ایک ایسے شخص کی زیارت کا موقع عطا کیا جس کے ساتھ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام جیسا سلوک کیا گیا۔

پھر اس کا ہاتھ پکڑا اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے پاس لے گئے، سلام عرض کیا اور ان کے ہاتھ پر بیعت کی۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے انہیں اپنے اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے درمیان بٹھالیا، اور دونوں شیخ حضرت ابو مسلم خولانی سے اسود عنسی کے ساتھ پیش آنے والا واقعہ غور سے سننے لگے۔ (حیات تابعین کے درخشان پہلو: ۴۵۷)

حضرت امیر معاویہؓ کے سامنے
ابو مسلم خولانی کا جرأت مندانہ کلام

ایک مرتبہ حضرت ابو مسلم خولانی، حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دربار میں آئے، دیکھا کہ آپ ایک بھری مجلس کے درمیان براجمان ہیں، حکومت کے کارندوں، لشکر کے جرنیلوں اور وطن کے معزز لوگوں نے آپ کے اردگرد گھیرا ڈال رکھا ہے، لوگ حد درجہ تعظیم بجالا رہے ہیں۔ حضرت ابو مسلم یہ منظر دیکھ کر بہت گھبرائے، اندیشہ ہوا کہ حضرت امیر معاویہؓ یہ جاہ و حشم دیکھ کر کہیں آپے سے باہر نہ ہو جائیں تو آپ نے بہ آواز بلند کہا، السلام علیکم اے اجیر المومنین۔

Marfat.com

لوگ ان کی طرف متوجہ ہوئے اور کہا، ابو مسلم امیر المومنین کہو۔
آپ نے ان کی بات کی کوئی پرواہ نہ کی، دوبارہ کہا، السلام علیکم یا اجیر المومنین۔
لوگوں نے کہا، ابو مسلم امیر المومنین کہو۔
آپ نے ان کی سنی ان سنی کرتے ہوئے پھر یہی جملہ دہرایا۔ جب لوگوں نے ابو مسلم کو سختی سے باز کرنے کا ارادہ کیا، ابھی اسے پکڑا ہی تھا کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا، ابو مسلم کو چھوڑ دو، جو بات وہ کہہ رہا ہے، میں اس کا مفہوم سمجھتا ہوں۔
ابو مسلم خولانی امیر معاویہؓ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا:

مسند خلافت پر جلوہ افروز ہونے کے بعد آپ کی مثال اس شخص جیسی ہے جس نے کسی شخص کو مزدور رکھا ہو اور اپنی بھیڑ بکریاں اس کے سپرد کر دی ہوں اور وہ اپنے مزدور کو اس کے کام کے حساب سے دیتا ہو۔ اگر اس نے بکریوں کو اچھے طریقے سے چرایا، ان کی اچھی طرح دیکھ بھال کی، جس سے ان کی اون اور دودھ میں خاطر خواہ اضافہ ہوا، اس کی مسلسل نگہداشت سے چھوٹی بکریاں بڑی ہوگئیں، لاغر موٹی تازی ہوگئیں، بیمار تندرست ہوگئیں، ظاہر ہے مالک خوش ہو کر مزدور کو زیادہ اجرت دے گا۔

اگر اس نے اچھی طرح بکریوں کی دیکھ بھال نہ کی، ان کے بارے میں ایسی غفلت برتی کہ لاغر بکریاں ہلاک ہوگئیں، موٹی کمزور ہوگئیں، ان کے بدنوں سے اون جھڑ گئی، کمزوری کی وجہ سے دودھ جاتا رہا، ظاہر ہے کہ یہ صورتحال دیکھ کر مالک مزدور کو اجرت نہیں دے گا بلکہ اس سے ناراض ہوگا اور ہو سکتا ہے کہ اسے سزا بھی دے۔

آپ اپنے لئے وہ طریقہ اختیار کیجئے جس میں آپ کے لئے خیر و برکت ہو اور اجر و ثواب بھی۔

حضرت امیر معاویہؓ نے نگاہیں جھکائی ہوئی تھیں۔ یہ نصیحت آموز باتیں سن کر سر اوپر اٹھایا اور فرمایا:

Marfat.com

اے ابو مسلم خولانی! اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا کرے، آپ واقعی اخلاص کے ساتھ نصیحت کرنے والے ہیں۔ (حیات تابعین کے درخشاں پہلو: ۴۶۴)

ظلم سے ہمیشہ بچتے رہنا

حضرت ابو مسلم خولانی رضی اللہ عنہ نے دمشق کی مرکزی مسجد میں جمعہ پڑھا، امیر المومنین حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ خطبہ جمعہ دے رہے تھے۔ وہ عوام کے سامنے نہر کی کھدائی کے منصوبے کا تذکرہ کر رہے تھے تاکہ لوگوں کو پینے کے لئے صاف پانی مہیا کیا جاسکے۔ حضرت ابو مسلم نے فرمایا:

اے امیر معاویہ! آپ آج یا کل فوت ہو جائیں گے، دو گز زمین کا ٹکڑا، چھوٹا سا تیرا گھر ہوگا، اگر وہاں اچھے عمل لے کر جاؤ گے تو تمہارے لئے یہ گھر باغ و بہار ہوگا، اگر خالی ہاتھ چلے گئے تو اسے چٹیل میدان پاؤ گے۔

اے امیر معاویہؓ! اللہ آپ کو اپنی پناہ میں رکھے، کیا آپ مسند خلافت پر جلوہ افروز ہونے کا مفہوم یہ سمجھتے ہیں کہ نہریں کھودی جائیں اور مال اکٹھا کیا جائے؟ خلافت تو حق پر عمل پیرا ہونے کے لئے عدل وانصاف قائم کرنے کے لئے اور اللہ تعالیٰ کی رضا کے مطابق لوگوں کی قیادت کرنے کے لئے دی گئی ہے۔

اے امیر معاویہؓ! اگر وہ چشمہ صاف ہو جہاں سے پانی نکل کر نہر میں آتا ہے تو پھر نہر میں آکر پانی کے گدلے ہو جانے کی ہمیں کوئی پرواہ نہیں، آپ ہمارے لئے پانی کے اصل چشمے کی مانند ہیں، آپ خود صاف شفاف رہنے کے لئے کوشاں رہیں۔

اے امیر معاویہؓ! اگر آپ نے کسی ایک شخص پر بھی کوئی ظلم کیا تو وہ ظلم تمہارے عدل وانصاف کو بھی لے ڈوبے گا، ظلم سے ہمیشہ بچتے رہنا۔ یاد رکھنا ایک ظلم قیامت کے دن کئی ظلمتوں اور تاریکیوں کا پیش خیمہ ثابت ہوگا۔

Marfat.com

حضرت ابو مسلم خولانی نے اپنی نصیحت آموز گفتگو کو ختم کیا ہی تھا کہ امیر المومنین حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ منبر سے نیچے اترے، ابو مسلم سے بغل گیر ہوئے اور فرمایا:

اے ابو مسلم! اللہ آپ پر رحم فرمائے اور جزائے خیر عطا کرے، آپ نے واقعی نصیحت کا حق ادا کر دیا۔ (حیات تابعین کے درخشاں پہلو: ۴۶۶)

یہ مال نہ تیرا ہے نہ تیرے باپ کا

ایک مرتبہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ منبر پر چڑھے، خطبہ دینا شروع کیا ہی تھا، صورتحال یہ تھی کہ لوگوں کو دو ماہ سے بیت المال میں سے ان کا حق ادا نہیں کیا گیا تھا، حضرت ابو مسلم خولانی قلندرانہ انداز میں بولے:

اے امیر معاویہؓ! یہ مال نہ تیرا ہے اور نہ تیرے ماں باپ کا۔ آپ نے لوگوں کا حق کیوں روک رکھا ہے؟

یہ بات سن کر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا، لوگ گھبرا اٹھے۔ آپ نے فرمایا، اپنی اپنی جگہ پر بیٹھے رہنا۔ پھر آپ منبر سے نیچے اترے، وضو کیا اور دل پر پانی کے چھینٹے مارے، پھر منبر پر چڑھے۔ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء بیان کرنے کے بعد ارشاد فرمایا:

ابو مسلم نے ابھی ابھی کہا تھا کہ یہ مال نہ میرا ہے اور نہ میرے ماں باپ کا۔ سنو، ابو مسلم نے بالکل سچ کیا۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا تھا کہ غصہ شیطان کی طرف سے آتا ہے اور شیطان کو آگ سے پیدا کیا گیا۔ پانی آگ کو بجھاتا ہے، جب تم میں سے کسی کو غصہ آئے تو وہ نہا لیا کرے۔ لوگو! اپنے حقوق آج بیت المال سے وصول کر لینا۔ اللہ ہم سب کے لئے برکت عطا کرے۔ (حیات تابعین کے درخشاں پہلو: ۴۶۷)

ایسے شخص کو قتل کروں جو اللہ کی حفاظت میں آچکا ہے؟

حضرت سالم بن عبداللہ رضی اللہ عنہ جس طرح زہد و تقویٰ میں اپنے دادا حضرت فاروق

اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مشابہت رکھتے تھے، بعینہ حق بات ڈنکے کی چوٹ پر کہنے میں بھی ان کے نقش قدم پر گامزن تھے، خواہ کتنے ہی ناساعد حالات کیوں نہ ہوں، وہ حق بات کہنے میں قطعا نہیں جھجکتے تھے۔

ایک مرتبہ مسلمانوں کے کسی کام کے لئے حجاج بن یوسف کے پاس گئے۔ حجاج نے خوش آمدید کہا اور بڑی عزت واکرام سے پیش آیا۔ تھوڑی ہی دیر بعد حجاج کے پاس کچھ لوگ بیڑیوں میں جکڑے ہوئے لائے گئے، جن کے بال پراگندہ تھے، جسم غبار آلود تھے، چہرے زرد ہو چکے تھے۔ حجاج نے حضرت سالم کی طرف دیکھا اور کہا، یہ باغی اور فسادی لوگ ہیں، ان کا خون بہانا جائز ہے۔ پھر حضرت سالم رضی اللہ عنہ کو تلوار دی اور کہا، اس پہلے کھڑے ہوئے شخص کی گردن پر تم وار کرو۔

حضرت سالم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تلوار حجاج کے ہاتھ سے لی اور اس شخص کی طرف قدم بڑھایا، لوگ ٹکٹکی لگا کر یہ منظر دیکھ رہے تھے کہ اب کیا کرتے ہیں۔ جب اس شخص کے سامنے جا کر کھڑے ہوئے تو اس سے پوچھا، کیا تو مسلمان ہے؟ اس نے کہا، ہاں میں مسلمان ہوں، لیکن تجھے اس سوال سے کیا غرض؟ جو حکم تجھے دیا گیا ہے، تم وہ نافذ کرو۔

حضرت سالم نے اس سے پوچھا، کیا تو نے آج صبح کی نماز پڑھی ہے؟

اس شخص نے کہا، میں نے تمہیں بتایا ہے کہ میں مسلمان ہوں، پھر تم مجھ پوچھتے ہو کہ میں نے صبح کی نماز پڑھی ہے؟ آپ کا کیا خیال ہے کہ کوئی مسلمان نماز چھوڑ سکتا ہے؟

حضرت سالم نے کہا، میں نے تجھ سے پوچھا کہ کیا تو نے آج صبح کی نماز پڑھی ہے؟ اس شخص نے بڑی بے باکی سے کہا، اللہ تجھے ہدایت دے، میں نے کہا کہ ہاں میں نے نماز پڑھی ہے۔ میری یہ آپ سے التماس ہے کہ جو اس ظالم نے حکم دیا ہے، وہ کر گزرو، ورنہ اس کی سختی اور ظلم وتشدد کا آپ کو سامنا کرنا پڑے گا۔

حضرت سالم حجاج کی طرف پلٹے اور تلوار اس کے سامنے پھینکتے ہوئے فرمایا، یہ شخص اقرار کرتا ہے کہ وہ مسلمان ہے، اور وہ یہ کہتا ہے کہ اس نے آج صبح کی نماز پڑھی ہے۔ مجھ تک یہ حدیث پہنچی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس نے صبح کی نماز ادا کی وہ اللہ کی پناہ

Marfat.com

میں آجاتا ہے۔ میں ایسے شخص کو قتل نہیں کروں گا جو اللہ کی حفاظت میں آچکا ہو۔

حجاج نے غضبناک انداز میں کہا، ہم اسے صبح کی نماز چھوڑنے پر قتل نہیں کرتے، ہم اسے اس جرم میں قتل کرنا چاہتے ہیں کہ اس نے خلیفۃ المسلمین حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قتل میں معاونت کی، ہمارے نزدیک یہ جرم قابل گردن زدنی ہے۔

حضرت سالم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارشاد فرمایا، لوگوں میں مجھ سے اور تجھ سے بڑھ کر ایسی شخصیت موجود ہے جو خون عثمان کا بدلہ لے سکتی ہے۔

حجاج خاموش ہو گیا اور اس نے کوئی جواب نہ دیا۔

(حیات تابعین کے درخشاں پہلو: ۴۸۹)

حضرت ابوحازم اعرجؒ کی بے باکانہ گفتگو

۹۷ھ کو خلیفۃ المسلمین سلیمان بن عبدالملک حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے دیار مقدسہ کی زیارت کے لئے کمر بستہ ہوئے اور شاہی قافلہ کی سواریاں دارالحکومت سے تیز قدم اٹھاتی ہوئی مدینہ منورہ کی طرف رواں دواں ہوئیں، ان کے دل میں مسجد نبوی میں نماز پڑھنے اور روضہ رسول ﷺ پر درود وسلام کا ہدیہ پیش کرنے کا شوق موجزن تھا۔ اس شاہی قافلے میں قراء، محدثین، فقہاء، علماء، گورنر اور جرنیل شامل تھے۔ جب خلیفۃ المسلمین کا ورود مسعود مدینہ منورہ میں ہوا تو عمائدین مدینہ انہیں خوش آمدید کہنے کے لئے مشتاقانہ انداز میں ان کے پاس آئے، لیکن فقیہہ مدینہ خوش آمدید کہنے والوں میں شامل نہ تھا۔

خلیفۃ المسلمین سلیمان بن عبدالملک جب خوش آمدید کہنے والوں کے استقبال سے فارغ ہوا تو اپنے چند ہم نشینوں سے مخاطب ہوا۔ فرمایا، میری بات غور سے سنو۔ معدنیات کی طرح انسانی دل بھی زنگ آلود ہو جاتے ہیں، دلوں کا زنگ اتارنے کے لئے ضروری ہے کہ گاہے بگاہے کوئی صاحب دل دلسوز انداز میں وعظ و نصیحت کرتا رہے۔ حاشیہ نشینوں نے بیک زبان ہو کر کہا، امیر المومنین نے درست فرمایا۔

خلیفۃ المسلمین نے پوچھا، کیا مدینہ منورہ میں کوئی ایسا خوش نصیب ہے جس نے اصحاب

Marfat.com

رسول اللہ ﷺ کو دیکھا ہوتا کہ ہم اس کے وعظ و نصیحت سے اپنے دل کی اجڑی بستیاں آباد کرسکیں اور اپنے خزاں رسیدہ دلوں کو بہار آشنا کرسکیں؟

حاضرین نے بتایا کہ امیر المومنین یہاں ابو حازم اعرج رہتے ہیں۔ فرمایا، ابو حازم اعرج کون ہے؟ حاضرین نے کہا، وہ مدینے کا فقیہہ، قاضی، مفتی اور ایسا تابعی ہے جسے اکثر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا ہے۔ خلیفہ نے کہا، اس عظیم المرتبت شخصیت کو ادب واحترام سے ہمارے پاس لاؤ۔ چند احباب ان کی طرف گئے اور انہیں خلیفہ کے پاس بلا لائے۔ خلیفہ نے انہیں خوش آمدید کہا اور محبت سے اپنے پاس بٹھایا اور پوچھا، ابو حازم! یہ بے وفائی کیسی ہے؟

فرمایا، امیر المومنین خدا خیر کرے، آپ نے میری طرف سے کون سی بے وفائی دیکھی ہے؟ خلیفہ نے کہا، مدینہ کے تمام باسی میری ملاقات کے لئے آئے لیکن آپ نہ آئے۔ فرمایا، امیر المومنین بے وفائی دوستی، محبت اور آشنائی کے بعد ہوا کرتی ہے، لیکن آپ آج سے پہلے مجھے جانتے نہ تھے اور نہ ہی میں نے کبھی آپ کو دیکھا تھا۔ تو پھر بے وفائی مجھ سے کیسے سرزد ہوگئی؟

خلیفہ نے اپنے ہم نشینوں سے کہا، دیکھا، ابو حازم کا استدلال۔ اسے کہتے ہیں علمی استعداد، حاضر دماغی اور بیدار مغزی۔ پھر ابو حازم کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا، ابو حازم میرے دل میں بہت اہم سوالات گردش کر رہے ہیں، آپ سے ان کا تسلی بخش جواب چاہتا ہوں۔ فرمایا، امیر المومنین سوال کیجئے، درست جواب سمجھانے کی اللہ تعالیٰ مجھے توفیق دے گا۔

خلیفہ نے پوچھا، ابو حازم ہم موت سے کیوں گھبراتے ہیں؟

فرمایا، ہم نے اپنی دنیا کو آباد کرلیا اور اپنی آخرت برباد کرلی، لہذا ہم آبادی سے ویرانے کی طرف جاتے ہوئے گھبراتے ہیں۔

خلیفہ نے کہا، بہت خوب۔ آپ نے بالکل درست فرمایا۔ خلیفہ نے پوچھا، ابو حازم کاش مجھے علم ہوجائے کہ آخرت میں اللہ تعالیٰ نے میرے لئے کیا رکھا ہے؟

فرمایا، اپنا عمل اللہ کی کتاب پر پیش کرو، اس کا جواب پالو گے۔

پوچھا، کتاب اللہ میں اس کا جواب کہاں ملے گا۔

فرمایا، اس کا جواب درج ذیل آیت کریمہ میں موجود ہے: **ان الابرار لفی نعیم وان الفجار لفی جحیم۔** ''بلاشبہ نیک جنت میں ہوں گے اور فاجر جہنم میں۔''

خلیفہ نے پوچھا، اللہ کی رحمت کہاں پائی جاتی ہے؟

ابو حازم نے کہا، اللہ کی رحمت محسنوں کے قریب ہے۔

خلیفہ نے کہا، کاش مجھے معلوم ہو جائے کہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کے ہاں حاضری کیسے رہے گی؟

ابو حازم نے کہا، نیک انسان اس شخص کی طرح دربار الٰہی میں حاضر ہوگا جو چند دن گھر سے غیر حاضر رہا ہو اور پھر وہ راضی خوشی اپنے گھر لوٹ آتا ہو۔ اور گنہگار اس بھگوڑے غلام کی طرح ہوگا جسے ہانک کر اس کے آقا کی طرف لایا جاتا ہے۔

خلیفہ یہ بات سن کر زار و قطار رونے لگا، یہاں تک کہ اس کی ہچکی بندھ گئی۔

پھر کہا، ابو حازم، ہماری اصلاح کیسے ہوگی؟

فرمایا، تکبر چھوڑ دو اور عاجزی وانکساری کو اپنا لو۔

خلیفہ نے پوچھا، مال و دولت میں تقویٰ کیسے اختیار کیا جائے؟

ابو حازم نے کہا، مال و دولت میں تقویٰ اختیار کرنے کی صورت یہ ہے کہ:

۱۔ اپنا حق وصول کرو۔

۲۔ حق داروں پر مال خرچ کرو۔

۳۔ رعایا پر عدل وانصاف سے خرچ کرو۔

۴۔ اور مساوات کو اپناؤ۔

خلیفہ نے کہا، ابو حازم مجھے یہ بتائیں کہ لوگوں میں سب سے افضل کون ہے؟

فرمایا، باضمیر، خوددار اور پرہیزگار شخص۔

خلیفہ نے کہا، ابو حازم سب سے زیادہ انصاف پر مبنی بات کون سی ہے؟

فرمایا، وہ حق وصداقت کی بات جو ایک شخص اس کے سامنے بھی برملا کہہ دیتا ہے جس سے وہ ڈرتا ہے اور اس کے سامنے بھی جس سے وہ محبت کرتا ہے۔

Marfat.com

خلیفہ نے پوچھا، ابو حازم کون سی دعا جلد قبول ہوتی ہے؟

فرمایا، نیک کی دعا نیکوں کے حق میں۔

خلیفہ نے پوچھا، کون سا صدقہ افضل ہے؟

فرمایا، ایک غریب، مفلس اور کنگال آدمی محنت سے کما کر کسی حاجت مند کی ضرورت کو پورا کرے اور پھر نہ اسے کبھی کوئی تکلیف دے اور نہ ہی احسان جتلائے، یہ اس غریب کی طرف سے افضل صدقہ ہے۔

خلیفہ نے پوچھا، ابو حازم لوگوں میں عقلمند انسان کون ہے؟

فرمایا، جو شخص اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرے، اللہ کے احکامات پر عمل کرے اور دوسرے لوگوں کی اس طرف رہنمائی کرے۔

خلیفہ نے پوچھا، ابو حازم لوگوں میں سب سے زیادہ احمق کون ہے؟

فرمایا، اپنے دوست کی خواہش کے مطابق زندگی بسر کرے گویا اس نے اپنی آخرت کو دوسرے کی دنیا کی خاطر برباد کر دیا۔ میرے نزدیک ایسا شخص سب سے بڑا احمق ہے۔

خلیفہ نے دریافت کیا، ابو حازم کیا آپ ہمارے ساتھ رہنا پسند کریں گے؟ آپ ہم سے فائدہ اٹھائیں اور ہم آپ سے فائدہ اٹھائیں گے۔

فرمایا، امیر المومنین ہرگز نہیں، میں اپنے ہی حال میں رہنا پسند کروں گا، بادشاہوں کی مصاحبت ورفاقت مجھے پسند نہیں۔

خلیفہ نے پوچھا، آخر کیوں؟

فرمایا، مجھے اندیشہ ہے، اگر میں نے آپ پر تھوڑا سا بھی اعتماد کر لیا تو اللہ تعالیٰ اپنی حفاظت کا ہاتھ مجھ سے پیچھے ہٹا لیں گے اور اس طرح میں دنیا کی مشقت اور آخرت کے عذاب کا تختہ مشق بن جاؤں گا۔

خلیفہ نے کہا، ابو حازم کوئی اپنی ضرورت ہمیں بتائیں۔

آپ خاموش رہے اور کوئی جواب نہ دیا۔

خلیفہ نے دوبارہ کہا، ابو حازم، کچھ تو ارشاد فرمائیں، ہم آپ کے کام آنا چاہتے ہیں اور آپ

کی خدمت بجالانا اپنے لئے سعادت گردانتے ہیں۔

جب خلیفہ نے بہت زیادہ اصرار کیا تو ارشاد فرمایا، میری ضرورت یہ ہے کہ آپ مجھے جہنم سے بچالیں اور جنت میں داخل کر دیں۔

خلیفہ نے کہا، ابو حازم یہ تو میرے بس میں نہیں۔

ابو حازم نے کہا، امیر المومنین اس کے علاوہ میری کوئی ضرورت نہیں۔

خلیفہ نے کہا، ابو حازم میرے لئے دعا کریں۔

ابو حازم نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے اور کہا:

الٰہی تیرا بندہ سلیمان اگر تیرے دوستوں میں سے ہے تو اسے دنیا و آخرت کی بھلائی عطا کر، اگر یہ تیرے دشمنوں سے ہے تو اس کی اصلاح کر، اسے اس راستے پر چلا جو تیرا پسندیدہ راستہ ہے۔

حاضرین میں سے ایک نے کہا، جب سے امیر المومنین کے پاس بیٹھے باتیں کر رہو، یہ بات تم نے سب سے بری کہی ہے، تم نے امیر المومنین کو اللہ کا دشمن کہہ کر انہیں تکلیف دی ہے۔

ابو حازم بولے:

عقل کے اندھے کیسی بری بات اپنی زبان پر لا رہے ہو، اللہ نے علماء سے یہ عہد و پیمان لیا ہے کہ وہ حق بات برملا کہتے رہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو حکم دیا لتبیننہ للناس ولا تکتمونہ ''یاد رکھو، علماء انبیاء کے وارث ہیں۔''

پھر خلیفہ کی طرف دیکھا اور فرمایا:

امیر المومنین وہ لوگ جو ہم سے پہلے ہو گزرے ہیں وہ اس وقت تک صحیح راستے پر گامزن رہے جب تک حکمران علماء کے پاس علم، عمل اور تقویٰ حاصل کرنے کے لئے دلی شوق و رغبت کے ساتھ حاضر ہوتے رہے۔ پھر ایسے کمینے اور لالچی لوگ آئے جنہوں نے علم حاصل کیا۔ پھر حکمرانوں کے درباروں میں دنیاوی فوائد حاصل کرنے کے لئے جبین نیاز رگڑنے لگے۔ ایسے حکمران علماء سے بیزار و بے نیاز ہو گئے۔ ایسے علماء ذلیل و خوار ہوئے، وہ بیک وقت حکمرانوں

Marfat.com

اور اللہ تعالیٰ کی نگاہ سے گر گئے۔ اگر علماء حکمرانوں سے بے نیاز رہتے تو یقیناً حکمران ان کے علم وتقویٰ کی طرف رغبت کرتے۔ لیکن علماء نے حکمرانوں کی طرف للچائی ہوئی نظروں سے دیکھا جس سے وہ ان کی نگاہوں میں ذلیل وخوار ہو گئے۔

خلیفہ نے کہا، ابو حازم آپ بالکل سچ کہتے ہیں۔ ابو حازم! مجھے اور وعظ ونصیحت کیجئے، میں نے آج تک کوئی ایسا شخص نہیں دیکھا جو آپ سے بڑھ کر حق وصداقت کی بات برملا کہنے والا ہو۔

فرمایا، اگر آپ ان لوگوں میں سے ہیں جن کے دلوں پر اچھی بات اثر کرتی ہے تو جو کچھ اب تک میں کہہ چکا ہوں وہ کافی ہے۔ اور اگر آپ کا شمار ان میں سے نہیں تو پھر میں خالی تیر چلانے کے حق میں نہیں۔

خلیفہ نے کہا، ابو حازم، میں قسم دے کر کہتا ہوں، آپ مجھے ضرور کوئی وصیت کریں۔

فرمایا:

سنئے، میں ایک مختصر وصیت کرتا ہوں۔ اپنے رب کی تعظیم کرو اور یہ کوشش کرو کہ اللہ تجھے وہاں دیکھے جہاں رہنے کا حکم دیا ہے اور وہاں کبھی نہ دیکھے جہاں سے اس نے منع کیا ہے۔

پھر الوداعی سلام کہا اور چلے گئے۔

خلیفہ نے کہا، اے خیر خواہ عالم اللہ آپ کو جزائے خیر عطا کرے۔

ابو حازم ابھی اپنے گھر پہنچے ہی تھے کہ امیر المومنین نے دیناروں سے بھری تھیلی بھیجی اور ساتھ ہی یہ تحریری پیغام بھی ارسال کیا کہ ابو حازم یہ رقم آپ کے خرچ کے لئے ہے اور اس جیسا مال میرے پاس بہت ہے۔

آپ نے وہ تھیلی واپس بھیج دی اور ساتھ ہی یہ تحریر لکھ بھیجی:

امیر المومنین، میں اللہ کے حضور پناہ مانگتا ہوں اس بات سے کہ تیرے سوالات مذاق بن جائیں اور میرا جواب دینا باطل ٹھہرے۔ اے امیر المومنین! بخدا میں یہ آپ کے لئے پسند نہیں کرتا، اپنے لئے کیسے پسند کر سکتا ہوں۔ امیر المومنین!

Marfat.com

اگر یہ دینار میری اس دینی گفتگو کے عوض دیئے گئے ہیں جو میں نے آج آپ سے کی ہے تو میں اضطراری حالت میں مردار اور خنزیر کا گوشت اس سے کہیں زیادہ بہتر سمجھتا ہوں، اگر مسلمانوں کے بیت المال سے آپ نے میرا حق ادا کیا ہے، تو کیا آپ نے تمام مسلمانوں میں یہ حق برابر تقسیم کیا ہے؟ (حیات تابعین کے درخشان پہلو: ۱۴۳)

حضرت حسن بصری کی حق گوئی حجاج کے سامنے

جب حجاج بن یوسف ثقفی عراق کا گورنر بنا اور اس نے اپنے دورِ حکومت میں ظلم وتشدد کی انتہا کر دی تو حضرت حسن بصریؒ ان معدودے چند اشخاص میں سے ایک تھے جنہوں نے اس کی سرکشی اور ظلم و جور کو آگے بڑھ کر روکا اور اس کے برے کارناموں کی ڈٹ کر مخالفت کی اور حق بات ڈنکے کی چوٹ پر اس کے منہ پر کہی۔

حجاج بن یوسف نے واسط شہر میں اپنے لئے ایک عالیشان محل تعمیر کروایا۔ جب اس کی تعمیر مکمل ہوگئی، اس نے افتتاحی تقریب میں لوگوں کو دعوت عام دی تاکہ وہ عظیم الشان محل کو دیکھیں، اس کی سیر کریں، بزبان خود تعریف کریں اور دعائیہ کلمات سے نوازیں۔

حضرت حسن بصریؒ کے دل میں خیال آیا کہ اس سنہری موقع کو ہاتھ سے نہ جانے دیا جائے۔ وہ یہ نیت لے کر گھر سے نکلے کہ آج لوگوں کو نصیحت کریں گے۔ انہیں دنیاوی مال ومتاع سے بے رغبتی اختیار کرنے کا درس دیں گے۔ اور جو اللہ تعالیٰ تعالیٰ کے ہاں انعامات ہیں انہیں حاصل کرنے کی ترغیب دیں گے۔ جب آپ موقع پر پہنچے تو دیکھا کہ لوگ اس عالیشان اور بلند و بالا محل کے چاروں طرف جمع ہیں اور عمارت کی خوبصورتی پر دل فریفتہ اس کی وسعت پر انگشت بدنداں اور اس کی آرائش وزیبائش سے مرعوب نظر آتے ہیں۔ آپ نے لوگوں کو جھنجھوڑتے ہوئے کہا:

ہمیں یہ معلوم ہے کہ فرعون نے اس سے زیادہ مضبوط، خوبصورت اور عالیشان محلات تعمیر کیے تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے فرعون کو ہلاک کر دیا اور اس کے محلات کو

تباہ وبرباد کر دیا۔ کاش حجاج کو یہ معلوم ہو جائے کہ آسمان والے اس سے ناراض ہیں اور زمین والوں نے اسے دھوکے میں رکھا ہوا ہے۔

وہ پورے جوش وولولہ سے حجاج کے خلاف برس رہے تھے۔ ان کے منہ سے الفاظ تیروں کی طرح نکل رہے تھے۔ مجمع ان کی شعلہ بیانی پر دم بخود تھا۔ یہاں تک کہ سامعین میں سے ایک شخص نے حجاج بن یوسف کے انتقامی جذبے سے خوفزدہ ہو کر حضرت حسن بصریؒ سے کہا کہ جناب اب بس کیجئے، اتنا ہی کافی ہے، کیوں اپنے آپ کو ہلاکت کے منہ میں دے رہے ہیں؟ حضرت حسن بصریؒ نے اس نیک دل شخص سے کہا:

> میرے بھائی! اللہ تعالیٰ نے اہل علم سے یہ پیمان لیا ہے کہ وہ ظالم کے منہ پر بغیر کسی خوف کے حق بات کا پرچار کرتے رہیں گے اور کبھی اس راہ وفا میں جفا کا گزر نہیں ہونے دیں گے۔ یہی ہمیشہ حق والوں کا وطیرہ رہا ہے اور یہی فریضہ آج میں ادا کر رہا ہوں۔

دوسرے روز حجاج گورنر ہاؤس میں آیا تو اس کا چہرہ غصے سے لال پیلا تھا۔ اس نے غضبناک انداز میں اہل مجلس سے کہا، لاکھ لعنت ہے تمہارے وجود پر، بزدلو کمینو! میری آنکھوں سے دور ہو جاؤ، کتنے افسوس کی بات ہے کہ بصرے کا ایک غلام ابن غلام مجمع عام میں بے لگام جو جی میں آتا ہے میرے خلاف کہہ جاتا ہے اور تم میں کوئی بھی ایسا نہیں جو اس کی زبان کو روکے۔ شرم کرو، حیا کرو۔ اے گروہ بزدلان اقلیم من کان کھول کر سنو، اللہ کی قسم اب میں اس کا خون تمہیں پلا کر رہوں گا، اسے آج ایسی عبرتناک سزا دوں گا کہ دنیا انگشت بدنداں رہ جائے گی۔

پھر اس نے تلوار اور چمڑے کی چادر منگوائی۔ یہ دونوں چیزیں فوراً اس کی خدمت میں پیش کر دی گئیں۔ اس نے جلاد کو بلایا، وہ پلک جھپکتے ہی سامنے آ کھڑا ہوا۔ پھر پولیس کو حکم دیا کہ حسن بصری کو گرفتار کر کے لایا جائے۔ پولیس تھوڑی ہی دیر میں انہیں پکڑ کر لے آئی۔

منظر بڑا ہی خوفناک تھا، ہر طرف دہشت پھیلی ہوئی تھی، لوگوں کی نظریں اوپر اٹھی ہوئی تھیں۔ ہر شخص مغموم تھا، دل کانپ رہے تھے۔ جب حضرت حسن بصری نے تلوار، جلاد اور چمڑے کی چادر کو دیکھا تو زیر لب مسکرائے اور کچھ پڑھنا شروع کر دیا۔ جب وہ حجاج کے سامنے آئے تو

ان کے چہرے پر مومن کا جاہ وجلال، مسلمان کی شان وشوکت اور مبلغ کی آن بان کا عکس جمیل نمایاں تھا۔

جب حجاج بن یوسف نے ان کی طرف دیکھا تو اس پر ہیبت طاری ہوگئی، غصہ کافور ہوگیا اور بڑی دھیمی آواز میں کہا، ابوسعید حسن بصری! میں آپ کو خوش آمدید کہتا ہوں، آیئے تشریف رکھئے، میرے قریب بیٹھیں۔

آپ بیٹھنے لگے تو کہا، ذرا اور قریب ہو جائیں، یہاں تک کہ اسے اپنے ساتھ تخت پر بٹھالیا۔ لوگ یہ منظر حیرت، استعجاب اور خوف کے ملے جلے جذبات سے دیکھ رہے تھے۔ جب حضرت حسن بصریؒ بڑے اطمینان سے تخت پر بیٹھ گئے تو حجاج نے ان سے دینی مسائل دریافت کرنے شروع کر دیئے۔ حضرت حسن بصریؒ ہر سوال کا جواب بڑی دلجمعی، سحر بیانی اور عالمانہ انداز میں دیتے رہے۔ حجاج بن یوسف ان کے جوابات سے بہت متاثر ہوا اور کہنے لگا، ابوسعید تم واقعی علماء کے سردار ہو۔ پھر قیمتی عطر منگوایا اور ان کی داڑھی کو محبت بھرے انداز میں لگا کر الوداع کیا۔

جب حضرت حسن بصریؒ دربار سے نکلے تو حجاج کا دربان بھی ان کے پیچھے ہولیا۔ تھوڑا دور جا کر اس نے کہا، اے ابوسعید! حجاج نے آج آپ کو کسی اور غرض سے بلوایا تھا لیکن اس کی طرف سے یہ حسن سلوک دیکھ کر میں دنگ رہ گیا۔ مجھے ایک بات بتائیں، جب آپ گرفتار ہو کر دربار میں تشریف لائے تھے، آپ نے تلوار، جلاد اور چمڑے کی چادر کو دیکھا تو آپ کے ہونٹ حرکت کر رہے تھے، وہ آپ کیا پڑھ رہے تھے؟ حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا، میں نے اس وقت یہ دعا کی تھی:

الٰہی تو مجھ پہ کی گئی نعمتوں کا والی ہے۔

ہر مصیبت کے وقت میرا ملجاو ماویٰ ہے۔

الٰہی ساری مخلوق کے دل تیرے قبضے میں ہیں۔

الٰہی حجاج کے غصے کو میرے لئے ٹھنڈا اور سلامتی والا کر دے جس طرح تو نے اپنے خلیل علیہ السلام پر آگ کو ٹھنڈا اور سلامتی والا کر دیا تھا۔

مدعی لاکھ برا چاہے تو کیا ہوتا ہے

Marfat.com

وہی ہوتا ہے جو منظور خدا ہوتا ہے

میری دعا کو اللہ تعالیٰ نے قبول کیا اور حجاج کا غصہ محبت میں بدل گیا۔

(حیات تابعین کے درخشاں پہلو: ۱۳۷)

گورنر ابن ھبیرہ کے سامنے حضرت حسن بصریؒ کا بے باکانہ کلام

اسی قسم کا ایک حیرت انگیز واقعہ اس وقت پیش آیا جب خدا ترس، منصف مزاج، سادہ منش، پاک بیں، پاک طینت، خوش گہر اور پاکیزہ خو خلیفۃ المسلمین حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی وفات حسرت آیات کے بعد یزید بن عبدالملک مسند خلافت پر جلوہ گر ہوا۔ اس نے عراق کا گورنر عمر بن ہبیرۃ رفزازی کو مقرر کیا۔ پھر اس کے اختیارات میں اضافہ کر کے خراسان کا علاقہ بھی اس کے ماتحت کر دیا۔

یزید بن عبدالملک نے عنان اقتدار سنبھالتے ہی ایسا طرز عمل اختیار کیا جو سلف صالحین کے طرز عمل کے بالکل برعکس تھا۔ وہ اپنے گورنر عمر بن ہبیرۃ کو کثرت سے خط لکھتا اور ان خطوط میں ایسے احکامات جاری کرتا جو بسا اوقات حق کے منافی ہوتے اور انہیں فوری طور پر نافذ کرنے کا حکم دیتا۔

ایک دن عمر بن ہبیرۃ نے حسن بصری اور عامر بن شراحبیل کو مشورے کے لئے بلایا اور عرض کیا کہ امیر المومنین یزید بن عبدالملک کو اللہ تعالیٰ نے مسند خلافت عطا کی، جیسا کہ آپ کو معلوم ہے، اس نے مجھے عراق اور ایران کا گورنر مقرر کیا ہے، کبھی کبھی وہ مجھے ایسے سرکاری خطوط ارسال کرتا ہے جن میں بعض ایسے اقدامات کرنے کا حکم ہوتا ہے جو میرے نزدیک مبنی بر انصاف نہیں ہوتے۔ کیا ایسے احکامات سے پہلو تہی اختیار کرنے کا دینی لحاظ سے میرے لئے کوئی جواز نکلتا ہے؟

حضرت عامر بن شراحبیلؒ نے ایسا جواب دیا جس میں خلیفہ کے لئے نرم رویہ اور گورنر کو خوش کرنے کا انداز پایا جاتا تھا۔

لیکن حضرت حسن بصریؒ خاموش بیٹھے رہے۔ گورنر عمر بن ہبیرۃ نے حسن بصریؒ کی طرف

Marfat.com

دیکھا اور کہا، ابوسعید آپ کی اس سلسلہ میں کیا رائے ہے؟ آپ نے فرمایا:

اے ابن ہبیرۃ ہوسکتا ہے کہ آسمان سے ایک ایسا سخت گیر فرشتہ نازل ہو جو قطعاً اللہ تعالیٰ کے حکم کی نافرمانی نہیں کرتا، وہ تجھے تخت سے اٹھا کر اس محل کی وسعتوں سے نکال کر ایک تنگ و تاریک قبر میں ڈال دے، وہاں تو یزید کو نہیں دیکھ سکے گا، وہاں تجھے وہ عمل ملے گا جس میں تو نے اپنے اور یزید کے رب کی مخالفت کی تھی۔ اے ابن ہبیرۃ! اگر تو اللہ کا ہو جائے اور ہر دم اس کی اطاعت میں سرگرم رہے، وہ تجھے یقیناً دنیا و آخرت میں یزید کے شر سے محفوظ رکھے گا۔ اور اگر تو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتے ہوئے یزید کا ساتھ دے گا تو پھر اللہ تعالیٰ بھی تجھے یزید کے ظلم و ستم کے حوالے کر دے گا۔ اے ابن ہبیرۃ! خوب اچھی طرح جان لو، مخلوق میں خواہ کوئی بھی ہو، اس کا وہ حکم نہیں مانا جائے گا جس میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی پائی جاتی ہو۔

یہ باتیں سن کر ابن ہبیرۃ اتنا روئے کہ آنسوؤں سے ان کی داڑھی تر ہوگئی۔ پھر وہ حضرت عامر بن شراحیل شعبی کو چھوڑ کر حضرت حسن بصریؒ کی طرف مائل ہوئے اور حد درجہ ان کی عزت و اکرام بجالائے۔

جب دونوں بزرگ گورنر کی ملاقات سے فارغ ہو کر مسجد میں پہنچے تو لوگ ان کے ارد گرد جمع ہوگئے اور ان سے گورنر کے ساتھ ہونے والی باتیں معلوم کرنے لگے۔ حضرت عامرؒ نے لوگوں کے سامنے برملا کہا:

لوگو! ہمیں ہر حال میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کو مخلوق پر ترجیح دینی چاہئے۔ مجھے قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے، آج حسن بصریؒ نے گورنر عمر بن ہبیرۃ کو کوئی ایسی بات نہیں کہی جسے میں نہ جانتا ہوں لیکن میں نے اپنی گفتگو میں گورنر کی خوشنودی کو ملحوظ خاطر رکھا اور حسن بصریؒ نے اپنی گفتگو میں اللہ تعالیٰ کی رضا کو پیش نظر رکھا۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے گورنر کی نظروں میں گرا دیا اور حسن بصریؒ کو اس کی نگاہوں میں محبوب بنا دیا۔ (حیات تابعین کے درخشان

Marfat.com

پہلو: ۱۴۱)

مجھے ہے حکم اذاں لا الٰہ الا اللہ

ابن ہبیرہ نے خط لکھ کر حضرت حسن بصریؒ، ابن سیرینؒ اور امام شعبیؒ کو طلب کیا اور کہا کہ امیر المومنین یزید نے مجھے ایسا حکم لکھ بھیجا ہے کہ اگر اس پر عمل درآمد کرتا ہوں تو دین و ایمان خطرے میں پڑ جاتا ہے اور اگر عمل نہ کروں تو جان سے جانے کا خوف ہے، ایسی صورت میں مجھے کیا کرنا چاہئے؟ امام ابن سیرینؒ اور امام شعبیؒ نے جواب میں ایسی بات کہی جس میں مصلحت کا لحاظ کیا گیا تھا، لیکن حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا:

> اے ابن ہبیرہ! اللہ تجھے یزید سے بچا سکتا ہے مگر یزید تجھے اللہ سے نہیں بچا سکتا۔ اے ابن ہبیرہ! یزید کی اطاعت کرنے میں اللہ سے ڈرو اور اللہ کی اطاعت کرنے میں یزید کا خوف مت کر۔ اے ابن ہبیرہ! عنقریب موت کا فرشتہ تجھے تیرے تخت سے اتار کر تیرے محل کی وسعت و کشادگی میں لے جائے گا پھر تجھے وہاں سے نکال کر تیری قبر کی تنگی و تاریکی میں پہنچا دے گا، اس وقت سوائے تیرے عمل کے کوئی چیز تجھے نجات نہیں دلا سکتی۔ اے ابن ہبیرہ! خالق کی نافرمانی کر کے مخلوق کی اطاعت کرنا روا نہیں۔

حضرت حسنؒ کا جواب سن کر ابن ہبیرہ نے ان کے لئے چار ہزار درہم کا حکم دیا جبکہ ابن سیرینؒ اور امام شعبیؒ کے لئے دو دو ہزار درہم کا حکم دیا تو انہوں نے فرمایا کہ ہم نے ہلکا انداز اختیار کیا اس لئے ہمیں انعام بھی ہلکا دیا گیا۔

(عیون الاخبار ج ۲ ص ۳۴۳ بحوالہ کتابوں کی درسگاہ میں: ۷۵)

وہ میرا ہی کلام ہے

بنی ہلال کے قبیلہ کی ایک عورت بکارہ نام کی امیر معاویہؓ کے دربار میں حاضر ہوئی۔ عمر رسیدہ تھی، بینائی میں بھی فرق تھا اور بدن میں رعشہ تھا۔ حضرت معاویہؓ نے سلام کا جواب دیا اور کہا،

افسوس! زمانہ نے تمہارا حال دگرگوں کر دیا۔ بکارہ بولی، بے شک اس کی گردشیں ایسی ہی ہیں۔

مروان نے کہا، امیر المومنین نے اس کا کلام بھی سنا ہے، وہ اپنے اشعار میں آپ کو خلافت کا مستحق نہیں گردانتی۔ اور یہ کہہ کر مروان نے کچھ اشعار سنائے۔ مروان کے بعد سعید بن العاص نے بھی بکارہ کے کاچھ اشعار پڑھے جن میں بنو امیہ کی برائی اور خاندان علیؑ کی تعریفیں تھیں۔

بکارہ نے کہا، اے امیر معاویہؓ! مکر سے کچھ حاصل نہیں، جھوٹ سے کچھ فائدہ نہیں اور جھوٹی خوشامد کی عادت نہیں، اس لئے ان دونوں صاحبوں نے جو کچھ پڑھا ہے وہ میرا ہی کلام ہے لیکن جو کلام ان کو معلوم نہیں ہے اور انہوں نے نہیں پڑھا وہ اس سے بھی زیادہ سخت ہے۔

امیر معاویہؓ نے ہنس کر کہا، ہوگا۔ لیکن یہ امر تمہاری حاجت براری کرنے سے مجھ کو مانع نہیں آسکتا۔ تم اپنی حاجت بیان کرو، میں فراخدالی سے اسے پورا کروں گا۔

غیرت مند عورت نے جواب دیا، اسے بے لطفی کے بعد اظہار حاجت نامناسب ہے۔ یہ کہا اور اٹھ کر چلی گئی۔ (تاریخ اسلام کے ناقابل فراموش واقعات: ۱۰۳)

حضرت علیؓ کے ساتھ شرکت پر صرف خوشی نہیں بلکہ فخر ہے

حضرت معاویہؓ کے پاس عمرو، سعید، عتبہ اور ولید موجود تھے۔ عدی ابن قیس ہمدانی کی بیٹی زرقا کا ذکر چلا جو اپنی قوم کے ساتھ جنگ صفین میں شریک تھی۔ سب نے اس کے اشعار سنائے جس سے اس کی قوم اشتعال میں آ کر حضرت معاویہؓ کی فوجوں پر حملے کرتی تھی۔ امیر نے کہا، بتاؤ اس کے ساتھ کیا سلوک ہونا چاہئے۔ مصاحبوں نے یہ دیکھ کر کہ امیر غصہ میں ہے اور اس کا منشاء اس کو سزا دینے کا ہے، کہا، اس کا قتل واجب ہے۔

حضرت امیر معاویہؓ نے ترشرو ہو کر فرمایا، بہت برا مشورہ ہے جو تم نے دیا ہے۔ کیا مجھ کو ایک ایسی عورت کا قاتل مشہور کر کے دنیا میں بدنام کرنا چاہتے ہو جو اس وقت میرے ملک میں اور میرے قابو میں ہے۔

زرقا اس وقت کوفہ میں تھی۔ حضرت معاویہؓ نے عامل کوفہ کو خط لکھا کہ زرقا کو عزت و احترام کے ساتھ چند معتمد محرموں اور قبیلہ کے سرداروں کے ہمراہ اس طرف روانہ کر دو۔ عامل نے زرقا کو

Marfat.com

طلب کیا اور امیر کا پیغام سنایا۔ زرقا نے کہا، اگر امیر نے میرا وہاں جانا میری مرضی پر رکھا تو مجھے جانے میں عذر وانکار ہے اور اگر حتمی حکم ہے تو بہر حال جانا ہی پڑے گا۔

غرض عامل نے اس کو تزک واحتشام کے ساتھ روانہ کر دیا۔ جب حضرت معاویہؓ کے پاس پہنچی تو پوچھا، سفر کس طرح طے ہوا؟ کہا، جس طرح لڑکی ماں کی گود میں پرورش پاتی ہے یا بچہ گہوارہ میں سوتا ہے۔ امیر نے کہا، ہم نے اسی طرح عامل (گورنر) کو ہدایت کی تھی۔ پھر کہا، تم کو معلوم ہے کہ تم کیوں بلائی گئی ہو؟ کہا جو راز مجھ سے پوشیدہ ہے کیونکر اس سے آگاہ ہو سکتی ہوں۔

امیر معاویہؓ: اے زرقا کیا تو جنگ صفین میں سرخ اونٹ پر سوار نہیں تھی اور کیا تو اپنے خطبوں کے تیز وتند ہوا سے آتش حرب کو بھڑکا نہیں رہی تھی اور لوگوں کو قتل وخون میں لتھڑنے کے لئے جوش نہیں دلا رہی تھی؟ آخر اس کا سبب؟

زرقا: امیر المومنین! زمانہ انقلاب انگیز ہے

بیک لحظہ بیک ساعت بیک دم
دگرگوں می شود احوال عالم

حوادث وواقعات کا سلسلہ برابر جاری ہے۔

امیر: زرقا تجھ کو اپنا اس دن والا خطبہ یاد ہے؟

زرقا: واللہ مجھے یاد نہیں۔

امیر: مجھے تو یاد ہے۔ سنو: تم اپنی فوج اور اپنے قبیلہ کے جوانوں کو خطاب کر کے کہہ رہی تھیں۔ ”تم فتنہ سے بچو جو ظلمتوں کے پردے ڈال رہا ہے اور لوگوں کو راہ راست سے بہکا رہا ہے۔ یہ کیسا اندھا، بہرا اور گونگا فتنہ ہے کہ نہ ہانکنے والوں کی ہانک سنتا ہے اور نہ کھینچنے والے کی مرضی پر چلتا ہے۔ دیکھو چراغ آفتاب کے سامنے روشن نہیں ہوتا (یعنی حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی موجودگی میں حضرت معاویہؓ کی کوئی ضرورت نہیں) ستارے چاند کے سامنے ماندر ہتے ہیں۔ پس اے مہاجرین! یاد رکھو عورتوں کی آزمائش مہندی سے ہے اور مردوں کی خون سے۔“

ان الفاظ کے سنانے کے بعد امیر نے کہا، اے زرقا! جو خون علیؓ نے بہائے، ان میں تو

بھی شریک تھی۔

زرقا: امیر المومنین! خدا آپ کا بھلا کرے، گزشتہ واقعات سنا کر آپ نے میرے دل کو پر جوش بنا دیا اور میری مردہ روح کو پھر زندہ کر دیا۔

امیر: کیا اس بات سے کہ تم علیؓ کے ساتھ شریک تھیں، تمہیں خوشی ہے؟

زرقا: نہ صرف خوشی بلکہ فخر۔ امیر المومنین کو میرے خیالات کا بخوبی اندازہ ہو گیا ہوگا۔

امیر معاویہؓ: علیؓ کے ساتھ تیری وفاداری اس کی وفات کے بعد زیادہ قابل عزت ہے بہ نسبت اس محبت و عقیدت کے جو اس کی زندگی میں تم اس کے ساتھ رکھتی تھیں۔ اے زرقا! جس چیز کی تجھے خواہش ہو مجھ سے مانگ۔ تجھ جیسی قابل، وفادار اور حق گو عورت کی ضروریات کا پورا کرنا میرا فرض ہے۔

زرقا: جس کے برخلاف میں ہمیشہ اپنے خیالات ظاہر کرتی رہی۔ لڑائی میں فوجوں کو بھڑکاتی رہی۔ اب اس سے کس منہ سے سوال کروں۔ بغیر سوال اور خواہش کے جو کچھ عنایت ہوگا، اس کو بسر و چشم قبول کروں گی۔

حضرت امیر معاویہؓ نے زرقا اور اس کے ہمراہیوں کو انعام و اکرام اور خلعت دے کر رخصت کیا اور درباریوں سے اس کی آزادانہ روش کی تعریف کی۔

(تاریخ اسلام کے ناقابل فراموش واقعات: ۱۰۳)

ام سنان کی آزادانہ گفتگو

حضرت معاویہؓ کی طرف سے مروان گورنر مدینہ تھا، اکثر لوگ اس کی خود رائیوں اور سختیوں کے شاکی تھے مگر دربار معاویہؓ میں کسی کی جرأت نہ تھی۔ مروان نے ایک لڑکے کو کسی قصور پر یا کسی بہانے سے قید کر دیا۔ اس کی دادی ام سنان بنت خشمہ مروان کے پاس پہنچی اور اس کی بے گناہی اور اپنی ضعیفی کا اظہار کیا مگر مروان نے نہ سنی۔ آخر وہ تنگ آ کر حضرت معاویہؓ کے دربار میں گئی، اپنا حسب نسب بیان کیا۔ امیر معاویہؓ نے پہچان کر کہا، تو وہی تو نہیں جو ہم پر تبرا کرتی تھی اور ہمارے دشمنوں کو ہمارے مقابلہ پر برانگیختہ کرتی تھی۔

ام سنان: اے معاویہؓ! عبد مناف کی اولاد کو اخلاق پاکیزہ اور علم وسیع دیا گیا ہے، وہ واقف ہو کر انجان نہیں بنتے اور حلم کے بعد سفاہت اختیار نہیں کرتے اور عفو کے بعد انتقام نہیں لیتے۔

امیر معاویہؓ: بے شک ہم ایسے ہی ہیں مگر کیا تم وہی تو نہیں ہو جس نے اپنے اشعار میں علیؓ کی مدح وثنا اور ان کے مخالفین کی تضحیک کی تھی؟ اور کچھ اشعار بھی جو ام سنان نے لکھے تھے، سنا دیئے۔

ام سنان: بے شک یہ اشعار میرے ہی ہیں لیکن میں امید کرتی ہوں کہ آپ ہمارے لئے (علیؓ کے بعد) بہتر خلیفہ ثابت ہوں گے۔

امیر کے ایک درباری نے جو پاس ہی بیٹھا تھا، ام سنان کے کچھ اشعار پڑھے جو بہت زیادہ سخت الفاظ میں تھے۔ امیر کا دل اور مکذر ہو گیا۔ یہ حالت دیکھ کر ام سنان نے کہا۔ ''اے امیر المومنین! تیرے ایسے ہی مصاحبوں نے مسلمانوں کو تجھ سے ناراض کر رکھا ہے۔ ان کی باتوں کو جو خودغرضی اور جھوٹی خوشامد پر محمول ہوتی ہیں، حقیر جان اور ان کو اپنا مقرب نہ بنا۔ اگر تو ایسے مصاحبوں سے بچتا رہے گا تو خدا کا قرب نصیب ہونے کے علاوہ مومنوں کے دلوں میں تیری جگہ ہوگی۔ تو ہمارے دلی خیالات سے واقف ہے، ہم ان لوگوں میں نہیں جو منہ پر تعریف کریں اور پیٹھ پیچھے برا بھلا کہیں۔ جو چیز ہمارے دلوں میں جاگزین تھی ہم اس کو تجھ سے زیادہ محبوب رکھتے تھے لیکن اب جبکہ وہ نہیں ہے، ہم علیؓ کے بعد تجھ کو بھی اور لوگوں کی نسبت زیادہ محبوب رکھتے ہیں۔

امیر معاویہؓ: اور لوگوں سے تمہارا کیا مطلب ہے؟

ام سنان: مروان بن الحکم اور سعید بن العاص (جو تجھے اور تیری حکومت کو بدنام کر رہے ہیں)

امیر معاویہؓ: میرے ساتھ محبت وعقیدت کی کیا وجہ ہے؟

ام سنان: تمہارے حلم کی وسعت اور تمہارے عفوودرگزر کے سبب سے۔

امیر معاویہؓ: یہاں کیونکر آنا ہو؟

ام سنان: مروان حاکم مدینہ کی شکایت لے کر آئی ہوں۔ نہ وہ انصاف کے ساتھ حکومت کرتا ہے نہ شریعت کے موافق فیصلے۔ خلق خدا اس سے تنگ ہے۔ میرا پوتا بھی اس نے جیل میں ڈال

Marfat.com

دیا ہے۔ میں دادخواہی کے لئے اس کے پاس گئی تھی مگر وہ پتھر سے بھی زیادہ کرخت اور حنظل سے بھی زیادہ کڑوا نکلا۔ اب میں مجبور ہو کر اس دربار میں آئی ہوں جہاں مروان کی نسبت زیادہ عفو اور درگزر کی امید ہے۔

امیر معاویہؓ نے کاتب (امیر منشی) کو اشارہ کیا کہ رہائی کا حکم لکھ کر ام سنان کے حوالے کر دو۔ اور اس کی صاف گوئی اور اظہار حق و صداقت میں بے خوفی و بے جگری کی وجہ سے پانچ ہزار درہم زاد راہ کے لئے اور ایک اونٹ سواری کے لئے دے کر رخصت کیا۔ (تاریخ اسلام کے ناقابل فراموش واقعات:۱۰۶)

سبحان اللہ! یہ آرزو

امیر معاویہؓ نے ایک مرتبہ موسم حج میں بنی کنانہ کی ایک عورت کو جو مدینہ میں قیام کی وجہ سے دارمہ جعونیہ کے نام سے مشہور تھی، بلوایا اور پوچھا، ''دارمہ جانتی ہے تجھے کیوں بلایا گیا ہے؟

دارمہ: غیب کا علم خداوند کریم ہی کو ہے۔

امیر معاویہؓ: کیا یہ صحیح ہے کہ تو علیؓ کے ساتھ محبت رکھتی تھی اور اس میں تو نے مجھ سے کیا برائی دیکھی؟

دارمہ: علی کرم اللہ وجہہ سے مجھے اس لئے محبت تھی کہ وہ رعیت کے ساتھ انصاف کرتا تھا، سب کو استحقاق کے موافق حقوق دیتا تھا، مسکینوں سے محبت رکھتا اور دین داروں کی تعظیم کرتا تھا اور تجھ سے بغض کی وجہ یہ تھی کہ تو اپنے سے افضل کے ساتھ لڑا اور جس کا تو مستحق نہ تھا اس حالت کا طالب ہوا۔ تو نے خون ریزی کرائی، فیصلوں میں ناانصافی اور ہوائے نفس کے موافق حکومت کی۔ اس کو تیری طرح حکومت نے فتنہ میں نہیں ڈالا اور دولت نے تیری طرح اس کو غافل نہ کیا۔

امیر معاویہؓ: تو نے اس کا کلام بھی سنا۔

دارمہ: کیوں نہیں، خود اس کی زبان سے۔ اس کا کلام تاریکی سے دلوں کو اس طرح جلا کرتا تھا جیسے تیل برتن کا زنگ چھڑا دیتا ہے۔

Marfat.com

امیر: اگر کوئی ضرورت ہے تو بیان کر، میں تیری کھری کھری باتوں سے بہت خوش ہوا ہوں۔

دارمہ: مجھے سواونٹنیاں سرخ رنگ کی درکار ہیں جن کے ساتھ ان کے دربان بھی ہوں۔

امیر: اگر میں سواونٹنیاں تجھ کو دے دوں تو پھر تیرے دل میں علیؓ کے برابر میری جگہ ہوگی یا نہیں۔

دارمہ: سبحان اللہ، یہ آرزو!

امیر معاویہؓ نے جواب میں یہ دوشعر پڑھے:

اذا لم اعدا بالحلم منی علیکم
فمن ذا الذی بعدی یوسل اللحم
خذیها هنیاءً واذکری فعل ماجد
جزاك علی حرب العداوة بالسلم

ترجمہ: اگر میں تمہارے ساتھ فراغ حوصلگی سے پیش نہ آؤں تو پھر کون ہے میرے بعد جس سے اس کی امید کی جائے۔ یہ اونٹنیاں تجھ کو مبارک ہوں اور یاد رکھ اس شخص کو جس نے تیرے ساتھ عداوت کی جگہ صلح کا سلوک کیا ہے۔

اس کے بعد امیر نے کہا، واللہ اگر علیؓ زندہ ہوتا تو ان حالات میں ایک اونٹنی بھی تجھ کو نہ دیتا۔

دارمہ: واللہ! یہ سچ ہے، اونٹنی تو اونٹنی وہ بلی کا ایک بچہ تک بھی مسلمانوں کے مال میں سے دینے والا نہ تھا۔ (سلیم التواریخ، تاریخ اسلام کے ناقابل فراموش واقعات: ۱۰۷)

چند جملے تھے جو صدمہ کے سبب ٹپک پڑے تھے

حضرت امیر معاویہؓ نے ایک مرتبہ کوفہ کے والی کو لکھا کہ ام الخیر بنت خریش ابن سراقہ کو بہ عزت واحترام ہمارے پاس روانہ کردو۔ ام الخیر بڑی آزاد خیال اور بے باک عورت تھی۔ وہ اہل شام سے لڑنے اور حضرت علیؓ کا ساتھ دینے کے لئے اپنے فصیح وبلیغ اور پرزور اشعار لوگوں کو سنایا کرتی تھی۔ جب وہ دربار میں آئی تو اس نے السلام علیک یا امیر المومنین ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کے

الفاظ سے امیر کو سلام کیا۔ امیر نے جواب مسنون دے کر شکر ادا کیا کہ تم نے مجھے امیر المومنین کے لقب سے یاد کیا ہے۔

ام الخیر: لکل اجلٍ کتاب۔ یعنی ہر چیز کی مدت مقرر ہے۔

امیر نے ادھر ادھر کی باتیں کرنے کے بعد پوچھا، ''عمار بن یاسر کے قتل کے وقت تم نے کیا خطبہ پڑھا تھا؟''

ام الخیر: اگر پہلے سے تیار کیا ہوتا تو یاد بھی رہتا۔ چند جملے تھے جو صدمے کے سبب ٹپک پڑے تھے۔ اس موقعہ کے بعد کبھی خیال بھی پیدا نہیں ہوا کہ کیا کہا اور کب کہا۔ اس کے سوا اگر کوئی اور کلام آپ سننا چاہتے ہیں تو میں حاضر ہوں۔

امیرؓ اپنے مصاحبوں کی طرف متوجہ ہوئے اور پوچھا کہ کسی کو اس کا کلام یاد ہے؟ ایک نے، جس کو کچھ یاد تھا، ام الخیر کے اس بلیغ خطبے کے چند فقرے امیر کے سامنے پڑھے جس میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فضائل و مناقب کا ذکر تھا اور اہل شام سے لڑنے کی تحریک کی گئی تھی۔

امیرؓ نے یہ کلام سن کر کہا، ظاہر ہے کہ اس کلام سے تیرا مطلب میرے قتل کے سوا اور کچھ نہ تھا۔ اگر میں تجھے قتل کرادوں تو اس میں کوئی قباحت اور حرج نہیں ہے۔

ام الخیر: واللہ مجھے ہرگز شاق نہیں کیونکہ آپ کی شقاوت سے مجھے سعادت بلکہ شہادت نصیب ہوگی۔

امیر معاویہؓ: عثمان بن عفانؓ کے باب میں تو کیا کہتی ہے؟

ام الخیر: جب وہ خلیفہ ہوئے تو لوگ ان سے راضی تھے اور جب ان کی شہادت کا واقعہ ظہور میں آیا تو ناراض تھے۔

امیر: مدح ایسی ہی (گول مول) ہوتی ہے۔

ام الخیر: خدا گواہ ہے اس سے کوئی اور مطلب نہیں۔ وہ سابقین اولین میں سے تھے اور بے شک آخرت میں ان کا مرتبہ بلند ہوگا۔

امیرؓ: زبیر کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے؟

ام الخیر: جن کے جنتی ہونے کی شہادت خود رسول مقبول ﷺ دے چکے ہوں اور جو رسول

Marfat.com

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پھوپھی کے بیٹے اور ان کی مصیبت کے ساتھی ہوں، ان کے حق میں میری رائے کیا وزن رکھتی ہے؟

اس کے بعد ام الخیر نے کہا، اے معاویہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) تو قریش میں احلم الناس مشہور ہے، ان سوالوں سے مجھے معذور رکھ۔ ان کے سوا اور جو تیرا جی چاہے مجھ سے پوچھ لے۔ امیر نے سوالات موقوف کیے اور معقول ہدیہ دے کر رخصت کیا۔ (سلیم التواریخ، تاریخ اسلام کے ناقابل فراموش واقعات: ۱۰۸)

محمد بن سیرین کی حق گوئی

ایک مرتبہ بنوامیہ کے سردار عراق وایران کے گورنر عمر بن ہبیرۃ فزاری نے محمد بن سیرین کو ملاقات کے لئے بلایا۔ آپ اس سے ملنے کے لئے اپنے بھتیجے کے ہمراہ چل دیئے۔ جب وہاں پہنچے تو گورنر نے انہیں خوش آمدید کہا اور بڑی عزت واکرام سے پیش آیا۔ تخت پر اپنے ساتھ بٹھایا اور بہت سے دین ودنیا کے مسائل ان سے پوچھے۔ پھر یہ دریافت کیا کہ اے ابوبکر! آپ اپنے شہر کے باشندوں کو کس حال میں چھوڑ کر آئے ہیں؟ آپ نے بغیر کسی لگی لپٹی کے ارشاد فرمایا:

میں نے انہیں اس حال میں چھوڑا کہ ظلم ان میں ہر سو پھیلا ہوا ہے اور آپ ان سے غافل ہیں۔

اس پر آپ کے بھتیجے نے ان کے کندھے کی چٹکی لی۔ آپ نے اس کی طرف دیکھا اور فرمایا:

سوال تجھ سے نہیں کیا بلکہ مجھ سے کیا گیا اور میں اس کا ذمہ دار ہوں۔ بلاشبہ یہ ایک گواہی ہے جو اس کو چھپائے گا وہ گنہگار ہوگا۔

جب مجلس ختم ہوئی تو عمر بن ہبیرہ نے اسی اعزاز واکرام سے الوداع کہا جس طرح ان کا استقبال کیا تھا اور ان کی خدمت میں تین ہزار دینار کی ایک تھیلی پیش کی جسے لینے انہوں نے صاف انکار کر دیا۔ بھتیجے نے پوچھا، گورنر کا تحفہ قبول کرنے میں کیا حرج تھا؟ آپ نے فرمایا:

اس نے مجھے یہ تحفہ اپنے خیال میں مجھے اچھا سمجھتے ہوئے دیا۔ اگر اس کے خیال کے مطابق میں اچھے لوگوں میں سے ہوں تو اچھائی کا تقاضا ہے کہ میں یہ تحفہ

Marfat.com

قبول نہ کروں۔ اگر میں اچھے لوگوں میں سے نہیں ہوں تو پھر مجھے یہ تحفہ قبول کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ (حیات تابعین کے درخشاں پہلو: ۱۷۶)

میں تجھے قتل کر دوں گا

قبیلہ خثعم کا ایک عمر رسیدہ بزرگ دونوں گروہوں سے الگ تھلگ دریائے فرات کے دوسرے کنارے پر جا بیٹھا۔ جب اسے دوسرے لوگوں کے ساتھ پکڑ کر حجاج کے دربار لایا گیا، تو اس نے کہا، جب سے لڑائی کی آگ بھڑکی ہے، میں دریا کے کنارے بالکل الگ تھلگ لڑائی کا نتیجہ واضح ہونے کے انتظار میں بیٹھا رہا۔ جب آپ غالب آگئے، کامیابی و کامرانی نے آپ کے قدم چوم لئے، میں بیعت کرنے کے لئے آپ کی خدمت میں حاضر ہو گیا ہوں۔

حجاج یہ سن کر بھڑک اٹھا، کہنے لگا، تیرا کچھ نہ رہے تیرا ستیاناس ہو، تو اتنی دیر بھیگی بلی بن کر بیٹھا رہا، تو نے امیر کی قیادت میں لڑائی کیوں نہ کی؟ پھر اسے ڈانٹ پلاتے ہوئے کہا، کیا تو اپنے کفر کی گواہی دیتا ہے؟

اس نے کہا، یہ میری بدبختی ہوگی کہ اسی سال میں اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مصروف رہا اور اس کے بعد میں اب اپنے کفر کا ارتکاب کرلوں۔

حجاج نے کہا، اگر اعتراف نہیں کرو گے تو میں تجھے قتل کر دوں گا۔

اس نے کہا، جو جی میں آئے کرو، میں کفر کا قطعاً اعتراف نہیں کروں گا۔ میری اب عمر ہی کیا باقی رہ گئی ہے، چراغ سحری ہوں، ٹمٹما رہا ہوں، پھڑ پھڑا رہا ہوں، ابھی بجھا کہ ابھی گل ہوا۔ میں صبح شام اپنی موت کا منتظر ہوں، جو کرنا ہے کرلو۔

حجاج نے اپنے جلاد سے کہا، اس بوڑھے کی گردن اڑا دو۔ اس نے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے چشم زدن میں گردن اڑا دی۔ حجاج کے ہمنواؤں اور مخالفوں نے اس عمر رسیدہ بزرگ کے قتل کو افسردہ نگاہوں سے دیکھا اور سبھی یہ دلخراش منظر دیکھ کر کانپ اٹھے۔ (حیات تابعین کے درخشاں پہلو: ۱۸۴)

Marfat.com

کمیل بن زیاد نخعی کی حق گوئی

پھر حجاج نے کمیل بن زیاد نخعی کو بلایا، اس سے کہا، تم اپنے کفر کا اقرار کرتے ہو؟ اس نے کہا، اللہ کی قسم میں اپنے کفر کی گواہی ہرگز نہیں دوں گا۔ حجاج نے کہا، میں تجھے قتل کر دوں گا۔ فرمایا، جو کرنا ہے، کرلو۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں جانے کا وقت مقرر ہے، موت کے بعد حساب ہوگا۔

حجاج نے کہا، اللہ کے ہاں مقدمہ تیرے خلاف چلایا جائے گا نہ کہ حق میں۔

فرمایا، ہاں اگر تجھے قیامت کے دن قاضی بنادیا گیا تو پھر مقدمہ تیری مرضی سے چلے گا۔

حجاج نے چیخ کر جلاد سے کہا، اس کو قتل کردو۔

جلاد آگے بڑھا، تلوار نکالی اور ابن زیاد نخعی کی گردن اڑادی۔

(حیات تابعین کے درخشاں پہلو: ۱۸۵)

حجاج کے سامنے سعید بن جبیر کی حق گوئی اور بے باکی

مکہ معظمہ میں بنوامیہ کا ایک نیا گورنر مقرر کیا گیا جس کا نام خالد بن عبداللہ القسری تھا۔ سعید بن جبیرؒ کے ساتھیوں نے اس کی سخت گیری اور ترش روی کی وجہ سے خطرہ محسوس کیا۔ بعض مخلص احباب نے حضرت سعید سے کہا، اب جسے مکہ کا گورنر مقرر کیا گیا ہے، اللہ کی قسم ہمیں اس سے خطرہ ہے کہ وہ آپ کو نقصان پہنچائے گا، ہماری بات مانیں، ازراہ کرم اس شہر سے چلے جائیں۔

آپ نے فرمایا:

اللہ کی قسم! میں پہلے عراق سے بھاگا، یہاں آکر پناہ گزین ہوا۔ مجھے ایسا نہیں کرنا چاہئے تھا، وہیں رہ کر مجھے حالات کا مقابلہ کرنا زیادہ موزوں تھا۔ میں اپنی اس کمزوری پر پہلے ہی بہت شرمسار ہوں۔ لیکن اب میں نے پختہ ارادہ کر لیا ہے، اب میں یہیں رہوں گا، کہیں نہیں جاؤں گا۔ جو بھی میرے ساتھ پیش آئے اسے خندہ پیشانی سے قبول کروں گا۔

گورنر مکہ خالد بن عبداللہ نے وہی طرز عمل اختیار کیا جس کا لوگوں کو اندیشہ تھا۔ جب اسے

Marfat.com

حضرت سعید بن جبیرؒ کی رہائش کا علم ہوا تو اس نے پولیس کو حکم دیا کہ وہ انہیں گرفتار کر کے حجاج بن یوسف کے پاس واسط شہر میں لے جائے۔ پولیس نے شیخ کے گھر کا محاصرہ کرلیا، آخر کار انہیں گرفتار کر کے حجاج بن یوسف کی طرف چلنے کو کہا گیا۔

آپ بغیر کسی احتجاج کے واسط شہر کی طرف روانہ ہوئے۔ چلنے لگے تو اپنے ساتھیوں پر الوداعی نگاہ ڈالی اور فرمایا، مجھے لگتا ہے کہ اب ظالم و جابر حجاج کے ہاتھوں مجھے قتل کردیا جائے گا۔

حضرت سعید بن جبیرؒ بیان کرتے ہیں کہ ایک رات ہم تین ساتھی عبادت میں مصروف رہے۔ دعا کی لذت اور مٹھاس کا احساس ہوا تو جی بھر کر اللہ کے حضور دعائیں کیں اور اس کی بارگاہ میں دل کھول کر گڑگڑائے۔ پھر ہم نے اللہ تعالیٰ سے التجا کی کہ وہ ہمیں شہادت کی موت نصیب فرمائے۔ میرے دونوں ساتھی شہادت کی طلعت سے سرفراز ہوئے لیکن میں ابھی تک اس کے انتظار میں ہوں۔

آپ کی چھوٹی بیٹی نمودار ہوئی۔ اس نے دیکھا کہ آپ کو گرفتار کیا گیا ہے، وہ آپ سے چمٹ کر زار و قطار رونے لگی۔ حضرت نے بڑے پیار و محبت سے اس بچی کو اپنے سینے سے الگ کیا اور کہا، میری پیاری بیٹی، اپنی امی کو میرا پیغام پہنچا دینا کہ اب انشاء اللہ جنت میں ملاقات ہوگی۔ یہ کہہ کر آپ سوئے منزل روانہ ہوئے۔

جب اس عابد، زاہد، شب زندہ دار، عالم فاضل اور عظیم المرتبت شخصیت کو حجاج بن یوسف کے دربار میں پیش کیا گیا، حجاج نے انہیں کینہ پرور نگاہوں سے دیکھا اور بڑے حقارت آمیز لہجے میں پوچھا، تیرا نام کیا ہے؟

فرمایا، سعید بن جبیر۔

حجاج نے کہا، نہیں بلکہ تیرا نام شقی بن کسیر ہے۔

سعید: میری والدہ میرے نام کے متعلق تجھ سے بہتر جانتی ہے۔

حجاج نے پوچھا، حضرت محمد ﷺ کے بارے میں تیرا کیا خیال ہے؟

سعید: وہ اولاد آدم کے سردار، نبی مصطفیٰ، شفیع المذنبین، سید المرسلین، شاہ امم، سلطان مدینہ، ساری مخلوق میں سب سے اعلیٰ، ارفع، اجمل، اکمل اور بہتر و برتر ہیں۔ رسالت کا تاج ان کے سر

پرسجایا گیا۔آپ نے اللہ کی رضا کے لئے قرآن مجید کے احکامات عام لوگوں تک پہنچانے میں کوئی کسر باقی اٹھانہ رکھی۔آپ نے بنی نوع انسان کی راہنمائی کے لئے تن، من، دھن کی بازی لگائی۔

حجاج نے پوچھا، حضرت ابوبکر صدیقؓ کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟

سعید: وہ صدیق ہیں، رسول اللہ ﷺ کے خلیفہ ہیں، انہوں نے سعادت کی زندگی بسر کی۔دنیا سے قابل رشک انداز میں کوچ کیا، نبی ﷺ کے طریقے پر چلے اور اس میں سر مو بھی کوئی تبدیلی نہ کی۔

حجاج نے پوچھا، حضرت عمر بن الخطاب کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟

سعید: وہ فاروق ہیں، جن کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے حق اور باطل کے درمیان فرق کیا، وہ رسول اللہ ﷺ کی مراد ہیں، انہیں اللہ تعالیٰ سے مانگ کر لیا، وہ زندگی بھر رسول اقدس ﷺ اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے راستے پر چلے، آپ نے زندگی بھر قابل فخر کارنامے سرانجام دیئے، قابل رشک زندگی بسر کی اور جام شہادت نوش کیا۔

حجاج نے پوچھا، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے متعلق کیا خیال ہے؟

سعید: وہ جیش عسرہ کو تیار کرنے والے، مدینہ منورہ میں بئر رومہ کو خرید کر وقف کرنے والے، جنت میں اپنا گھر بنانے والے، رسول اکرم ﷺ کی دو بیٹیوں کے شوہر بن کر ذوالنورین کا اعزاز حاصل کرنے والے، ان کی شادی نبی اکرم ﷺ نے وحی الٰہی کے مطابق کی، اور آخر میں ظلم وستم کا نشانہ بن کر شہید کر دیئے جانے والے ہیں۔

حجاج نے پوچھا، حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟

سعید: وہ رسول اقدس ﷺ کے چچازاد بھائی، مسلمانوں کے سب سے پہلے اسلام قبول کرنے والے، سیدہ فاطمۃ الزہراء کے خاوند، اہل جنت کے نوجوانوں کے سردار، حسن اور حسین رضی اللہ عنہما کے والد اور زندگی میں جنت کی بشارت پانے والے۔

حجاج نے پوچھا، بنوامیہ میں سے تجھے کون سا خلیفہ پسند ہے؟

سعید: جو اپنے خالق کو پسندیدہ ہے۔

حجاج نے پوچھا، ان میں سے کون اپنے خالق کو پسندیدہ ہے؟

Marfat.com

سعید: اس کا علم اس ذات کو ہے جو ان کے راز ہائے دروں سے خوب اچھی طرح واقف ہے۔

حجاج نے پوچھا، میرے متعلق تمہاری کیا رائے ہے؟ تمہارا کیا خیال ہے؟

سعید: میری رائے تجھے اچھی نہیں لگے گی۔

حجاج نے کہا، میں ضرور سننا چاہتا ہوں۔

سعید: میری معلومات کے مطابق تو کتاب اللہ کا دشمن ہے اور ایسے کام کرتا ہے جس سے تیرے رعب ودبدبہ کی دھاک بیٹھے اور یہ انداز تجھے ہلاکت کی طرف لے جارہا ہے، آخرکار تجھے یہ جہنم میں دھکیل دے گا۔

حجاج نے یہ باتیں سنتے ہی آگ بگولہ ہوکر کہا، اللہ کی قسم میں تجھے ضرور قتل کر دوں گا۔

سعید: تو میری دنیا خراب کر دے گا، میں تیری آخرت برباد کر دوں گا۔

حجاج نے کہا، تم اپنے قتل کے لئے کونسا طریقہ پسند کرتے ہو؟

سعید: اے حجاج بلکہ تو اپنے قتل کا طریقہ منتخب کر، اللہ کی قسم جس انداز سے تو مجھے قتل کرے گا وہی انداز قیامت کے روز تجھے قتل کرنے کا اختیار کیا جائے گا۔

حجاج نے پوچھا، کیا تو چاہتا ہے کہ میں تجھے معاف کر دوں؟

سعید: اگر ایسا بھی ہوا تو وہ معافی اللہ کی جانب سے ہوگی، تو مجھے چھوڑ کر اپنے گھناؤنے جرم سے بری نہ ہو سکے گا۔

حجاج بن یوسف غصے سے آگ بگولہ ہوا اور دربان سے کہا، تلوار اور چمڑے کی چادر لے آؤ۔ یہ سن کر سعید بن جبیرؒ مسکرائے۔ حجاج نے پوچھا، تم کیوں مسکرائے ہو؟

سعید: تیری جرأت اور تیرے متعلق اللہ تعالیٰ کی بردباری دیکھ کر مسکرایا ہوں۔

ستم گر تجھ سے امید کرم ہو گی جنہیں ہو گی
ہمیں تو دیکھنا یہ ہے کہ تو ظالم کہاں تک ہے

حجاج نے حکم دیا، ارے جلاد اسے قتل کر دو۔

آپ نے قبلہ رخ منہ کیا اور کہا:

Marfat.com

اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ (الانعام: ۷۹)

میں یکسو ہو کر اپنا چہرہ اس ذات کی طرف کرتا ہوں جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں۔

حجاج نے کہا، اس کا منہ قبلہ کی طرف سے ہٹا دو۔

آپ نے فرمایا، **فاینما تولوا فثم وجه الله۔** ''جس طرف بھی منہ پھیرو اسی طرف اللہ ہے۔''

حجاج نے کہا، اسے اوندھے منہ لٹا دو۔

سعید: **منها خلقناکم و فیها نعیدکم و منها نخرجکم تارة اخریٰ۔** ''اسی سے ہم نے تمہیں پیدا کیا ہے، اسی میں ہم تمہیں لوٹائیں گے اور اسی سے دوبارہ تمہیں نکالیں گے۔

حجاج نے غصے سے دانت پیستے ہوئے کہا، اللہ کے اس دشمن کو قتل کر دو، میں نے زندگی میں آیات قرآنی کو اس سے زیادہ یاد رکھنے والا کوئی نہیں دیکھا۔

حضرت سعید بن جبیرؒ نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے اور کہا، الٰہی میرے بعد حجاج کو کسی پر مسلط نہ کرنا۔

حضرت سعید بن جبیرؒ کے قتل کو ابھی پندرہ دن نہ گزرے تھے کہ حجاج بن یوسف شدید بخار میں مبتلا ہو گیا، کبھی بے ہوش ہو جاتا اور کبھی ہوش میں آتا۔ جب آنکھ لگتی تو چیخ مار کر اٹھتا اور کہتا کہ سعید بن جبیر نے میرا گلا پکڑ رکھا ہے۔ سعید بن جبیرؒ مجھ سے پوچھتا ہے کہ بتاؤ تو نے مجھے کیوں قتل کیا؟ پھر حجاج بچوں کی طرح رونے لگتا اور کہتا، بھلا سعید بن جبیرؒ سے میرا کیا واسطہ، مجھے کیا ہو گیا؟ دنیا والو! سعید کو مجھ سے پیچھے ہٹا دو، سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے مجھے بچا لو، میں مارا گیا، میں لوٹا گیا، میں تباہ و برباد ہو گیا۔

جب حجاج بن یوسف مر گیا اور اسے دفنا دیا گیا تو ایک شخص نے اسے خواب میں دیکھا اور اس سے پوچھا، اے حجاج! جن کو تو نے قتل کیا، ان کا بدلہ تجھ سے کیسے لیا گیا؟ اس نے کہا، ہر قتل کے

بدلے اللہ تعالیٰ نے مجھے ایک بار قتل کیا لیکن سعید بن جبیرؒ کے بدلے مجھے ستر بار قتل کیا گیا۔
(حیات تابعین کے درخشاں پہلو: ۲۸۷)

حضرت سعید بن میسّب کی حق گوئی

حضرت امیر معاویہؓ نے اپنی زندگی کے آخری دنوں میں اپنے بیٹے یزید کے لئے خلافت کی بیعت لی تھی۔ اس بیعت سے بہت سے لوگوں کا اختلاف تھا جن میں حضرت حسین بن علی اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما جیسے بلند مرتبہ صحابہ بھی تھے۔ حضرت امیر معاویہؓ کی وفات کے بعد حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے بھی خلافت کا دعویٰ کیا۔ لیکن ان کی خلافت کے لئے بھی سارے مسلمان متفق نہیں تھے۔ ان میں حضرت سعید بن میسب بھی تھے۔ ان کا کہنا یہ تھا کہ جب تک مسلمانوں کی اکثریت کسی خلیفہ کے نام پر متفق نہیں ہو جاتی وہ کسی کے ہاتھ پر بیعت نہیں کریں گے۔ حضرت عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے مدینہ کے لوگوں سے بیعت لینے کے جابر بن اسود کو اپنا حاکم بنا کر بھیجا۔ جب اس نے بیعت لینے کا ارادہ ظاہر کیا تو حضرت سعید بن میسب نے اعلانیہ ان کی مخالفت شروع کی۔ انہوں نے کہا کہ اسلام نے خلیفہ کے انتخاب کا حق جمہور کو دیا ہے۔ جب تک اکثریت ابن زبیرؓ کے نام پر متفق نہیں ہو جاتی میں ان کی خلافت کے لئے بیعت نہیں کر سکتا۔

حضرت ابن میسب مدینہ کے بڑے بلند مرتبہ بزرگ تھے۔ ان کے انکار پر مدینہ والوں سے خلافت کی بیعت لینا ممکن نہیں تھا۔ پہلے جابر بن اسود نے ان کو سمجھا بجھا کر بیعت لینا چاہی، جب یہ تیار نہ ہوئے تو اس کو غصہ آ گیا۔ حکومت کے گھمنڈ میں اس نے ان پر سختی کرنا شروع کر دی۔ جابر نے حضرت سعیدؒ کو کوڑوں سے پٹوایا۔ لیکن وہ ان کی زبان کو اعلان حق سے نہ روک سکا۔ حضرت سعید بن میسب کوڑوں کی مار کھاتے جاتے تھے اور زبان سے اعلان کرتے جاتے تھے کہ خلافت صرف اس کا حق ہے جس کے لئے تمام مسلمان فیصلہ کریں، میں کسی خودساختہ خلیفہ کے ہاتھ پر بیعت نہیں کر سکتا۔ (طبقات ابن سعد ۵/۹۰)

Marfat.com

ایک خلیفہ کے ہوتے ہوئے دوسرے کے لئے بیعت نہیں کرسکتا

جب عبدالملک بن مروان نے مدینہ کے گورنر ہشام بن اسماعیل کے نام فرمان بھیجا کہ ولید اور سلیمان کی ولی عہدی کی بیعت لی جائے تو اس نے سعید بن میتب کو بھی طلب کیا اور بیعت کرنے کو کہا۔انہوں نے جواب دیا:

میں ایک خلیفہ کے ہوتے ہوئے کسی دوسرے خلیفہ کے لئے بیعت نہیں کرسکتا (جب تک خلیفہ عبدالملک بن مروان عہدہ خلافت پر موجود ہیں، مجھ سے خلافت کی بیعت نہ لی جائے)۔

اس جواب سے گورنر ہشام بن اسماعیل بہت ناراض ہوا۔اس نے انہیں سخت سزائیں دلوائیں، کوڑوں سے پٹوایا لیکن حضرت سعید بیعت کرنے سے انکار ہی کرتے رہے۔آخر اس نے ان کو قید میں ڈلوادیا۔جب انہوں نے ان تمام تکلیفوں کے باوجود بھی بیعت نہ کی تو ہشام نے حکم دیا کہ ان کو سولی دے دی جائے۔جب سعیدؒ کو اس بات کا علم ہوا کہ ان کو آج سولی دینے کے لئے راس الثنیہ لے جایا جائے گا تو یہ نہا دھو کر تیار ہو گئے۔عریانی سے بچنے کے لئے نیکر پہن لیا اور انتہائی اطمینان سے سولی کی طرف چلے۔لیکن ہشام نے کسی مصلحت سے ان کی سولی کی سزا کو قید میں بدل دیا۔حضرت ابوبکر بن عبدالرحمٰن نے ان سے قید خانہ میں بیعت کرنے کے لئے اصرار کیا تو انہوں نے جواب دیا، ابوبکر خدا کی قسم تمہارے دل اور آنکھ دونوں کی روشنی جاتی رہی ہے۔اللہ سے ڈرو اور اسی کو سب سے بڑھ کر جانو۔ (طبقات ابن سعد جز ۵ ص ۹۰)

مجھے ان ظالموں کے قبضہ میں نہیں دے گا

ایک مرتبہ حضرت سعید بن میتب اور مطلب بن سائب بازار میں بیٹھے تھے۔انہوں نے دیکھا کہ ایک قاصد ادھر سے گزر رہا ہے۔سعیدؒ قیاس سے سمجھ گئے کہ یہ بنو مروان کا قاصد ہے۔ انہوں نے اس سے پوچھا، کیا تم بنی مروان کے قاصد ہو؟ اس نے جواب دیا، جی ہاں آپ کا خیال صحیح ہے، میں بنو مروان کا قاصد ہوں۔انہوں نے پوچھا، تم نے بنو مروان کو کس حال میں

Marfat.com

چھوڑا ہے؟ قاصد نے کہا، اللہ کا شکر ہے وہ بہت اچھے حال میں ہیں۔ حضرت سعید نے فرمایا، افسوس تم اس کو اچھا حال بتاتے ہو، وہ انسانوں کو بھوکا رکھتے ہیں اور کتوں کا پیٹ بھرتے ہیں۔

یہ سن کر قاصد کا چہرہ غصہ سے سرخ ہو گیا۔ وہ آنکھیں نکالتا ہوا حضرت سعیدؒ کی طرف بڑھا۔ مطلب بن سائب نے اس کو سمجھا بجھا کر وہاں سے رخصت کیا۔ انہوں نے حضرت سعیدؒ کو سمجھایا، اللہ آپ پر کریم کرے، ابو محمد! آپ کیوں اپنی جان کے پیچھے پڑے ہیں؟ حضرت سعیدؒ نے فرمایا، احمق آدمی! چپ رہو، تمہیں نہیں معلوم جب تک میں اللہ کے حقوق کی حفاظت کرتا رہوں گا وہ مجھے ان ظالموں کے قبضہ میں نہیں دے گا۔ (تذکرۃ الحفاظ حافظ ذہبی جلد اول ص ۴۷)

یزید بن حبیب کی حق گوئی

امام یزید ابن حبیب تابعی ایک دفعہ علیل تھے۔ ابن سہیل والئ مصر ان کی عیادت کو آیا۔ اثنائے کلام میں اس نے پوچھا کہ جس کپڑے پر مچھر کا خون لگا ہو، اس سے نماز جائز ہے یا نہیں؟ امام نے یہ سن کر غصہ سے منہ پھیر لیا اور کچھ نہیں کہا۔ تب امیر نے چلنے کا قصد کیا تو اس کو نظر بھر کر دیکھا اور فرمایا:

تو روزانہ خدا کے بندوں کا خون تو کرتا ہے اور مچھر کے خون کا فتویٰ پوچھنے چلا ہے۔

(علمائے سلف) (تاریخ اسلام کے ناقابل فراموش واقعات: ۴۷)

اس کا قرب تجھ سے اور میرا قرب اللہ سے ہے

حضرت طاؤس بن کیسان بیان کرتے ہیں کہ جب میں حج کرنے کے لئے مکہ معظمہ گیا، حجاج بن یوسف بھی وہاں موجود تھا۔ میری موجودگی کا سن کر ملاقات کے لئے اس نے مجھے بلایا، میں اس کے دیوان میں پہنچا، اس نے مجھے خوش آمدید کہا، اور اپنے قریب بٹھایا۔ آزاد مجلس کا خیال کرتے ہوئے اس نے گاؤ تکیہ مجھے پیش کیا تاکہ میں ٹیک لگا کر آرام سے بیٹھ سکوں۔ پھر وہ مجھ سے حج کے مسائل پوچھنے لگا۔ ہم محو گفتگو تھے کہ حجاج نے کسی تلبیہ کہنے والے کی سریلی آواز سنی۔ اس کی آواز میں ایک جادو تھا۔ ہر سننے والا اس کی طرف بے ساختہ متوجہ ہو جاتا۔ حجاج نے

کہا، اس شخص کو میرے پاس لاؤ۔ اسے لایا گیا۔ حجاج نے پوچھا، تم کون ہو؟

اس نے کہا، میں ایک مسلمان ہوں۔

حجاج نے کہا، میری مراد ہے کہ تم کہاں کے رہنے والے ہو؟

اس نے کہا، میں یمن کا باشندہ ہوں۔

حجاج نے پوچھا، اپنے گورنر کو کیسا پایا؟

اس نے کہا، وہ بڑا موٹا تازہ ہے، فاخرانہ لباس پہنتا ہے، بار بار لباس تبدیل کرتا ہے، گھوڑے پر سوار کبھی آتا ہے کبھی جاتا ہے، اس کے طمطراق کے کیا کہنے۔

حجاج نے کہا، میں نے تم سے یہ نہیں پوچھا۔

اس نے کہا، پھر آپ نے کیا پوچھا ہے؟

حجاج نے کہا، میں اس کے کردار اور اخلاق کے متعلق پوچھتا ہوں۔

اس نے کہا، وہ بڑا ہی ظالم جابر ہے۔ مخلوق کی اطاعت کرنے والا اور اپنے خالق کا نافرمان ہے۔

یہ جواب سن کر حجاج بن یوسف کا چہرہ غصے کی وجہ سے سرخ ہو گیا۔ حجاج نے اس شخص سے کہا، تجھے یہ سب کچھ کہنے کی جرأت کیسے ہوئی؟ کیا جانتے ہو گورنر کا میرے ساتھ کیا رشتہ ہے؟

اس نے بڑی بے نیازی سے کہا،

> اس کا قرب تجھ سے اور میرا قرب اللہ تعالیٰ سے ہے۔ کیا تم اس کے رشتے کو میرے اس تعلق سے بڑا سمجھتے ہو؟ سنو! میں اللہ کے اس عظیم گھر کا مہمان ہوں۔ میں اس کے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تصدیق کرنے والا ہوں۔ اور میں اس کا وہ قرض چکانے والا ہوں جو دینی اعتبار سے میرے ذمے ہے۔

یہ سن کر حجاج خاموش ہو گیا۔ حضرت طاؤس بیان کرتے ہیں کہ وہ یہ جرأت مندانہ بات کرتے ہی بغیر اجازت لئے وہاں سے چلا گیا۔ میں بھی اس کے پیچھے ہو لیا۔ میں نے اپنے دل میں کہا، یہ شخص بہت نیک ہے۔ اس سے ملاقات کرنی چاہئے کہیں یہ لوگوں کی بھیڑ وجہ سے نگاہوں سے اوجھل نہ ہو جائے۔ لہذا میں اس کے پیچھے ہو لیا۔ میں نے دیکھا کہ وہ غلاف کعبہ

Marfat.com

سے چمٹا ہوا اللہ کے حضور آہ وزاری کرتے ہوئے کہہ رہا ہے:

الٰہی میں تیری پناہ چاہتا ہوں۔

الٰہی میں تیرے حضور گناہوں کی بخشش کے لئے التجا کرتا ہوں۔

الٰہی اپنی سخاوت کے صدقے اور اپنی کفالت کے طفیل مجھے بخیلوں کی نوک جھونک اور روک ٹوک سے محفوظ فرما۔ اور جو کچھ دنیا والوں کے قبضے میں ہے اس سے بے نیاز کردے۔

الٰہی میں تیری بارگاہ میں خوشحالی وفراوانی کا طلبگار ہوں اور تیری رحمت کا سوالی ہوں۔

الٰہی میں تیری جانب سے نازل کردہ خیر وبرکت کا فقیر ہوں۔

پھر طواف کرنے والوں کا ریلا اسے بہا کر لے گیا اور پلک جھپکتے ہی اسے میری آنکھوں سے اوجھل کر دیا۔

مجھے یقین ہو گیا کہ اب اس سے ملاقات نہیں ہو سکے گی۔ لیکن پھر میں نے میدان عرفات میں شام کے وقت اسے دیکھا کہ لوگوں کے شانہ بشانہ مزدلفہ کی طرف جا رہا ہے۔ میں اس کے قریب ہوا، وہ اپنے اللہ سے محو گفتگو تھا اور کہہ رہا تھا:

الٰہی! اگر تو نے میرا حج قبول نہ کیا تو میرا کیا بنے گا؟

الٰہی! اس مبارک سفر کے اجر وثواب سے مجھے محروم نہ کرنا۔

پھر وہ رات کی تاریکی میں میری نگاہوں سے اوجھل ہو گیا۔ جب میں تلاش بسیار کے باوجود اسے نہ دیکھ سکا۔ اس کی ملاقات سے مایوس ہو گیا، تو میں اپنے اللہ سے التجا کرنے لگا۔

الٰہی! میری اور اس شخص کی دعا کو قبول فرما۔

الٰہی! میری اور اس کی امیدوں کو بر لانا۔

الٰہی! مجھے اور اسے قیامت کے دن ثابت قدم رکھنا جس دن اکثر لوگوں کے قدم ڈگمگا رہے ہوں گے۔ اے کرم کرنے والے خدایا، میری اور اس کی ملاقات حوض کوثر پر کرنا۔ (حیات تابعین کے درخشاں پہلو: ۳۶۶)

Marfat.com

نازک مزاج شاہاں تاب سخن ندارد

عبدالرحمٰن بن ابی نعم بجلی جلیل القدر تابعین میں سے ہیں، زہد و عبادت میں بڑے مشہور تھے۔ ان کی خدا خوفی اور فکر آخرت کا یہ عالم تھا کہ بکیر بن عامر کے بقول اگر ان سے کہا جائے کہ موت کا فرشتہ آپ کی روح قبض کرنے آیا ہے تو اس خبر سے ان کی حالت میں ذرہ بھی فرق نہیں آئے گا۔

ایک دن وعظ و نصیحت کی غرض سے وہ حجاج بن یوسف کے پاس گئے۔ حجاج کے ظلم سے کون ناواقف ہوگا، نصیحت فرمائی اور ظلم کے انجام کی طرف توجہ دلائی تو حجاج نے اس کا نقد صلہ دیا۔ حکم دیا کہ اسے تنگ و تاریک کوٹھڑی میں بند کردو۔ اس حالت میں پندرہ دن گزر گئے جہاں نہ کھانا، نہ پینا، نہ روشنی اور نہ زندگی کا کوئی سامان۔ حجاج نے کہا، اب اس کی لاش نکال کر دفن کردو۔ چنانچہ ان کی لاش نکالنے کیلئے حجاج کے کارندوں نے جب دروازہ کھولا تو دیکھا کہ وہ کھڑے ہو کر نماز میں مشغول ہیں کہ

یہ نغمہ فصل گل و لالہ کا نہیں پابند
بہار ہو کہ خزاں لا الٰہ الا اللہ

حجاج کو ان کی یہ کیفیت معلوم ہوئی تو ان کو آزاد کردیا۔
(تہذیب التہذیب جلد۶ ص ۲۸۶، بحوالہ کتابوں کی درسگاہ میں: ۴۷)

حجاج کو حضرت وائل کا جواب

حضرت ابو وائل بن سلمہ کو بنو امیہ کے یہاں بڑی عزت و وقعت حاصل تھی۔ لیکن یہ حق کا اظہار کرنے میں کبھی گریز نہیں کرتے تھے۔ حجاج بن یوسف ثقفی ان کا احترام کرتا تھا۔ اس نے ان کو سلاسل کا عہدہ پیش کرنا چاہا۔ انہوں نے یہ سوچتے ہوئے اس کو قبول کرنے سے انکار کردیا کہ حکومت کی پابندی ان کی حق گوئی میں حائل ہوسکتی ہے۔ حجاج نے انہیں کوفہ بلایا اور ان سے بہت سے سوالات کیئے۔ انہوں نے بڑے بیباکانہ جواب دیئے۔

حجاج نے پوچھا، تمہارا نام کیا ہے؟
انہوں نے جواب دیا، اگر آپ کو میرا نام معلوم نہ ہوتا تو مجھے کیسے بلا سکتے تھے؟
حجاج، اس شہر میں کب آئے ہو؟
جواب، جب شہر کے تمام باشندے آئے۔
حجاج نے پھر پوچھا، تم کو کتنا قرآن یاد ہے؟
جواب دیا، اتنا کہ اگر میں اس کی پابندی کروں تو میرے لئے وہ بہت کافی ہے
حجاج نے کہا، میں نے تمہاری تعریف سنی ہے، میں چاہتا ہوں کہ تمہیں سلاسل یعنی مجرموں کو سزا دینے کا عہدہ دوں۔
حضرت ابووائلؒ نے حجاج کے ظلم و ستم سے عوام میں پھیلے ہوئے خوف کا اظہار بڑی خوبصورتی سے کیا، بولے:

میری اب بھی یہ حالت ہے کہ آپ سے ہر وقت ڈرتا رہتا ہوں۔ رات کو آنکھ کھل جاتی ہے اور آپ کا خیال آجاتا ہے تو پھر نیند نہیں آتی۔ پھر جب میں آپ کا عہدے دار بن جاؤں گا تو میرا کیا حال ہوگا؟

غرض انہوں نے اس عہدہ کو قبول نہیں کیا۔ (طبقات ابن سعد جز دوم ص ۶۶)

یحییٰ بن یعمر کی حجاج سے بحث

حضرت یحییٰ بن یعمر لیثی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۱۱۹ھ، ۷۳۷ء) کو خاندان رسالت سے گہری عقیدت تھی۔ بنو مروان اور ان کے کارندے خاندان اہل بیت سے بغض رکھتے تھے۔ ایک دن حجاج بن یوسف ثقفی کے پاس تشریف رکھتے تھے، اتفاق سے سیدنا حضرت حسین بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا ذکر چھڑ گیا۔ حضرت یحییٰ نے بلا خوف حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے محاسن بیان کئے۔ حجاج کو یہ بھی گوارہ نہ ہوا کہ حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہما کو اولاد رسول بتایا جائے۔ اس نے کہا، حسین بن علی (رضی اللہ عنہما) تو اولاد رسول کہلانے کے مستحق نہیں ہیں۔ حضرت یحییٰ بن یعمر نے پوچھا، آخر اس کی کیا وجہ ہے کہ آپ ان کو اولاد رسول کے زمرے سے خارج کر رہے ہیں؟

Marfat.com

اس نے جواب دیا، اس لئے کہ حسین فاطمہ بنت رسول ﷺ کی اولاد ہیں اور اولاد کا نسب نانا کی طرف منسوب نہیں ہوتا۔

حضرت یحیٰ نے غصہ کے ساتھ کہا، امیر! تم سراسر جھوٹ بول رہے ہو، وہ بے شک اولاد رسول کے زمرے میں آتے ہیں، تم ایسا کہہ کران کے ساتھ ناانصافی کررہے ہو۔

حضرت یحیٰ کے غصہ کو دیکھ کر حجاج غضبناک ہوگیا۔ اس نے لال پیلا ہوکر کہا، تم بے بنیاد باتیں کرتے ہو، بھلا کہیں نانا کی طرف بھی اولاد منسوب ہوتی ہے۔ تمہاری خیریت اسی میں ہے کہ قرآن وحدیث سے اس کی دلیل پیش کرو ورنہ ایسا کہنے پر میں تم کو سخت سزا دوں گا۔

حضرت یحیٰ نے فوراً قرآن کی یہ آیتیں پڑھیں۔

وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ كُلًّا هَدَيْنَا وَنُوْحًا هَدَيْنَا مِنْ قَبْلُ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهٖ دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ وَاَيُّوْبَ وَيُوْسُفَ وَمُوْسٰى وَهٰرُوْنَ وَكَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ ۝ وَزَكَرِيَّا وَيَحْيٰى وَعِيْسٰى وَاِلْيَاسَ كُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝
(الانعام: ۸۵-۸۶)

اور ہم نے ان (ابراہیم) کو اسحٰق (علیہ السلام) اور یعقوب (علیہ السلام) بخشے اور سب کو ہدایت دی اور ہم نے نوح (علیہ السلام) کو بھی ہدایت دی تھی اور ان (ابراہیم علیہ السلام) کی اولاد میں سے داؤد (علیہ السلام) اور سلیمان (علیہ السلام) اور ایوب (علیہ السلام) اور یوسف (علیہ السلام) اور موسیٰ (علیہ السلام) اور ہارون (علیہ السلام) کو بھی (ہم نے ہدایت دی) اور ہم نیک لوگوں کو ایسا ہی بدلہ دیا کرتے ہیں اور زکریا (علیہ السلام)، یحیٰ (علیہ السلام)، عیسیٰ (علیہ السلام) اور الیاس (علیہ السلام) کو بھی (ہدایت) اور یہ سب نیکوکار تھے۔

پھر حضرت یحیٰ نے کہا، اے امیر! اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں شمار کیا ہے اور ظاہر ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا رشتہ نواسے کا تھا اور وہ تو دور کے رشتہ سے نواسے تھے جبکہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے حقیقی نواسے ہیں۔ پھر ان کو کس طرح رسول اللہ ﷺ کی اولاد کے زمرے سے خارج کیا جاسکتا ہے؟

حجاج یہ جواب سن کر بولا، یحیٰ! تم کو مجھے جھٹلانے کی جرأت کیسے ہوئی؟ تم کو کس چیز نے

میری تکذیب کے لئے ابھارا؟
حضرت یحییٰ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا، قرآن کریم کی اس آیت نے جس میں اللہ تعالیٰ نے انبیاء اور ان کی اتباع کرنے والوں سے عہد لیا ہے کہ وہ حق بات کو نہ چھپائیں۔
اس جواب کے بعد حجاج خاموش ہو گیا۔ (شذرات الذہب جلد اول بحوالہ مردان حق ۸۱)

خلیفہ سلیمان کے سامنے حضرت طاؤس کی حق گوئی

حضرت طاؤس دربان کے ہمراہ چلے۔ جب وہ امیر المومنین کے پاس گئے، اسے سلام کیا تو اس نے والہانہ استقبال کیا اور بڑی عقیدت سے سلام کا جواب دیا اور نہایت ہی عزت و اکرام کے ساتھ اپنے پاس بٹھایا۔ پھر وہ آپ سے حج کے مسائل دریافت کرنے لگا اور بڑے ادب و احترام سے ان کے جوابات سننے لگا۔
حضرت طاؤس فرماتے ہیں کہ جب میں نے محسوس کیا کہ امیر المومنین اپنا مقصد حاصل کر چکے ہیں اور اب کوئی سوال باقی نہیں رہا تو میں نے اپنے دل میں سوچا یہ ایک ایسی مجلس ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں مجھ سے اس کے متعلق پوچھا جائیگا کہ تم نے سربراہ مملکت کو کوئی نصیحت کیوں نہیں کی۔ یہ سوچ کر میں اس کی طرف متوجہ ہوا اور کہا:

> اے امیر المومنین جہنم کے گہرے گڑھے میں کنویں کی منڈیر پر ایک پتھر تھا، وہ اس میں گرا اور ستر سال میں کنویں کی تہہ تک پہنچا۔ اے امیر المومنین! کیا تم جانتے ہو جہنم کا یہ ہولناک کنواں اللہ تعالیٰ نے کس کے لئے تیار کر رکھا ہے؟ اس نے جواب دیا، مجھے علم نہیں۔ پھر اس نے جھنجھلاتے ہوئے دریافت کہا، آپ ہی بتائیں وہ بھلا کس کے لئے تیار کیا گیا ہے؟ فرمایا، اللہ تعالیٰ نے یہ کنواں اس شخص کے لئے تیار کیا ہے کہ جسے اس نے مسلمانوں کا حکمران بنایا لیکن اس نے اپنی رعایا پر ظلم و تشدد کیا۔

یہ سن کر خلیفہ سلیمان کے جسم پر لرزہ طاری ہو گیا۔ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے اس کے جسم سے روح پرواز ہوا چاہتی ہے۔ وہ زار و قطار رونے لگا اور رونے کی وجہ سے اس کی اس قدر ہچکی بندھی

Marfat.com

ہوئی تھی کہ یوں معلوم ہوتا تھا کہ اب ان کا آخری وقت ہے۔اس حالت میں میں نے اسے چھوڑا اور واپس آ گیا۔ وہ مجھے واپس ہوتے ہوئے دیکھ کر جزائے خیر کہہ رہا تھا۔

(حیات تابعین کے درخشان پہلو: ۳۷۳)

رجاء بن حیات کا جرأت مندانہ اقدام

۹۹ھ......۷۱۷ء میں خلیفہ سلیمان بن عبدالملک بیمار ہوا اور اس کو اپنی زندگی سے مایوسی ہوئی تو اپنے ایک نابالغ لڑکے ایوب کو وصیت کے ذریعہ اپنا ولی عہد مقرر کیا۔اس وقت اس کے پاس مشہور تابعی حضرت رجاء بن حیات موجود تھے۔ان سے مشورہ کیا تو انہوں نے بغیر کسی خوف کے اس کو حق پسندانہ مشورہ دیا۔انہوں نے کہا، خلیفہ کا سب سے زیادہ قابل یادگار کارنامہ یہ ہے کہ وہ کسی صالح شخص کو اپنا جانشین بنائے تاکہ قبر میں امن سے رہے۔

خلیفہ نے یہ سنا تو اپنے وصیت نامہ کو پھاڑ ڈالا اور اپنے جوان لڑکے داؤد کے بارے میں مشورہ کیا۔انہوں نے جواب دیا، داؤد تو قسطنطنیہ کی مہم پر گئے ہوئے ہیں، ان کا تو یہ بھی نہیں معلوم کہ زندہ ہیں یا شہید ہو گئے۔

خلیفہ نے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا نام پیش کیا تو رجاء بن حیات نے اس کو فوراً منظور کر لیا۔خلیفہ سلیمان کی وفات کے بعد رجاء بن حیات نے آل مروان کو جمع کر کے حضرت عمر بن عبدالعزیز کی خلافت کی بیعت کرنے کو کہا تو ہشام بن عبدالملک کو بہت صدمہ ہوا کہ اس کو تخت خلافت نہ مل کر اس کے چچازاد بھائی عمر کو مل گیا۔اس نے افسوس کے ساتھ کہا، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ہم عمر بن عبدالعزیز کے ہاتھ پر قیامت تک بیعت نہیں کر سکتے۔

اس موقع پر حضرت رجاء بن حیات نے نہایت بے خوفی اور بیباکی سے فرمایا کہ ہشام! اٹھ کر فوراً بیعت کرلو ورنہ ابھی تمہاری گردن اڑادوں گا۔

حضرت رجاء بن حیات کی اس بے خوفی اور بیباکی کا نتیجہ یہ ہوا کہ تمام آل مروان نے بے چون و چرا بیعت کر لی اور عالم اسلام کو ایک ایسا خلیفہ مل گیا جس نے خلافت راشدہ کی یاد تازہ کر دی۔ (سیرت عمر بن عبدالعزیز بحوالہ مردان حق ۱۰۳)

Marfat.com

اتنی ہی نصیحت کافی ہے

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ مسند خلافت پر فروکش ہوئے تو انہوں نے حضرت طاؤس بن کیسان کی طرف پیغام بھیجا کہ ازراہ کرم مجھے کوئی وصیت کیجئے۔ حضرت طاؤس نے انہیں لکھا جو صرف ایک سطر پر مشتمل تھا، اس میں یہ جملہ لکھا ہوا تھا:

اگر آپ چاہتے ہیں کہ آپ کا تمام کام خیر و برکت ہو تو کاروبار حکومت کی ذمہ داریاں نیک لوگوں کے سپرد کیجئے۔

جب حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے خط پڑھا تو پکار اٹھے اور بار بار کہنے لگے:

اتنی ہی نصیحت کافی ہے۔

اتنی ہی نصیحت کافی ہے۔ (حیات تابعین کے درخشاں پہلو: ۳۷۵)

خلیفہ ہشام کے سامنے حضرت طاؤس کا بے باکانہ کلام

جب ہشام حج کرنے کی غرض سے بیت اللہ پہنچا، حرم میں بیٹھے ہوئے اس نے اپنی حکومت کے ان ذمہ داران افسران سے کہا جو مکہ معظّمہ میں متعین تھے کہ کسی صحابی رسول علیہ السلام کو ڈھونڈ کر لائیں۔ انہوں نے کہا، امیر المومنین صحابہ کرام تو یکے بعد دیگرے اللہ کو پیارے ہو چکے ہیں، اب تو ان میں سے کوئی باقی نہیں رہا۔ تو اس نے کہا، تابعین میں سے کسی کو لے آئیں۔ تو حضرت طاؤس بن کیسان کو اس کے پاس لایا گیا۔

جب آپ اس کے پاس آئے تو اپنا جوتا اس کے تخت کے ایک طرف اتار دیا۔ اسے سلام کہا اور امیر المومنین کے لقب سے اسے یاد نہ کیا۔ بلکہ سیدھا اس کا نام لے کر مخاطب ہوئے اور اس کی اجازت لئے بغیر بیٹھ گئے۔ یہ منظر دیکھ کر ہشام کی آنکھیں غصے سے سرخ ہو گئیں۔ اس نے اس طرز عمل کو شاہی دربار کے آداب کے منافی سمجھا اور درباریوں کی موجودگی میں اسے اپنی بے ادبی اور گستاخی گردانا، لیکن اس نے بیت اللہ کی حرمت کے پیش نظر اس غصے کا اظہار نہ کیا بلکہ نہایت ہی دھیمے انداز میں کہا، اے طاؤس! ایسا کرنے پر آپ کو کس چیز نے برانگیختہ کیا؟

Marfat.com

آپ نے فرمایا، میں نے کیا کیا ہے؟

خلیفہ کو پھر غصہ آیا اور کہا، تم نے میرے تخت کی ایک جانب جوتے اتارے اور شاہی دربار کے آداب کا کچھ خیال نہ کیا اور پھر تم نے امیر المومنین کہہ کر سلام نہیں کیا۔ مزید برآں تم نے میرا گستاخانہ انداز میں نام لیا اور کنیت بھی نہ لی، پھر تم بغیر میری اجازت کے بیٹھ گئے۔

حضرت طاؤس نے بڑے ہی نرم اور دھیمے انداز سے فرمایا:

جہاں تک تیرے تخت کے نزدیک جوتے اتارنے کا تعلق ہے، ذرا میری بات دھیان سے سنو۔ میں روزانہ پانچ مرتبہ اللہ تعالیٰ کے دربار میں اپنے جوتے اتارتا ہوں، اس نے آج تک نہ مجھے ڈانٹا ہے اور نہ ہی آج تک کبھی وہ مجھ سے ناراض ہوا ہے۔ رہی یہ بات کہ میں نے آپ کو امیر المومنین پکار کر سلام نہیں کیا تو اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ آپ کی امارت پر تمام مسلمان متفق نہیں۔ رہی یہ بات کہ میں نے تمہارا نام لیا ہے اور کنیت سے نہیں پکارا تو سنو اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب انبیاء کو نام لے کر پکارا ہے جس طرح کہ قرآن مجید میں ارشاد فرمایا، یا نوح، یا داوٗد، یا یحییٰ، یا موسیٰ، یا عیسیٰ۔ اور اپنے دشمنوں کو کنیت سے پکارا ہے جیسا کہ تبت یدا ابی لہب وتب سے ظاہر ہے۔ رہی یہ بات کہ میں آپ کی اجازت کے بغیر ہی بیٹھ گیا، اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ میں نے امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اگر کسی جہنمی کو دیکھنا چاہیں تو اس شخص کو دیکھ لیں جو خود بیٹھا اور دوسرے لوگ دست بستہ اس کے اردگرد کھڑے ہوں۔ مجھے ناگوار گزرا کہ آپ وہ شخص ہوں جسے اہل جہنم میں شمار کیا جائے۔

ہشام نے یہ سن کر شرمندگی سے اپنا سر جھکا لیا۔ پھر اس نے اپنا سر اٹھایا اور کہا، اے ابو عبدالرحمٰن مجھے کوئی نصیحت کیجئے۔ آپ نے فرمایا:

میں نے امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جہنم میں لمبے اور موٹے ستونوں کی مانند خوفناک سانپ ہوں گے اور خچروں کی مانند

بچھو، جو ہر اس حکمران کو ڈسیں گے جو اپنی رعایا میں انصاف نہیں کرتا۔
یہ کہہ کر آپ وہاں سے اٹھے اور چلے گئے۔

(حیات تابعین کے درخشاں پہلو: ۳۷۶)

خلیفہ منصور کے سامنے عبداللہ بن طاؤس کی حق گوئی

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ عباسی خلیفہ ابوجعفر منصور نے حضرت طاؤس کے بیٹے عبداللہ اور مالک بن انس کو ملاقات کے لئے بلایا۔ جب یہ دونوں اس کے دربار میں گئے تو اس نے عبداللہ بن طاؤس کی طرف دیکھا اور کہا، ہمیں کوئی نصیحت آموز بات بتلائیں جو آپ نے اپنے ابا جان سے سنی ہو۔ اس نے کہا:

مجھے ابا جان نے یہ حدیث سنائی کہ قیامت کے دن سب سے زیادہ اس شخص کو عذاب ہوگا جسے اللہ تعالیٰ نے لوگوں کا حکمران بنایا لیکن اس نے ظلم وتشدد سے کام لیا۔

حضرت مالک بن انس فرماتے ہیں کہ میں نے یہ بات سنتے ہی اس اندیشے سے اپنے کپڑے سمیٹ لیے کہ خلیفہ غصے سے آگ بگولا ہو کر اس کی گردن اڑا دے گا اور کہیں خون کے چھینٹے میرے کپڑوں پر نہ پڑ جائیں۔ لیکن خلاف توقع ابوجعفر یہ تلخ حقیقت سن کر خاموش رہا اور پر امن انداز میں ہمیں واپسی کی اجازت دی۔ (حیات تابعین کے درخشاں پہلو: ۳۸۱)

ہشام کے سامنے فرزدق شاعر کی حق گوئی

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ہشام بن عبدالملک حج کے لئے مکہ معظمہ آیا، اس وقت وہ ولی عہد تھا۔ وہ طواف کرنا اور حجر اسود کو چومنا چاہتا تھا۔ حفاظتی دستے نے لوگوں کو ہٹو بچو کرتے ہوئے اس کے لئے راستہ بنانا شروع کر دیا۔ لیکن لوگوں میں سے ایک شخص نے ان کی طرف دیکھا ہی نہیں اور نہ ہی ان کے لئے راستہ بنایا بلکہ وہ یہ کہہ رہا تھا۔ یہ گھر اللہ کا ہے، تمام لوگ اس کے بندے ہیں۔
اسی دوران دور سے لا الہ الا اللہ اور اللہ اکبر کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ لوگ ٹکٹکی لگا کر

Marfat.com

اس کی طرف دیکھنے لگے۔ وہ کیا دیکھتے ہیں کہ لوگوں کے جھرمٹ میں ایک خوبصورت چھریرے بدن اور روشن چہرے والا شخص احرام باندھے بڑے ہی وقار کے ساتھ بیت اللہ کی جانب چلا آرہا ہے۔ اس کی پیشانی پر سجدوں کا نشان نمایاں ہے۔ لوگ عقیدت کا اظہار کرتے ہوئے اس کے لئے راستہ بنا رہے ہیں اور اسے محبت وعقیدت کی نظر سے دیکھ رہے ہیں۔ وہ شخص حجر اسود تک پہنچا اور اسے بڑے ہی باوقار انداز میں چوما۔

ہشام بن عبدالملک کے حاشیہ برداروں میں سے ایک شخص نے اس سے پوچھا، یہ کون ہے جس کی لوگ اس انداز میں تعظیم بجالا رہے ہیں؟ ہشام نے کہا، میں اسے نہیں جانتا۔

دنیائے عرب کا مشہور شاعر فرزدق وہاں موجود تھا۔ اس نے کہا، اگر ہشام اس کو نہیں جانتا تو کیا ہوا، میں تو اسے جانتا ہوں، تمام دنیا اسے جانتی ہے۔ یہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا فرزند ارجمند علی ہے جسے لوگ زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ کے نام سے جانتے ہیں۔ پھر برجستہ اس کی شان میں اشعار کہے جن کا ترجمہ درج ذیل ہے:

یہ وہ شخص ہے جس کے قدموں کی آہٹ کو وادی بطحاء جانتی ہے۔
بیت اللہ بھی اس کو جانتا ہے اور حل وحرم بھی اسے جانتے ہیں۔
یہ اللہ کے بندوں میں سب سے بہتر انسان کا نواسہ ہے۔
یہ متقی، پرہیز گار، پاک صاف اور ممتاز انسان ہے۔
یہ فاطمۃ الزہرا کا نواسہ ہے۔ اگر تو نہیں جانتا تو سن لے۔
اس کے نانا خاتم الانبیاء علیہ السلام ہیں۔
تیرا کہنا کہ یہ کون ہے؟ اسے کوئی نقصان نہیں دے گا۔
تو اسے اگر نہیں جانتا، عرب وعجم تو اسے جانتے ہیں۔
اس کے دونوں ہاتھ بڑے فیاض ہیں۔
لوگ اس کی فیاضی سے خوب مستفیض ہوتے ہیں، اس کے ہاتھ نہ دینا تو جانتے ہی نہیں۔
یہ نرم طبیعت ہے، اس میں ترش روئی کا شائبہ تک نہیں ہے۔
دو خوبیوں نے اس کو آراستہ کیا ہے۔ وہ حسن اخلاق اور نرم طبیعت ہے۔

Marfat.com

تشہد کے علاوہ اس کی زبان پر لانہیں آتا۔
اگر تشہد نہ ہوتا تو یہ لا بھی نعم ہوتا۔
اس کے احسانات خلق خدا پر عام ہیں۔
جن کی وجہ سے تاریکیاں، غربت وافلاس ختم ہو گئے۔
جب قریش نے اسے دیکھا تو اس کا ایک شخص پکار اٹھا۔
یہ وہ شخص ہے جس پر حسن اخلاق ختم ہے۔
یہ حیاء کی وجہ سے اپنی نگاہیں نیچی رکھتا ہے اور لوگ اس کی ہیبت سے نگاہیں جھکا لیتے ہیں۔
جب تک یہ مسکراتے نہیں کسی کو بات کرنے کی جرأت نہیں ہوتی۔
اس کی ہتھیلی ریشم کی طرح نرم ہے اور اس سے کستوری کی خوشبو آتی ہے۔
اور اس کی ناک تیکھی ہے جس سے شخصی عظمت آشکار ہوتی ہے۔
اس کا اصل رسول اللہ ﷺ سے مشتق ہوا ہے۔
اس کا حسب ونسب کس قدر عمدہ ہے۔ (حیات تابعین کے درخشاں پہلو: ۴۴۷)

آپ ایسے لوگوں میں شامل نہ ہوں

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کو جب خلافت ملی تو اطراف واکناف سے لوگ مبارکباد کے لئے آئے۔ ان میں ایک حجازی لڑکا بھی تھا جو بے ریش وبروت اور بالکل نوعمر تھا۔ خلیفہ نے کہا، اے لڑکے! کسی اپنے سے بڑی عمر والے کو گفتگو کرنے کے لئے پیش کر۔

لڑکا: امیر المومنین! جب خداوند کریم بندے کو زبان متکلم اور دل ذکر کرنے والا عطا کرے تو وہ کلام کا مستحق ہوتا ہے اور اے امیر المومنین! اگر عمر کا لحاظ ہوتا تو اس وقت امت میں جو آپ سے بڑی عمر والے ہیں وہ خلافت کے زیادہ مستحق ہوتے۔

امیر المومنین: اے لڑکے! تو کیا کہنا چاہتا ہے؟

لڑکا: ہم مبارکباد عرض کرنے کے لئے آئے ہیں۔ خداوند کریم نے ہم پر احسان کیا ہے کہ آپ جیسا عادل ومنصف خلیفہ ہم پر مقرر کیا ہے۔

امیر المومنین: اے لڑکے! کوئی اور بات کر۔

لڑکا: بہت سے ایسے بادشاہ گزرے ہیں جو خدا کے حلم پر مغرور ہو گئے اور نہ سمجھے کہ خداوند کریم کی لاٹھی بے آواز ہوتی ہے۔ خوشامدی مصاحبوں نے ان کو رعایا کے حالات سے غافل کر کے نفس پروریوں میں پھنسا دیا۔ بے شک ایسے لوگ جلتی ہوئی آگ کا ایندھن ہیں۔ اے امیر المومنین! ہماری دعا ہے کہ آپ ایسے لوگوں میں داخل وشامل نہ ہوں بلکہ دعا ہے کہ خداوند کریم اس امت کے نیک لوگوں کے ساتھ آپ کا حشر کرے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اس لڑکے کی عمر پوچھی تو معلوم ہوا کہ صرف گیارہ سال کی ہے۔ نسب پوچھا تو وہ لڑکا حسینؓ ابن علیؓ ابن ابی طالب کی اولاد میں سے نکلا۔ (تاریخ اسلام کے ناقابل فراموش واقعات: ۱۳۶)

تجھ جیسے ظالم کو حاکم بنایا

حجاج اپنے محل کے دریچہ میں نشست فرما تھا۔ عراق کے بعض سردار بھی حاضر تھے۔ ایک لڑکا جس کے بال اس کی کمر تک لٹک رہے تھے، فلک نما عمارت کو غور دیکھا، دائیں بائیں نظر کی اور باآواز بلند کہا: ”کیا اونچی اونچی زمینوں پر نشان بناتے ہو، بے فائدہ اور مضبوط قلعے بناتے ہو، اس خیال سے کہ ہمیشہ جیتے رہو گے۔“

حجاج تکیہ لگائے بیٹھا تھا۔ یہ سن کر سیدھا ہو گیا اور کہنے لگا، لڑکے! تو مجھے عقل منداور ذہین معلوم ہوتا ہے، ادھر آ۔

وہ آیا تو اس سے کچھ باتیں کرنے کے بعد کہا، کچھ پڑھو۔ لڑکے نے پڑھنا شروع کیا۔

اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم۔ اذا جآء نصر اللہ والفتح ورأیت الناس یخرجون من دین اللہ افواجا۔

ترجمہ: شیطان رجیم سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتا ہوں۔ جبکہ اللہ تعالیٰ کی مدد اور فتح آئی اور تو دیکھے کہ لوگ اللہ تعالیٰ کے دین سے فوج درفوج نکلے جارہے ہیں۔

حجاج: یدخلون پڑھو یعنی داخل ہوتے ہیں۔

لڑکا: بے شک داخل ہی ہوتے تھے مگر تیرے عہد حکومت میں چونکہ لوگ نکلے جارہے ہیں اس لئے میں نے خروج کا صیغہ استعمال کیا۔

حجاج: تو جانتا ہے میں کون ہوں؟

لڑکا: ہاں میں جانتا ہوں کہ ثقیف کے شیطان سے مخاطب ہوں۔

حجاج: تو دیوانہ ہے اور قابل علاج ہے۔ اچھا، امیر المومنین کے بارے میں تم کیا کہتے ہو؟

لڑکا: خدا ابوالحسن (حضرت علی کرم اللہ وجہہ) پر رحمت کرے۔

حجاج: میری مراد عبدالملک بن مروان سے ہے۔

لڑکا: اس نے تو اتنے گناہ کیے ہیں کہ زمین وآسمان میں نہیں سما سکتے۔

حجاج: ذرا ہم بھی تو سنیں کہ وہ کون کون سے گناہ ہیں؟

لڑکا: ان گناہوں کا ایک نمونہ تو یہ ہے کہ تجھ جیسے ظالم کو حاکم بنایا۔ تو وہ ہے کہ غریب رعایا کا مال مباح اور خون حلال سمجھتا ہے۔

حجاج نے مصاحبوں کی طرف دیکھا اور کہا، اس گستاخ لڑکے کے بارے میں کیا کہتے ہو؟ سب نے کہا، اس کی سزا قتل ہے کیونکہ یہ اطاعت پذیر جماعت سے الگ ہو گیا ہے۔

لڑکا: اے امیر! تیرے مصاحبوں سے تو تیرے بھائی فرعون کے مصاحب اچھے تھے جنہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور انکے بھائی کے متعلق فرعون سے کہا تھا کہ ان کے قتل کرنے میں جلدی نہ کرنا چاہئے۔ یہ کیسے مصاحب ہیں کہ (محض خوشامد کی وجہ سے) بغیر سوچے سمجھے میرے قتل کا فتویٰ دے رہے ہیں؟

حجاج نے یہ سوچ کر کہ ایک معصوم لڑکے کے قتل سے ممکن ہے شورش عظیم نہ ہو جائے، نہ صرف اس کے قتل کا ارادہ ملتوی کر دیا بلکہ اب خوف دلانے کی بجائے نرمی سے کام لینا شروع کیا اور کہا ''اے لڑکے! تہذیب سے گفتگو کر اور زبان کو بند کر۔ جا میں نے تیرے واسطے چار ہزار درہم کا حکم دے دیا ہے (اس کو لے کر اپنی ضرورتیں پوری کرلے)

لڑکا: مجھے درہم ودام کی کوئی ضرورت نہیں۔ خدا تیرا منہ سفید اور تیرا ٹخنہ اونچا کرے۔

Marfat.com

حجاج نے اپنے مصاحبوں سے کہا، سمجھتے ہو اس کا مطلب کیا ہے؟

مصاحبوں نے کہا کہ امیر ہم سے بہتر سمجھتا ہے۔

حجاج نے کہا، اس نے اس فقرہ سے کہ خدا تیرا منہ سفید کرے، میرے لئے کوڑھ کے مرض کی دعا کی ہے اور تختہ اونچا ہونے سے سولی لٹکانا مراد لیا ہے۔

حجاج نے لڑکے سے کہا، ہم نے تیری نوخیزی پر رحم کیا ہے اور تیری ذہانت وذکاوت اور تیری جسارت وجرأت کی وجہ سے تیری خطا معاف کی ہے۔

اس کے بعد لڑکے نے حجاج سے اور بھی باتیں کیں۔ اس کے چلے جانے پر اپنے مصاحبین سے کہا، خدا کی قسم! میں نے اس سے زیادہ دلاور اور سربکف کسی کو نہیں پایا اور امید ہے کہ وہ بھی مجھ جیسا کسی کو نہ پائے گا۔ (تاریخ اسلام کے ناقابل فراموش واقعات: ۱۲۴)

گالی دینا شرفاء کے شایان شان نہیں

عامر بن حطان خارجی تھا اور حجاج بن یوسف کے مخالفین میں سے تھا۔ حجاج نے اسے گرفتار کیا، جلاد سے کہا، بدکار عورت کے اس بیٹے کی گردن اڑا دو۔ عامر نے بڑے پروقار انداز میں سر اٹھا کر کہا:

> حجاج! تمہارے بڑوں نے تمہاری بڑی غلط تربیت کی ہے۔ موت کے بعد رہ کیا جاتا ہے، میں جواباً اسی طرح کی گالی تمہیں دوں تو مجھے کیا خوف ہو سکتا ہے لیکن گالی دینا بہادروں اور شرفاء کے شایان شان نہیں۔

یہ گالی کا باعث نجات جواب تھا۔ حجاج نے اس کا یہ جملہ سن کر شرمندگی سے سر جھکا لیا۔ پھر اس سے کہا، تمہارے ساتھ احسان کیا جا سکتا ہے۔ عامر نے کہا، کیوں نہیں۔ چنانچہ حجاج نے گھوڑا اور زادراہ دے کر اسے اپنے علاقے کی طرف رخصت کیا۔ عامر وہاں پہنچا تو اس کے قبیلہ کے لوگوں نے کہا، آپ کو اللہ نے آزادی دی ہے، حجاج نے نہیں، بھرپور تیاری کے ساتھ ہمیں دوبارہ حجاج پر حملہ کرنا چاہئے۔ لیکن عامر نے کہا، حجاج نے مجھ پر احسان کیا ہے اور اس احسان نے میرے ہاتھ باندھ لئے ہیں۔ اب میں اس کے خلاف لڑنے پر آمادہ نہیں ہو سکتا۔

Marfat.com

(العفو والاعتذار لابی الحسن الرقام ص ۵۵۹ بحوالہ کتابوں کی درسگاہ میں: ۵۰)

بخوبی جانتا ہوں

خلیفہ سلیمان بن عبدالملک کو موسیٰ سپہ سالار کے خاندان سے عداوت ہوگئی۔ اس نے موسیٰ کے بیٹے عبدالعزیز کو جو بہت ہر دلعزیز تھا اور جس نے ایک عیسائی شہزادی سے نکاح کرلیا تھا، کسی ترکیب سے عین نماز کے وقت قتل کردیا اور قاتلوں نے اس کا سر خلیفہ کے پاس بھیج دیا۔

عبدالعزیز کا باپ موسیٰ بھی دربار میں موجود تھا۔ خلیفہ سلیمان نے مرحوم کے بدنصیب باپ کو سر دکھایا اور پوچھا، پہچانتے ہو یہ کس کا سر ہے؟ موسیٰ نے نہایت نفرت کے ساتھ منہ ایک طرف پھیر لیا اور کہا، میں بخوبی پہچانتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ اس شخص پر کوئی بلاء آسمانی نازل ہو جس نے اپنے سے بہتر اور مخلوق کے خیر خواہ کو محض اپنی ذاتی عداوت کی وجہ سے قتل کرادیا ہے۔

یہ کہہ کر وہ دربار سے نکل گیا اور مکہ میں جاکر بیٹے کے غم میں شکستہ دل ہوکر انتقال کرگیا۔

(تاریخ اسلام کے ناقابل فراموش واقعات: ۱۱۵)

آپ مجھ سے کیوں ناراض ہوتے ہیں

ہشام بن عبدالملک کے زمانہ میں ایک بزرگ ابراہیم بن عیلہ کے نام سے تھے۔ ان کے زہد واتقا اور دیانت کی وجہ سے ہشام نے ان کو خراج مصر کی تولیت کا عہدہ دینا چاہا مگر انہوں نے اپنے آپ کو اس کے ناقابل سمجھ کر انکار کردیا۔ ہشام ناراض ہوا اور اس کی ناراضگی اس کی تیز وتند نظروں سے ٹپکنے لگی۔ آخر اس نے غصہ کے لہجہ میں کہا، تمہیں یہ عہدہ منظور کرنا ہوگا۔

حریت وگستاخی اور بے وقوفی ودانائی میں فرق ہوتا ہے۔ ابراہیم ابن عیلہ اس سے خوب واقف تھے۔ اس وقت تو خاموش رہے۔ کچھ عرصہ بعد جب ہشام نے کہا، ہاں کہو کیا کہنا چاہتے ہو؟ تو ابراہیم نے کہا، خداوند کریم نے اپنے کلام پاک میں ارشاد فرمایا ہے کہ ہم نے اپنی امانت زمین وآسمان کے سپرد کرنا چاہی مگر انہوں نے انکار کردیا۔ جب اس انکار پر خدا ان سے ناخوش نہ ہوا تو آپ مجھے سے کیوں ناراض ہوتے ہیں۔ خلیفہ نے یہ جواب سن کر آپ کی جگہ کسی اور کو

Marfat.com

تعینات کر دیا۔ (تاریخ اسلام کے ناقابل فراموش واقعات: ۱۱۷)

کلمہ حق کی سزا

حجاج بن یوسف نے حطیط زیات کو اپنے دربار میں بلایا اور کہا، تم مجھ کو کیسا سمجھتے ہو؟

حطیط نے کہا، تو خداوند کریم کا دشمن ہے۔

حجاج نے کہا، اور عبدالملک ابن مروان؟

حطیط نے کہا، اصل تو وہی ہے، تو اس کی فرع ہے۔

حجاج نے اس پر نہایت بے دردی اور بے رحمی سے طرح طرح کے عذاب دے کر ان کو شہید کرا دیا لیکن انہوں نے اف تک بھی نہ کی۔ (تاریخ اسلام کے ناقابل فراموش واقعات: ۱۳۸)

حضرت سفیان ثوریؒ کی حق گوئی اور دعا

خلیفہ منصور اپنی مرضی کے خلاف کوئی بات پسند نہ کرتا تھا۔ جب اس نے کئی بار دیکھا کہ سفیان ثوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس کو بغیر لحاظ پھٹکار لگاتے ہیں تو وہ ان سے ناراض ہو گیا۔ جب وہ آخری حج کے لئے بغداد سے روانہ ہوا تو مکہ پہنچنے سے پہلے ہی یہ حکم جاری کیا کہ سفیانؒ جہاں ملیں ان کو گرفتار کر کے پھانسی دے دی جائے۔

حضرت سفیان ثوریؒ اس وقت مکہ ہی میں تھے۔ حضرت فضیل بن عیاض اور سفیان بن عیینہ نے ان کو خبر دی کہ ان کی پھانسی کی تیاریاں پوری ہو چکی ہیں۔ حضرت سفیان ثوریؒ خانہ کعبہ میں گئے اور کعبہ کا غلاف پکڑ کر اللہ سے دعا کی۔ ''اے اللہ! منصور کعبہ میں داخل نہ ہونے پائے۔''

منصور ابھی راستہ میں بیر میمون میں ہی تھا کہ ۱۵۸ھ.....۷۷۴ء میں اس کا انتقال ہو گیا۔
(خطیب بغدادی و ابن عماد بحوالہ مردان حق ۱۶۳)

آج کی موت کل سے بہتر ہے

ایک مرتبہ خلیفہ ابوجعفر منصور نے جب یہ سنا کہ کچھ علماء اور محدثین اس سے اختلاف رکھتے

ہیں تو اس نے ابن سمعان اور ابن ابی ذئب وغیرہ کو دربار میں بلوایا۔ خلیفہ نے ابن سمعان سے پوچھا، تم بتاؤ میں کیسا ہوں؟

انہوں نے جواب دیا، امیر المومنین آپ سب سے بہتر، حج کرتے ہیں، جہاد کرتے ہیں، مظلوموں کے مددگار، اسلام کے پشت پناہ اور انصاف پسند ہیں۔

پھر خلیفہ نے ابن ابی ذئب سے سوال کیا، ابوحارث! بتاؤ تمہاری نظر میں میں کیسا ہوں؟

ابن ابی ذئب نے نہایت بے باکی سے فرمایا:

تم بدترین مخلوق ہو۔ **اللھم لا اعلمك الا ظالمًا جابرًا۔** اللہ کی قسم میں تمہارے ظالم جابر ہونے کے سوا کچھ نہیں جانتا۔ تم مسلمانوں کی دولت اپنی شان وشوکت پر صرف کرتے ہو، تم نے غریبوں کو ہلاک اور امیروں کو پریشان کر ڈالا ہے۔ بتاؤ تم کل اللہ کے سامنے کیا جواب دو گے؟

منصور نے تلوار دکھا کر غصہ سے کہا، جانتے ہو یہ کیا چیز ہے؟

فرمایا، ہاں میں جانتا ہوں، یہ ننگی تلوار ہے۔ لیکن اللہ کی قسم آج کی موت کل سے بہتر ہے۔

(تذکرہ محدثین جلد اول، تبع تابعین جلد دوم بحوالہ مردان حق ۱۷۲)

انہیں مت چھیڑو

ایک مرتبہ خلیفہ مہدی بن منصور عباسی حج کرنے گیا۔ اسی دوران جب وہ روضہ رسول اکرم ﷺ کی زیارت کو گیا تو مسجد نبوی میں حضرت ابن ابی ذئبؒ بھی تشریف رکھتے تھے۔ خلیفہ مہدی کی آمد کا بڑا اہتمام تھا۔ جب خلیفہ مہدی مسجد نبوی میں داخل ہوا تو تمام حاضرین اس کے احترام میں کھڑے ہو گئے مگر ابن ابی ذئب بدستور اپنے خالق کی عبادت میں مصروف رہے۔ نہ وہ کھڑے ہوئے اور نہ انہوں نے پرواہ کی کہ مسجد میں کیا ہو رہا ہے۔ مسیّب بن زبیر نے انہیں بیٹھے دیکھا تو کہا، ابوحارث! آپ بھی کھڑے ہو جائیں، دیکھتے نہیں امیر المومنین ہیں۔

ابن ابی ذئب نے فرمایا، **انما یقوم الناس لرب العالمین۔** یعنی مومن لوگ صرف اپنے پروردگار کے لئے کھڑے ہوتے ہیں (مراد نماز میں قیام کرتے ہیں)۔

Marfat.com

اس پرجلال جواب سے خلیفہ مہدی کانپ اٹھا۔اس نے چوبدار سے کہا، انہیں مت چھیڑو، ان کے اس جملے نے میرے رونگٹے کھڑے کر دیئے۔

(تاریخ بغداد جلد دوم، تہذیب التہذیب جلد ۹ بحوالہ مردان حق ۱۷۳)

خلیفہ منصور اور حضرت سفیان ثوریؒ

خلیفہ منصور جب حج کو گیا اور منیٰ کے مقام پر پہنچا تو حضرت سفیان ثوریؒ کی مرضی کے بغیر زبردستی ان کو بلوا بھیجا۔سفیان گئے اور فرمایا۔خدا سے ڈر، دنیا تیرے جور و ظلم سے لبریز ہو گئی ہے۔

منصور نے کہا،کوئی خواہش ہو تو بیان کیجئے۔سفیانؒ نے کہا،جن لوگوں کی تلوار کی بدولت تو آج اس رتبہ کو پہنچا ہے،انہی کی اولاد بھوکی مر رہی ہے۔

منصور نے کہا،کچھ اپنے لئے مانگئے۔

فرمایا، جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حج کیا تھا تو دس درہم سے کچھ زیادہ خرچ ہوئے تھے تو اس قدر روپیہ ساتھ لیے پھرتا ہے کہ باربرداری بھی اس کی متحمل نہیں ہو سکتی۔

(تاریخ اسلام کے ناقابل فراموش واقعات:۱۴۶)

رعایا کی جرأت خلیفہ کے سامنے

تاریخ الخلفاء میں علامہ جلال الدین السیوطیؒ لکھتے ہیں کہ خلیفہ منصور کو شام میں کوئی بدوی ملا، کہا شکر کرو خدا نے طاعون کو تم پر سے محض اس وجہ سے رفع کیا ہے کہ تم ہمارے زیر حکومت ہو۔

بدوی نے کہا،ایمان کی پوچھتے ہو تو تمہاری حکومت اور طاعون دونوں ہمارے لئے یکساں ہیں۔(تاریخ اسلام کے ناقابل فراموش واقعات:۱۴۴)

خلیفہ مہدی کے سامنے ایک شخص کی حق گوئی

خلیفہ مہدی بن منصور دربار میں احکام جاری کر رہا تھا،اچانک ایک شخص آیا اور کہنے لگا کہ اگر کسی کو کسی کے خلاف شکایت ہو تو وہ آپ کی خدمت میں فریاد لا سکتا ہے اور اپنے درد کی دوا پا سکتا

Marfat.com

ہے لیکن جسے آپ کے خلاف شکایت ہو تو وہ کہاں جائے؟ میں اپنا مقدمہ آج پیش کروں یا قیامت کے دن احکم الحاکمین کی عدالت میں جہاں کسی قسم کی طرف داری نہیں چلے گی۔

مہدی نے جواب دیا، دنیا کے حاکموں کا سر ہمارے حکم کے سامنے سرنگوں ہوتا ہے مگر شریعت کے سامنے ہم سر جھکاتے ہیں۔ لہٰذا شریعت کے مطابق فیصلہ ہوگا اور تم انصاف پا سکو گے۔

یہ کہا اور اس شخص کے ہمراہ عدالت میں پہنچا اور اس سے کہا کہ اپنا دعویٰ پیش کرو۔ مہدی نے جواب دیا۔ قاضی نے مدعی سے قانونی دستاویز طلب کی۔ مدعی نے پیش کی۔ قاضی نے دونوں فریقوں کے دلائل سن کر خلیفہ کے خلاف فیصلہ صادر کر دیا۔ مہدی نے قاضی کے فیصلے کے سامنے سر جھکا کر مدعی کا مطالبہ پورا کر دیا۔

قاضی شریک کی خلیفہ منصور کے سامنے حق گوئی

قاضی شریک بن عبداللہ نخعی کو ۱۵۳ھ ۷۶۹ء میں عباسی خلیفہ منصور نے کوفہ کا قاضی مقرر کیا تھا۔ یہ مختلف خلفاء کے زمانے میں اس عہدے پر فائز رہے۔ ایک عادم حاکم کے مزاج مین حق بات سمجھنے اور کہنے کی صلاحیت ہونی لازمی ہے۔ ان کے اندر بھی یہ جوہر موجود تھا۔ بڑے ذہین اور عقلمند تھے۔ حاضر جوابی اور حق گوئی میں بے مثال تھے۔ وہ خود کہا کرتے تھے ترك الجواب فی موضعه اذابة القلب۔ ''یعنی وقت پر جواب سے چوک جانا دل کے مردہ ہونے کی دلیل ہے۔''

قاضی شریک کو اہل بیت سے بہت زیادہ پیار تھا اس لئے ان کے مخالف ان پر شیعہ ہونے کا الزام لگاتے تھے۔ ایک دن کچھ لوگوں نے خلیفہ وقت مہدی بن منصور کو ان کے خلاف بھڑکایا اور اس کو یقین دلا دیا کہ قاضی شریک رافضی ہیں۔ چنانچہ مہدی نے ان کو فوراً دربار خلافت میں طلب کیا۔ جب قاضی شریک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ خلیفہ کے دربار میں تشریف لائے اور اس کو سلام کیا تو اس نے ناراضگی کی وجہ سے جواب نہیں دیا اور منہ پھیر لیا۔ قاضی شریک نے پوچھا، امیر المومنین آپ کس بات پر ناراض ہیں؟ خلیفہ مہدی نے انتہائی غصہ کے ساتھ کہا، تم ملعون رافضی ہو۔

قاضی شریکؒ نے انتہائی سکون اور متانت سے جواب دیا:

Marfat.com

امیر المومنین! کیا رسول اللہ ﷺ، فاطمہ، علی اور حسنین رضی اللہ عنہم سے محبت کرنے کا نام رفض ہے؟ اگر واقعی یہ رفض ہے تو میں اللہ رب العزت کو اور تم کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ بے شک میں رافضی ہوں۔ (تبع تابعین جلد دوم صفحہ ۲۲۱)

قاضی شریک کی حق گوئی گورنر کے سامنے

عباسی خلیفہ مہدی نے قاضی شریک بن عبداللہ کو کوفہ کے چیف جسٹس کا عہدہ پیش کیا، انہوں نے انکار کیا۔ خلیفہ نے اصرار کیا تو قاضی شریک نے اس شرط پر قبول کیا کہ ان کا احترام کیا جائے گا، صحیح فیصلے پر تاکید کی جائے گی اور عدلیہ کو مکمل آزادی ہوگی۔

وہ قاضی بن کر کوفہ آئے، اپنا کام شروع کیا۔ ایک دن قاضی شریک عدالت لگائے بیٹھے تھے کہ ایک عورت آئی اور دہائی دیتے ہوئے عرض کیا کہ قاضی صاحب اللہ کے لئے آپ میرا سہارا ہیں۔

قاضی شریک: تم پر کس نے ظلم کیا ہے؟

عورت: گورنر موسیٰ بن عیسیٰ نے۔

قاضی شریک: کیا امیر المومنین کے چچا نے تم پر ظلم کیا ہے؟

عورت: جی ہاں۔

قاضی شریک: تفصیل سے بتاؤ کیا معاملہ ہے؟

عورت: دریائے فرات کے کنارے کھجور کا ایک باغ تھا جو مجھے ورثہ میں ملا تھا، میرے باپ کے انتقال کے بعد جب میرے بھائیوں نے اسے تقسیم کیا تو میں نے اپنے حصے کو دیوار بنا کر علیحدہ کر لیا اور باغ کی حفاظت اور نگرانی کے لئے ایک ملازم رکھا۔ کچھ عرصہ کے بعد گورنر موسیٰ نے میرے بھائیوں کے حصہ کا باغ خرید لیا اور میرے باغ کو بھی خریدنا چاہا لیکن میں نے فروخت کرنے سے انکار کیا جو اسے اچھا نہ لگا۔ ایک دن گورنر چند جوانوں کو ساتھ لے کر باغ میں آیا اور اس دیوار کو گرانے کا حکم دیا جو میں نے تعمیر کی تھی تا کہ میں باغ فروخت کرنے پر مجبور ہو جاؤں۔

Marfat.com

یہ واقعہ بیان کرنے کے بعد اس عورت نے کہا، اے قاضی! میں اب آپ کے پاس اپنا حق لینے کے لئے آئی ہوں اور میں آپ کے سامنے اعلان کرتی ہوں کہ میں اپنا باغ گورنر کے ہاتھ ہر گز فروخت نہیں کروں گی۔

قاضی شریک نے سارا قصہ سننے کے بعد اپنا غلام طلب کیا اور اسے مٹی کا ڈھیلا لانے کا حکم دیا۔ غلام نے ڈھیلا پیش کیا تو قاضی شریک نے اس پر اپنی مہر لگائی اور غلام کو دیکر کہا کہ جاؤ گورنر موسیٰ بن عیسیٰ کو یہ ڈھیلا دو اور اسے اپنے ساتھ لے کر آؤ۔

غلام وہ ڈھیلا لے کر موسیٰ کے مکان پر پہنچا، قاضی شریک کا جاری کردہ سمن اس کے حوالے کر کے اپنے ساتھ چلنے کو کہا۔ یہ سن کر گورنر غصہ سے لال پیلا ہو گیا۔ تھوڑی دیر بعد اپنے پولیس افسر کو بلا کر حکم دیا کہ فوراً قاضی شریک کے پاس جاؤ اور انہیں میری طرف سے کہو کہ تم عجیب آدمی ہو، ایک عورت کا جھوٹا دعویٰ تم نے تسلیم کر لیا اور مجھے اس کے ساتھ عدالت میں طلب کر رہے ہو؟ تمہیں میرے منصب کا کچھ لحاظ کرنا چاہئے تھا۔ پولیس افسر نے گورنر سے عرض کیا کہ مجھے اس کام سے معاف رکھئے اور کسی دوسرے کو بھیج دیجئے۔ اس پر گورنر نے ڈانٹ کر حکم دیا کہ جاؤ میرے حکم کی تعمیل کرو۔ پولیس افسر کو مجبوراً قاضی شریک کے پاس جانا پڑا۔ جاتے ہوئے ہوئے پولیس افسر نے اپنے خادم سے کہا کہ میرا بستر فرش اور دوسری اشیاء ضرورت قاضی کی جیل میں رکھ آؤ۔

Marfat.com

عدالت میں حاضر ہو گورنر کا پیغام پہنچایا۔ قاضی صاحب نے غلام کو بلا کر کہا کہ اس شخص کو پکڑ کر قید خانہ میں ڈال دو۔ پولیس افسر نے پوچھا کہ کیا آپ مجھے قید کرنے لگے ہیں؟ قاضی شریک نے کہا کہاں، میں نے تمہیں قید کرنے کا حکم دیا ہے کیونکہ تم ایک ناجائز کام کروانے کے لئے میرے پاس آئے ہو، تم شریعت کا حکم معطل کروانا چاہتے ہو۔

گورنر کو جب پتہ چلا کہ قاضی شریک نے پولیس افسر کو جیل بھیج دیا ہے تو وہ اور زیادہ لال پیلا ہو گیا۔ اب اس نے اپنا حاجب قاضی شریک کے پاس بھیجا۔ اس نے قاضی شریک کے پاس حاضر ہو عرض کیا کہ وہ پولیس افسر صرف پیغام لے کر آیا تھا لیکن آپ نے اسے جیل بھیج دیا، اس کا کیا قصور تھا؟ قاضی صاحب نے جب یہ سنا تو فوراً اپنے غلام کو بلایا اور اسے حکم دیا کہ اس کو بھی اپنے دوست کے ساتھ قید کر دو۔

گورنر موسیٰ انتہائی بے صبری کے ساتھ حاجب کا انتظار کررہا تھا۔ جب اسے پتہ چلا کہ قاضی صاحب نے حاجب کو بھی جیل بھیج دیا ہے تو اس کے غصے کی انتہا نہ رہی۔ آخراس نے معززین کوفہ جن میں قاضی شریک کے دوست احباب بھی تھے، طلب کیے اور انہیں صورت حال سے آگاہ کیا اور انہیں کہا کہ آپ قاضی صاحب کے پاس جائیں، انہیں میرا اسلام کہیں اور انہیں بتائیں کہ آپ نے میری توہین کی ہے، میرے عہدے اور منصب کا کوئی لحاظ نہیں رکھا، میں کوئی عام شہری تو نہیں ہوں کہ عدالتوں میں حاضری دیتا پھروں۔ میرے نمائندہ افسروں کو بھی آپ نے جیل میں ڈال دیا ہے۔

یہ حضرات قاضی شریک کے پاس آئے۔ قاضی صاحب عصر کی نماز پڑھ کر مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے۔ ان حضرات نے گورنر کا پیغام پہنچایا۔ جب یہ اپنی بات پوری کر چکے تو قاضی صاحب نے اپنے خدام کو آواز دی۔ چند نوجوان دوڑتے ہوئے حاضر ہوئے۔ قاضی صاحب نے حکم دیا کہ ان سب کو پکڑ کر جیل میں بند کر دو۔ وہ بولے، کیا واقعی آپ ہمیں جیل بھیج رہے ہیں؟ قاضی صاحب نے ان حضرات کو مخاطب کر کے فرمایا:

> تم لوگ فتنہ باز ہو، حق کی راہ میں مزاحم اور قوانین شریعت کے نفاذ میں رکاوٹ بن رہے ہو، تمہاری سزا قید ہی ہو سکتی ہے تاکہ آئندہ تم کسی ظالم کا پیغام نہ لاؤ۔

گورنر موسیٰ کو جب قاضی صاحب کی اس بات کا پتہ چلا تو غصہ سے سرخ ہو گیا۔ فوراً گھوڑے پر سوار ہو کر جیل خانہ پہنچا، داروغہ جیل سے دروازہ کھلوایا اور ان سب قیدیوں کو رہا کر دیا جن کو قاضی صاحب نے قید کر دیا تھا۔

دوسرے دن جب قاضی صاحب عدالت میں آئے تو جیل کے داروغہ نے آکر رات کی سرگزشت سنائی۔ چنانچہ قاضی شریک نے اسی وقت خلیفہ مہدی کو خط لکھا اور اپنے خادم سے کہا کہ فوراً میرا سامان باندھو اور بغداد پہنچا دو۔ پھر کہا:

> خدا کی قسم! ہم نے یہ منصب امیر المومنین سے مانگا نہیں تھا بلکہ خود زبردستی یہ کام ہمارے سپرد اس شرط پر کیا تھا کہ وہ یا ان کا کوئی اہلکار عدالت کے کام میں مداخلت نہیں کرے گا۔ آج یہ مداخلت ہوئی ہے، لہذا ہم یہ منصب انہیں

Marfat.com

واپس لوٹاتے ہیں۔

اس کے بعد وہ کوفہ سے بغداد جانے والے راستے پر روانہ ہو گئے۔

گورنر موسیٰ کو جب یہ خبر ملی کہ قاضی صاحب نے استعفیٰ دے دیا ہے اور بغداد امیر المومنین کے پاس جا رہے ہیں تو وہ سواری لے کر قاضی شریک کے پاس پہنچے اور انہیں اللہ کا واسطے دے کر منت سماجت کرتے ہوئے کہا، اے ابوعبداللہ! ذرا تحمل سے کام لیں، یہ لوگ آپ کے بھائی اور میرے ساتھی ہیں جنہیں آپ نے جیل میں ڈالا ہے، انہیں چھوڑ دیں۔ قاضی شریک نے کہا، یہ ناجائز سفارش ہے اس لئے میں یہاں نہیں رہوں گا، ان لوگوں کو دوبارہ جیل میں ڈالا جائے ورنہ میں خلیفہ کے پاس جا کر اپنی ذمہ داری سے استعفیٰ دوں گا۔

اب گورنر موسیٰ نے مجبوراً ان سب کو جیل میں ڈالنے کا حکم دیا۔ پھر قاضی شریک نے اپنے کارندوں کو حکم دیا کہ گورنر کے گھوڑے کی باگ پکڑ کر میرے سامنے عدالت چلیں۔ گورنر قاضی کے سامنے عدالت میں داخل ہوا۔ قاضی صاحب اپنی مسند پر بیٹھے، اس مظلوم عورت کو بلایا، اپنے سامنے گورنر کے برابر بٹھایا۔ گورنر نے کہا کہ میں حاضر ہو گیا ہوں، اس لے قیدی آزاد کئے جائیں۔ قاضی صاحب نے ان کی رہائی کا اعلان کیا۔ اب انہوں نے گورنر سے شکایت کے بارے میں پوچھا تو گورنر نے شکایت کے صحیح ہونے کا اقرار کیا اور وہ باغ اس عورت کو لوٹا دیا۔ عورت نے قاضی صاحب کو خیر و برکت کی دعا دی اور روانہ ہو گئی۔

فیصلہ سے فارغ ہونے کے بعد قاضی شریک نے گورنر کا ہاتھ پکڑا اور اپنی جگہ بٹھایا اور السلام علیک یا امیر کہہ کر کہا، آپ مجھے کس بات کا حکم دیتے ہیں؟ اس پر گورنر نے کہا، اور کون سی بات رہ گئی ہے؟ قاضی شریک نے کہا:

یہ فیصلہ شریعت کا حق تھا جو ادا کیا، ادب واحترام آپ کا ہے جو ادا کر رہا ہوں۔

گورنر موسیٰ عدالت سے یہ کہتے ہوئے روانہ ہوئے کہ جو شخص اللہ کے حکم کی تعظیم کرتا ہے تو اللہ اپنی مخلوق کے بڑے سے بڑے لوگوں کو اس کے سامنے جھکا دیتا ہے۔

Marfat.com

اپنی موت قبول کی مگر ایک بے گناہ کو بچالیا

ابوالعتاہیہ خلیفہ مہدی کے دربار کا ایک نامور شاعر تھا۔ خلیفہ نے ایک مرتبہ ایک قصیدہ کی فرمائش کی۔ ابوالعاہیہ نے صاف انکار کر دیا۔ اس پر خلیفہ نے ناراض ہو کر قید خانہ میں ڈال دیا۔ وہاں ایک اور قیدی اس جرم میں تھا کہ وہ خلیفہ کو عیسیٰ ابن زید بن حارثہ کا پتہ نہیں بتاتا تھا۔ ابو العتاہیہ نے جواب دیا۔ میں قید خانہ میں ہوں، مجھے کیا معلوم کہ اب وہ کہاں ہیں اور وہ اگر میرے کپڑوں اور میری کھال کے اندر بھی چھپے ہوتے تو بھی میں اس بے گناہ کا خون اپنی گردن پر نہ لیتا۔

چنانچہ خلیفہ کے حکم سے اس کی گردن اڑادی گئی لیکن اس نے پتہ نہ بتایا۔ (تاریخ اسلام کے ناقابل فراموش واقعات:۱۵۳)

حضرت فضیل بن عیاضؒ اور ہارون رشید کی گفتگو

ہارون رشید نے ایک مرتبہ اپنے وزیر فضل برمکی سے کہا، کوئی کامل مرد ہو تو اس کا خیال رکھو۔ وزیر خلیفہ کو پہلے حضرت عبدالرزاق اصفہانی پھر سفیان بن عیینہ کے پاس لے گیا۔ لیکن خلیفہ کو دونوں سے تسلی خاطر نہ ہوئی۔ کیونکہ دونوں صاحبان سے رخصت ہوتے وقت جب دریافت کیا گیا کہ کسی چیز کی ضرورت ہو تو بتاؤ۔ دونوں نے اپنے لئے قرضہ کا اظہار کیا۔ امیر المومنین کے حکم سے قرضہ تو ادا کر دیا گیا مگر ان کے تقدس کا امیر المومنین پر اثر نہ ہو سکا۔

آخر حضرت فضیل کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ فرمایا، کون ہے؟ وزیر نے کہا، امیر المومنین آئے ہیں۔ کہا، یہاں امیر کا کیا کام؟ ان سے کہئے تشریف لے جائیں اور میرے مشاغل میں مخل نہ ہوں۔

غرض وہ زبردستی گھس آئے۔ خلیفہ نے کہا، کوئی نصیحت فرمائیے۔

فرمایا، جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ تخت خلافت پر بیٹھے تو انہوں نے اپنے آپ کو بہت سی بلاؤں (ذمہ داریوں) سے گھرا ہوا پایا۔

خلیفہ متاثر ہوا اور کہا، کچھ اور ارشاد فرمائیے۔

فرمایا، اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو۔اس کے حضور میں جواب دہی کے لئے تیار رہو(جس طرح اوروں کو اپنی جوابدہی کے لئے تیار رکھتے ہو) قیامت کے دن تجھ سے ایک ایک آدمی کا حساب لیا جائے گا۔ یہاں تک کہ اگر کوئی بڑھیا کسی رات بھوکی سوئی ہوگی تو قیامت کے روز وہ بھی تیری دامن گیر ہوگی۔

خلیفہ یہ سن کر کانپ اٹھا اور اس کے آنسو نکل آئے۔فضل برمکی نے کہا، فضیل بن عیاضؒ اب سلسلۂ گفتگو ختم کیجئے، آپ نے تو امیر المومنین کو مار ڈالا ہے۔

فرمایا، میں نے نہیں بلکہ تم نے اور تم جیسے دوسرے لوگوں نے اس کو ہلاکت کے قریب پہنچادیا ہے۔

خلیفہ نے کہا، آپ کے سر پر قرضہ ہو تو فرمایئے، ادا کردوں۔

فرمایا، خداوند کریم کا قرض ہے یعنی مجھ سے صحیح طور سے اطاعت نہ ہوسکی۔

خلیفہ نے کہا، کسی بندہ کا قرض پوچھتا ہوں۔

فرمایا، الحمد للہ اس طرف سے خدا کا شکر ہے۔

خلیفہ نے کہا، یہ ایک ہزار کی تھیلی ہے۔میری والدہ کی میراث ہے اور خالص طیب ہے، اس کو قبول کیجئے۔

آپ نے فرمایا، افسوس میری تمام نصیحتوں نے تم کو کوئی فائدہ نہ پہنچایا اور میرے ہی ساتھ یہ ظلم روا رکھا۔اس کو دو جس کو ضرورت ہے اور دینا چاہتے ہو اس کو جس کو ضرورت نہیں۔

یہ کہہ کر آپ نے دروازہ بند کرلیا اور ہارون رشید اور اس کا وزیر واپس چلے گئے۔

حضرت فضیل بن عیاض ابتداء میں ڈاکوؤں اور رہزنوں کے سردار تھے۔ان کے تائب ہونے کا واقعہ بھی بڑا حیرت انگیز و عبرت خیز ہے۔ایک قافلہ کے ساتھ ایک قاری بھی تھا۔جب قافلہ دن کو روانہ ہوتا تھا تو قاری بدرقہ کے اونٹ پر بیٹھ کر نہایت خوش الحانی سے قرآن کریم پڑھا کرتا تھا۔جب قافلہ فضیل کے پاس سے گزرا، اس وقت قاری صاحب یہ آیت کریمہ پڑھ رہے تھے:

الم یأن للذین آمنوا ان تخشع قلوبھم لذکر اللہ

Marfat.com

کیا ایمان والوں کے لئے ابھی وقت نہیں آیا کہ ان کے دل ذکر الٰہی کے لئے گڑگڑائیں عاجزی کریں۔

آپ کے دل پر ایک چوٹ لگی اور بے قراری کے عالم میں اپنے خیمہ سے باہر نکل آئے اور ایک ایک کا حساب چکا دیا۔ تاریخ الخلفاء میں لکھا ہے کہ ہارون رشید بہ نفس نفیس آپ کے مکان پر جایا کرتا تھا۔ (تاریخ اسلام کے ناقابل فراموش واقعات: ۱۵۶)

فاطمہ ام جعفر کی حق گوئی ہارون رشید کے دربار میں

ہارون نے فاطمہ (جعفر کی ماں اور یحیٰ کی بیوی) کا دودھ پیا تھا۔ ہر چند کہ خداندان برامکہ ہارون کے زیر عتاب تھا لیکن فاطمہ کا ادب اب تک ملحوظ خاطر تھا۔ چنانچہ اس نے حکم دیا تھا کہ فاطمہ جب چاہیں میرے پاس آسکتی ہیں اور جو سفارش کریں وہ منظور ہوسکتی ہے۔ اس حکم کے بھروسہ پر فاطمہ رقہ سے بغداد آئی اور سیدھی محل شاہی کو روانہ ہوگئی۔ لیکن جب آگے رکاوٹ نظر آئی اور اجازت ملنے میں دیر ہوئی تو ننگے پاؤں بلا نقاب اندر داخل ہوئی۔ حاجب نے امیر المومنین کو خبر دی۔ وہ برہنہ پا چند قدم تک خود استقبال کو آیا اور اس کی پیشانی کا بوسہ لے کر اپنے قریب بٹھالیا۔

فاطمہ: امیر المومنین! کیا زمانہ ہم پر اسی طرح سختی کئے جائے گا اور آپ کو اشتعال دلانے اور آپ کو خوش کرنے کیلئے لوگ ہم پر یونہی جھوٹی تہمتیں تراشتے رہیں گے؟ میں نے آپ کو دودھ پلایا، آپ کی خدمت کی، کیا اس کا یہی صلہ ملنا چاہئے جو نظر آرہا ہے؟ یحیٰ جس کو آپ نے قید میں ڈال رکھا ہے، وہ بجائے آپ کے والد کے ہے اور جس رتبہ کا وہ شخص ہے اس سے آپ خوب واقف ہیں۔ اس نے ہادی کے مقابلہ میں جو آپ کی خدمتیں کی ہیں وہ بھی آپ سے پوشیدہ نہیں۔

ہارون: یہ سب صحیح۔ لیکن جو حکم الٰہی تھا وہ جاری ہو چکا ہے اور یہ بھی خداوند کریم کا ایک غضب تھا۔

فاطمہ: خداوند کریم کو بڑی قدرت ہے۔ **یمحو اللہ ما یشآء و یثبت و عندہٗ ام الکتاب۔**

Marfat.com

ہارون: بے شک یہ سچ ہے خدا جس کا قصور چاہتا ہے معاف کر دیتا ہے لیکن یہ قصور ایسا نہیں کہ وہ معاف کر دے۔

فاطمہ: غیب کا علم تو انبیاء مرسلین کو بھی نہ تھا، امیر المومنین کو کیسے ہو گیا کہ خدا معاف نہیں کرے گا۔

ہارون اس جواب سے خاموش ہو گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد اس نے کسی شاعر کا یہ شعر پڑھا:
(یعنی جب موت اپنے ناخن چبھاتی ہے تو کوئی تعویذ فائدہ نہیں دیتا)

فاطمہ نے فی البدیہہ جواب دیا۔ امیر المومنین! میں تو یحیٰی کے حق میں تعویذ نہیں ہوں اور نہ میرا یہ دعویٰ ہے لیکن آپ اسی شاعر کا دوسرا شعر کیوں نہیں پڑھتے کہ جب تم کو سرمایہ کی ضرورت پیش آئے تو کوئی سرمایہ اچھے اعمال سے بڑھ کر نہیں ملے گا۔

فاطمہ کے برجستہ جوابات پر ہارون رشید کے پاس سوائے خاموشی کے اور کوئی جواب نہ تھا۔ آخر وہ بے چار نامراد و ناکام واپس آ گئی۔ (تاریخ اسلام کے ناقابل فراموش واقعات: ۱۶۷)

Marfat.com

ایک بیوہ عورت کی آزادانہ فریاد

دولت عباسیہ کا وہ تاجدار مامون الرشید جس نے شیرواں کے عدل اور حاتم کی سخاوت کو دنیا کے دل سے فراموش کر دیا۔ سلطنت بغداد پر جلوہ افروز لئے شہزادہ عباس مامون الرشید کا بڑا لڑکا طائفۃ النمل کے قریب شکار میں مصروف ہے۔ غروب ہونے والے آفتاب کی شعاعیں آب دجلہ کے قدموں میں لوٹ رہی ہیں۔ طائران خوش الحان کے نغمہ میں منہمک جو کنار دریا پر وداع روز روشن کا مرثیہ پڑھ رہے تھے، ایک حسین عورت پانی کا گھڑا بھر رہی تھی۔ عباس اس کو دیکھ کر آگے بڑھا اور پوچھا:

تو کون ہے اور کس خاندان سے تعلق رکھتی ہے؟ کیا ایسے غیر آباد مقامات پر بھی جہاں پہاڑ اور جنگلوں کے سوا کچھ نہیں ہے، حسن جنم لے سکتا ہے؟

شہزادہ اپنا فقرہ ختم کر کے دیکھتا ہے تو غیور حسینہ کے چہرہ پر بل آ چکا تھا۔ اس کا چہرہ غصہ سے تمتما اٹھا۔ اس نے شہزادے کا سوال حقارت سے ٹھکرا دیا اور آگے بڑھ گئی۔

باپ کی عظیم الشان حکومت کا جن عباس کے سر پر سوار تھا، حکم دیا کہ اس مغرور عورت کا حسب ونسب معلوم کرو اور میری طرف سے نکاح کا پیغام دے دو۔

نوکر چاکر اس عورت کے پیچھے روانہ ہوئے۔ شہزادہ نے اپنا شکار ملتوی کیا اور خیمہ میں آ کر خاموش بیٹھ گیا۔ آدھی رات تک اسی الجھن میں گرفتار رہا۔ کبھی خیمہ سے باہر آتا تھا اور کبھی اندر۔ اتنے میں ایک خادم نے آ کر عرض کیا:

عورت خاندان برامکہ کی لڑکی مغیرہ بنت ازدار ہے۔ وہ دو بچوں کی ماں اور حسین ابن موسیٰ کی بیوہ ہے۔ اس کے ورثاء میں سے اب کوئی زندہ نہیں، صرف دو معصوم بچے ہیں۔ نکاح کا پیغام اس کے واسطے قیامت سے کم نہ تھا، آپے سے باہر ہو گئی اور یہ الفاظ کہے، ہارون ہماری جانیں تباہ کر چکا، اب مامون ہماری عزت کے درپے ہے۔ لیکن عباس یاد رکھے کہ اس کی شہزادگی کو اس ٹوٹی پھوٹی جھونپڑی کی دہلیز پر دونوں ہاتھوں سے مسل دوں گی۔

رات کا پردہ دنیا کے چہرے سے اٹھا۔ ادھر صبح صادق آل برآمکہ کی بربادی کا نوحہ کرتی ہوئی نمودار ہوئی۔ ادھر طائفۃ النمل کے مختصر سے مکان میں مغیرہ نے نماز فجر سے فراغت پا کر چھوٹے بچے کو کلیجہ سے لگا کر پیار کیا اور کچھ کہنا چاہتی تھی کہ شہزادہ عباس کا پیغام ایک قاصد کے ذریعہ سے اس کے کان میں پہنچا:

شہزادہ عباس کا غصہ تیری جان اور مال خاک میں ملا دے گا۔ یہ مکان ضبط کیا جاتا ہے اور تجھ کو دو گھنٹے کی اجازت ہے۔ یہ مکان خالی کر دے۔

مغیرہ یہ پیغام سن کر دروازے پر آئی اور قاصد سے کہا:

عباس اس وقت کو بھول جائے جب میرے دادا جعفر کا سر اس کے دادا ہارون کے سامنے رکھا گیا اور اس بے گناہ قتل نے آل برآمکہ کو دو دو دانوں کا محتاج کر دیا لیکن برآمکی بیبیاں مظالم عباسیہ کو جس تحمل سے برداشت کرتی آئی ہیں تاریخ اس کو فراموش نہیں کر سکتی۔

اتنا کہہ کر مغیرہ ایک سفید رداء سر پر ڈال کر دونوں بچوں کو ساتھ لے کر باہر نکل گئی۔

Marfat.com

دوسری صدی ہجری ختم کے قریب ہے۔ مامون الرشید کا دربار گرم ہے۔ مامون کے پہلو میں عباس تخت نشین ہے۔ امراء وزراء خاموش بیٹھے ہیں کہ مظلوم مغیرہ جس کا چہرہ چودھویں رات کو شرماتا تھا، لیکن اب ضعیفی کے آثار نمودار ہو رہے تھے، دربار شاہی میں حاضر ہوئی اور کہا:

ایک بیوہ کا مکان صرف اس لئے کہ وہ اپنی عصمت کی محافظ تھی، سلطنت عباسیہ کو مبارک ہو۔ لیکن مامون الرشید! ایک دن اس بادشاہ کو بھی منہ دکھانا ہے جس کی سلطنت کبھی فنا نہ ہوگی۔ ایک ظالم کی تیرے پاس فریاد لائیں، انصاف کرا دے اور داد دے۔

تمام درباری اس عورت کا منہ تکنے لگے مگر کسی کو اتنی ہمت نہ تھی کہ بادشاہ کی موجودگی میں اس سے بات کر سکتا۔

مامون الرشید نے عورت سے کہا، اس ظالم کا نام بتا کہ وہ کون ہے؟

عورت ہنسی اور ہنس کر کہا، شہزادہ عباس جو تخت شاہی پر آپ کے برابر بیٹھا ہے۔

آج مسلمان دنیا بھر کے عیوب کا مخزن ہو جائیں مگر یہ مردہ قوم کبھی زندہ بھی تھی۔ مامون کا چہرہ اتنا سنتے ہی غصہ سے سرخ ہو گیا اور اس نے چوبدار کو حکم دیا کہ عباس کو اس عورت کے برابر کھڑا کر دے تاکہ مدعی اور مدعا علیہ میں کوئی امتیاز نہ رہے۔

شہزادہ عباس خاموش تھا اور ہر سوال کے جواب میں رک رک کر ایک آدھ بات کہہ دیتا تھا۔ مغیرہ دھڑلے سے اپنی داستان مصیبت بیان کر رہی تھی۔ اس کے چہرے سے عصمت کا خون ٹپک رہا تھا۔ یہاں تک کہ اس کی زبان سے یہ الفاظ نکلے:

عباس! یہ صحیح ہے کہ تو مامون الرشید کا لڑکا اور سلطنت کا مالک ہے لیکن یہ ہاتھ منتظر تھے اس وقت کے کہ اگر تو اپنی دھن میں آگے بڑھ کر قریب پہنچتا تو تیری گردن خاک میں ملا دیتے۔ آل برامکہ کی دولت عباسیوں نے پامال کر دی مگر ہماری عصمت وہ دولت ہے کہ ہم عباسی سلطنت کو اس پر سے قربان کر دیں۔

وزرائے سلطنت مغیرہ کی جرأت پر متعجب ہوئے اور کہا، یہ بے باکی آداب شاہی کے خلاف ہے، ادب سے گفتگو کرو۔

Marfat.com

مامون نے کہا، اس کو مت روکو، یہ حق رکھتی ہے کہ جو کچھ اس کے منہ میں آئے کہے۔ یہ صرف اس کی صداقت ہے جس نے اس کی زبان کو تیز اور اس کے حوصلہ کو بلند کر دیا اور عباس کی کمزوری ہے جس نے اس کو گونگا بنا دیا۔

اسی وقت پانچ تھیلیاں اشرفیوں سے بھری ہوئی اپنے ہاتھ سے لے کر مامون الرشید نے مغیرہ کے قدموں میں ڈال دیں اور نہ صرف اس کا مکان واپس کیا بلکہ ایک جلیل الشان محل قصر عباس مغیرہ کو عطا فرما کر درخواست کی کہ وہ شہزادے کا قصور معاف کر دے۔ (تاریخ اسلام کے ناقابل فراموش واقعات: ۱۷۲)

چین کے بادشاہ کے سامنے اسلامی وفد کی حق گوئی

حضرت قتیبہؒ بن مسلم نے ہبیرہ بن مشرج کی قیادت میں سات تجربہ کار افسروں کا ایک وفد شاہ چین کے دربار میں بھیجا۔ اسلامی فوج کے یہ افسر عام لوگوں جیسا لباس پھٹے پرانے کپڑے پہنے ہیون سنگ شاہ چین کے دربار میں بے خوف جا پہنچے۔ روم اور چین میں بادشاہ کو خدا کا نمائندہ خیال کیا جاتا تھا۔ اس لئے ہر آنے والے پر لازم تھا کہ وہ بادشاہ کو سجدہ کرے۔ ایسا نہ کرنے والا خدا اور بادشاہ کی توہین کا مرتکب سمجھا جاتا اور قابل گردن زدنی ہوتا تھا۔ یہ بوسیدہ حال لوگ جب ہیون سنگ کے دربار میں پیش ہوئے تو ان سے کہا گیا کہ وہ جھک کر درباری سجدہ بجالائیں۔

ہبیرہؒ نے جواب دیا، ہم مسلمان ہیں، ہمارا ایمان ہے کہ اللہ کے سوا کوئی ذات ایسی نہیں ہے جس کے سامنے سر جھکایا جائے۔ ہم اپنے خلیفہ (بادشاہ) کے لئے سر جھکانا بھی کفر سمجھتے ہیں، ہم اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے۔

وہی سجدہ ہے لائق اہتمام
کہ ہو جس سے ہر سجدہ تجھ پر حرام

چوبدار نے ان سے کہا، یہ شہنشاہ کی توہین ہے۔ اگر تم نے بادشاہ کو سجدہ نہیں کیا تو ہم تم کو زندہ نہیں چھوڑیں گے، تمہاری عافیت اسی میں ہے کہ تم سر جھکا لو۔

ہبیرہ بن مشرج اور اس کے ساتھیوں نے اس بات کو کسی حال میں قبول نہیں کیا۔ جب

Marfat.com

ڈرانے دھمکانے اور جان سے مارڈالنے کی دھمکی کا بھی ان پر کوئی اثر نہ ہوا تو ان کو مہمان خانے بھیج دیا گیا۔ اگلے دن پھر شاہی دربار میں طلب کیا گیا۔ پھر وہی سب واقعہ پیش آیا۔ غرض تین دن تک ہیون سنگ ان سے نہ بولا اور ان کا وفد بغیر کوئی بات کئے واپس لوٹتا رہا۔ آخر چوتھے دن ہیون سنگ کی خاموشی ٹوٹی۔ اس نے کہا، تم لوگ ہمارے ملک میں آئے ہو، تم نے ہماری جنگی قوت کا اندازہ کرلیا ہوگا۔ جب تک تم ہمارے قبضہ میں ہو کوئی سلطنت بھی تم کو ہم سے نہیں بچا سکتی۔ اگر ہم کو سچ بات نہ بتاؤ گے تو قتل کر دیئے جاؤ گے۔

ہبیرہ بن مشرج نے کہا، آپ جو پوچھو گے، ہم سچ ہی بتائیں گے، اس لئے کہ مسلمان کبھی جھوٹ نہیں بولتا۔

بادشاہ نے کہا، میں نے مسلمانوں کی فوج کا اندازہ لگایا ہے۔ اپنے سردار سے کہو کہ واپس چلا جائے ورنہ میری فوج تم کو پیس کر رکھ دے گی۔ میرے برق رفتار گھوڑے تمہارے سروں کو کچل دیں گے۔ تم جتنا فتح کر چکے ہو، اسی پر قناعت کرو، ورنہ اس کو بھی کھو دو گے۔

ہبیرہ بن مشرج نے تلملا کر جواب دیا:

اے بادشاہ! بھلا تم اس فوج کا کیا اندازہ لگا سکتے ہو جس کا ایک سرا تمہارے ملک کے اندر ہو اور دوسرا ہزاروں میل دور شام میں۔ اے بادشاہ! یہ بات دماغ سے نکال دو کہ تم ہمیں مرعوب کر سکو گے۔ خدا کی قسم اگر میں مدد کے لئے پکاروں تو نیل سے لے کر کاشغر تک پھیلے ہوئے مجاہدین لبیک کہیں گے اور سر سے کفن باندھ کر اٹھ کھڑے ہوں گے۔

اے بادشاہ! یہ مجاہدین ایسے ہیں جن کے آگے زمین سمٹ جاتی ہے، وقت رک جاتا ہے اور آسمان کی بلندیاں انہیں جھک کر سلام کرتی ہیں۔ تم اگر کسی غلط فہمی میں مبتلا ہو تو اس کو نکال دو۔ ہم لوگ موت سے نہیں ڈرتے، قتل اور موت ہماری تلواروں اور نیزوں کا ایک کھیل ہے جسے ہم ہر روز کھیلتے ہیں۔ ہمارا یقین ہے کہ موت کا ایک دن معین ہے، اگر جہاد کے میدان میں موت آئے تو یہ ہماری خوش بختی ہوگی۔

Marfat.com

ہبیرہ بن مشرج کی اس بے باکی اور جرأت پر خاقان چین پر رعب چھا گیا۔ اس نے مدھم اور نرم آواز میں پوچھا، تمہارا سردار کن شرائط پر صلح کرلے گا؟

ہبیرہ نے کہا، اس نے قسم کھا رکھی ہے کہ اگر تم نے اسلام قبول نہ کیا تو جب تک تمہاری زمین کو روند نہ لے، ارکان شاہی کے مہریں نہ لگا دے اور تم سے جزیہ وصول نہ کرلے تب تک واپس نہیں جائے گا۔

بادشاہ نے کہا، تم کو اگر حکومت کا لالچ ہے تو تمہاری حکومت پہلے ہی بہت وسیع ہے، اگر دولت کی حرص ہے تو تم کو اپنی خوشی سے کچھ عطا کردیں گے، مانگو کیا مانگتے ہو؟

ہبیرہ نے جواب دیا:

> ہم اپنی شرائط پیش کر چکے ہیں۔ آپ نے ہمارے متعلق اندازہ کرلیا کہ ہم دولت کے حریص نہیں ہیں، ہم دنیا میں بدانتظامی پیدا کرنا نہیں چاہتے۔ ہم دنیا کو امن دینے آئے ہیں۔ ہمارا امن آپ کی طرح کا نہیں ہے جس میں ایک طاقتور کا ظلم ایک کمزور کو اپنی بے بسی پر قناعت کرنے کے لئے مجبور کرتا ہے۔ ہمارے پاس تمام دنیا کے امن کے لئے ایک عالمگیر قانون ہے جس میں طاقتور کا ہاتھ کمزور سے بلند نہ ہو، جس میں آقا و غلام کا فرق نہ ہو، جس میں بادشاہ اور رعایا میں کوئی امتیاز باقی نہ رہے۔ اور وہ قانون اسلام ہے۔ ہمیں دولت و حکومت کا لالچ یہاں نہیں لایا، ہم دنیا کی استبدادی طاقتوں سے مظلوموں کے کھوئے ہوئے حقوق واپس دلانے کے لئے آئے ہیں۔ آپ کو شاید معلوم نہیں کہ ہم دنیا کی وسیع ترین حکومت کے مالک ہونے کے باوجود بھی دنیوی جاہ و حشمت سے بے نیاز ہیں۔

ہبیرہ کی اس تقریر کا ہیون سنگ پر ایسا اثر ہوا کہ اس نے قتیبہ بن مسلم سے صلح کرنے میں ہی عافیت سمجھی۔ وہ کوئی بے وقوف انسان نہیں تھا۔ اچھی طرح سمجھتا تھا کہ اسلامی فتوحات کا جوسیلاب مشرق میں ہندوستان کی سرحدوں میں داخل ہو چکا ہے، مغرب میں بحر اٹلانٹک کی موجوں سے اسلام کے لشکر کی موجیں ٹکرا رہی ہیں، اب شمال کا رخ اسلامی سپہ سالار قتیبہ بن مسلم نے کیا تو

Marfat.com

۸۶ھ......۷۰۵ء سے ۹۶ھ......۱۴ء تک سارا ترکستان، قزاقستان، تاجکستان وغیرہ فتح کر ڈالا۔ اسلامی حکومت اپنے دور کی اتنی بڑی حکومت تھی کہ دنیا کی کئی مہذب اور طاقتور حکومتیں مل کر بھی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی تھیں۔ اس لئے اس کو اسی بات میں بہتری نظر آئی کہ مسلمانوں سے صلح کر لی جائے۔ خاقان چیزن نے ہبیرہ بن مشرج سے کہا، اگر تمہارے سپہ سالار کی یہ تینوں شرطیں ہم بغیر جنگ کے ہی پوری کر دیں تو کیا تم لوگ لوٹ جاؤ گے۔

لیکن اے بادشاہ یہ کیسے ممکن ہے؟ ہبیرہ نے پوچھا۔

یہ اس طرح ممکن ہو گا کہ ہم اپنی سرزمین کی کچھ مٹی قتیبہ کے پاس بھیج دیتے ہیں، وہ اس کو اپنے پیروں سے پامال کر دیں، شاہی خاندان کے دس لوگ آپ کے ساتھ روانہ کرتے ہیں جن کو وہ مہریں لگالیں اور جزیہ کی رقم دے دیتے ہیں۔ اس طرح ان کی قسم پوری ہو جائے گی۔

غرض خاقان چین نے بہت دب کر قتیبہ بن مسلم سے صلح کر لی۔

(ابن اثیر جلد ۵، تاریخ اسلام جلد دوم بحوالہ مردان حق ۸۲)

گورنر ابن ھبیرہ کے سامنے امام اعظم کی حق گوئی

عراق، ایران اور خراسان جیسے عظیم صوبوں کے مطلق العنان حاکم ابن ہبیرہ (گورنر) نے حضرت امام ابوحنیفہ کو گورنر کے بعد سب سے بااختیار وزیر بنائے جانے کی پیش کش کی اور پیغام بھیجا کہ گورنر کی مہر بھی آپ کے پاس ہو گی تاکہ جو کوئی حکم نافذ ہو اور کوئی کاغذ حکومت کی طرف سے صادر ہو، خزانہ سے کوئی مال برآمد ہو، وہ سب امام صاحب کے ہاتھ سے نکلے اور ان ہی کی نگرانی میں ہو۔

مگر امام ابوحنیفہ مال و جاہ کے لحاظ سے مستغنی تھے۔ اللہ نے ان کو حقائق شناس فطرت بخشی تھی۔ لہذا امام ابوحنیفہ کے استغنائی طرز عمل، عہدہ و منصب سے انکار اور بے باکانہ گفتگو سے ابن ہبیرہ مایوس ہو گیا تو نرمی کے بعد گرمی اور لالچ کے بعد دھونس و دھمکی کا طریقہ اختیار کیا۔ مشفقوں کے سمجھانے پر امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا کہ حکومت کی قضا کی ملازمت و وزارت تو خیر بڑی چیز ہے، اگر حکومت مجھ سے چاہے کہ وسط شہر کی مسجد کے صرف دروازے گنا کروں تو یہ بھی نہیں کروں گا۔

Marfat.com

ادھر ابن ھبیر ہ نے امام ابوحنیفہ کے انکار پر اصرار کی صورت میں تمام اختیارات استعمال کرنے کی قسم کھالی۔ امام ابوحنیفہؒ بھی عدم شرکت کی قسم کھا چکے تھے کہ خدا کی قسم میں اپنے آپ کو کبھی حکومت میں شریک نہیں کروں گا۔

حکومت وقت کو امام ابوحنیفہؒ کا یہ طرز عمل قطعاً پسند نہ تھا۔ گورنر ابن ھبیر ہ نے امام صاحب کو پندرہ دن کے لئے جیل بھیج دیا، وہاں بھی طمع ولالچ اور جاہ ومنصب کی مسلسل پیشکش ہوتی رہی۔ وزارت عدالت عالیہ کی صدارت غرض بہت کچھ پیش کیا گیا۔ مگر امام ابوحنیفہؒ نے صاف انکار کر دیا تو گورنر ابن ھبیر ہ نے غضبناک ہو کر قسم کھائی، اگر عہدہ قضا کو بھی امام ابوحنیفہ نے قبول نہ کیا تو میں اس کے سر پر ضرور کوڑے ماروں گا۔ حکومت کے نشے میں مست قسم کھانے والے گورنر کی دھمکی سن کر لوگ کانپ اٹھے مگر امام ابوحنیفہؒ کی نظر گورنر کے دربار سے بڑھ کر رب ذوالجلال پر تھی، اسی لب ولہجہ میں فرمایا، خدا کی قسم! میں ہرگز عہدہ قضا قبول نہیں کروں گا، مجھے ابن ھبیر ہ قتل ہی کیوں نہ کر دے۔

گورنر تلملا اٹھا اور امام صاحب کو جیل سے نکال کر اپنے سامنے پیش کیا، غصہ سے آگ بگولہ ہو رہا تھا۔ دنیوی اختیارات کی وسعتوں کے پیش نظر امام صاحب کو موت کی دھمکی دی۔ امام صاحبؒ نے استقامت اور بڑی بے نیازی سے فرمایا:

> صرف ایک موت تک ہی ابن ھبیر ہ کا اقتدار ہے۔ ابن ھبیر ہ کی دنیوی سزا مجھ پر آخرت کے گرزوں کی مار سے بہت آسان ہے۔ بخدا میں یہ عہدہ ہرگز قبول نہ کروں گا اگر چہ وہ مجھے قتل ہی کر ڈالے۔

ناصحین، مخلصین کی چشم پوشی اور معاملہ میں نرمی برتنے کی تلقین پر امام صاحب نے فرمایا:

> میں کیسے اس عہدے کو قبول کروں کہ جب وہ کسی کی گردن مارنے کا حکم دے گا اور میں اس پر مہر تصدیق ثبت کروں گا۔ بخدا میں ہرگز عہدے کو قبول نہ کروں گا۔

اس کے بعد اکابر علماء اور ائمہ عصر قاضی عبدالرحمن بن ابی لیلی ابن شبرمہ اور داؤد بن ابی ھند جیسے اکابر علماء کا ایک وفد امام اعظم کی خدمت میں حاضر ہوا اور حکومت کے قطعی عزائم سے امام

صاحب کو آگاہ کیا اور مفت میں جان خطرہ میں ڈالنے سے بچانے کی تلقین پر زور دیا مگر امام صاحب نے فرمایا:

اگر گورنر ابن ھبیرہ مجھے واسط کی مسجد کے دروازے گننے کا حکم دے تو میں اس کے لئے بھی تیار نہیں ہوں۔

حکم شاہی کو ٹھکرانے پر جو سزا تجویز ہوئی، حکمرانی کے نشے میں مست گورنر نے امام اعظمؒ کی گردن کو اپنے سامنے جھکانے کے لئے وحشتناک سزا دی۔ موفق نے لکھا ہے کہ ہر روز امام صاحب کو باہر نکالا جاتا اور منادی کرا کے لوگوں کو جمع کیا جاتا اور جب لوگ جمع ہو جاتے تو تمام لوگوں کے سامنے امام صاحب کو دس کوڑوں کی سزا دی جاتی۔ اس طرح بارہ روز میں ایک سو بیس کوڑے مارے گئے اور بازاروں میں ان کو پھرایا گیا۔

امام صاحبؒ کی حق گوئی کی پاداش میں گورنر کے اشارہ سے جلاد ان پر ٹوٹ پڑتے۔ امام صاحبؒ کے کھلے سر پر پے در پے کوڑے برس رہے تھے۔ جب سزا کے بعد امام صاحبؒ کو واپس جیل خانہ لے جایا جا رہا تھا تو سر پر کوڑوں کے نشان پڑے ہوئے اور مظلوم امامؒ کا چہرہ سوجا ہوا تھا۔ (موفق: ۲۴،۲۷ مناقب کردری: ۲۷۳ بحوالہ امام اعظم ابوحنیفہ کے حیرت انگیز واقعات ص ۱۴۴ تا ۱۴۷)

جعفر منصور کے سامنے امام ابوحنیفہؒ کی جرأت

عیسیٰ بن موسیٰ گورنر کے پاس ابوجعفر منصورؒ کا فرمان پہنچا کہ امام ابوحنیفہ کو سوار کر کے میرے پاس روانہ کر دو۔ چنانچہ امام صاحب کوفہ سے بغداد پہنچائے گئے۔ خلیفہ کے دربار میں پیشی ہوئی۔ قاضی القضاۃ (چیف جسٹس) اور وزارت عدل کے منصب کی پیش کش ہوئی۔ بڑی کوشش کی گئی، مسلسل اصرار کیا گیا، مگر امام صاحب کی طرف سے انکار تھا۔ اس پر منصور کو مخاطب کرتے ہوئے امام صاحب نے فرمایا، میں منصب قضاء کی صلاحیت نہیں رکھتا۔

ابوجعفر منصور نے کہا، تم ضرور اس منصب کی صلاحیت رکھتے ہو۔

دونوں میں تکرار ہوتا رہا۔ ابوجعفر منصور نے غضبناک ہو کر کہا، جھوٹ کہتے ہو، یقیناً تم اس

Marfat.com

منصب کی صلاحیت رکھتے ہو۔

امام اعظم بھی خاموش نہ رہ سکے، بڑی استغنا اور بے پرواہی کے ساتھ خلیفہ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا، لیجئے آپ نے اپنے خلاف خود ہی فیصلہ دے دیا، کیا آپ کے لئے یہ جائز ہے کہ ایسے شخص کو قاضی بنائیں جو آپ کے نزدیک جھوٹا اور کذاب ہے۔

امام صاحب کے اس جواب سے عباسیوں کا مطلق العنان فرمانروا منصور ذہنی شکست کی رسوائی کے پیش نظر زیادہ مشتعل ہوگیا اور قسم کھائی کہ ابوحنیفہ کو یہ کام کرنا پڑے گا۔ مگر امام ابوحنیفہ نے اسی آزادی و بے باکی کے ساتھ قسم کھائی کہ خدا کی قسم میں ہرگز یہ کام نہیں کروں گا۔

خلیفہ منصور نے غصہ سے اندھا ہو کر عواقب ونتائج کا اندازہ کیے بغیر ابوحنیفہ کو برا بھلا کہنا شروع کیا اور اس کے ساتھ جلادوں کو امام صاحب کے مارنے کا حکم دیا۔ ایک دو نہیں، دس بیس نہیں، تیس کوڑے لگوائے۔ قمیص اتاری گئی، پشت پر کوڑوں کے نشانات نمایاں تھے۔ ایڑی پر خون بہہ رہا تھا۔ اس قدر تشدد اور سزا کے باوجود حضرت امام کسی بھی عہدے اور منصب کو قبول کرنے پر آمادہ نہ ہوئے تو خلیفہ نے انہیں جیل بھیج دینے، تشدد اور سختی کا حکم دیا۔ چنانچہ جیل میں حضرت امام صاحب پر کھانے پینے میں تنگی کی گئی۔ سخت اذیت دی گئی، آپ کو زہر پلایا گیا۔ امام صاحب کے سامنے جب زہر آلود پیالہ پیش کیا گیا تو امام صاحب نے انکار کر دیا اور فرمایا، اس کے اندر جو کچھ ڈالا گیا ہے، مجھے اس کا علم ہے، اس کو پی کر خودکشی کا ارتکاب نہیں کرسکتا۔ چنانچہ آپ کو لٹا کر زبردستی زہر کا پیالہ پلایا گیا۔ جب امام صاحب کو اپنی موت کا یقین ہوگیا تو جبین نیاز بارگاہ صمدیت میں جھکا دی۔ سجدہ کی حالت میں اپنی جان جان آفرین کے سپرد کر دی اور اس طرح بعد از مرگ امام ابوحنیفہ کو جعفر منصور کی قید سے رہائی ملی۔

جان دی دی ہوئی اس کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

امام ابوحنیفہ کا انتقال ہوا تو لوگوں نے آپ کو بغداد کے عام قبرستان میں دفن نہیں کیا جس میں دوسرے لوگوں کو دفن کیا جاتا تھا۔ خلیفہ منصور جب امام صاحب کی قبر پر نماز پڑھنے آیا تو اس نے پوچھا کہ امام صاحب کو عام قبرستان سے علیحدہ کیوں دفن کیا گیا ہے۔ لوگوں نے جواب دیا

Marfat.com

کہ امام صاحب نے علیحدہ دفن کیے جانے کی وصیت فرمائی تھی۔ وجہ یہ تھی کہ جس خطہ پر بغداد شہر کو آباد کیا گیا تھا، حضرت امام صاحب اس کو ارض مغصوبہ (غصب شدہ) قرار دیتے تھے یعنی زبردستی مالکوں سے چھینی گئی تھی۔ اس زمین کے بارے میں ان کا یہی فتویٰ تھا اور یہی وصیت تھی کہ مجھے ایسی زمین میں دفن نہ کرنا جو ناجائز ذریعہ سے حاصل کی تھی۔

خلیفہ منصور نے سنا تو بے اختیار اس کے منہ سے نکلا ''زندگی میں اور زندگی کے بعد بھی امام ابوحنیفہ کے حملوں سے مجھے کون بچا سکتا ہے۔''

(عقود الجمان ۲۶۱، دفاع ابوحنیفہ ۲۲۲، امام ابوحنیفہ کے حیرت انگیز واقعات ۱۵۵)

حضرت امام مالک بن انسؒ کی حق گوئی و بیباکی

حضرت امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جبری بیعت اور جبری طلاق کے خلاف فتویٰ دیتے تھے۔ ان کا کہنا تھا کہ مجبور کر کے بیعت خلافت لی جائے یا کسی شخص سے اس کی بیوی کو طلاق دلا دی جائے تو وہ معتبر نہیں ہے۔

۱۴۷ھ ۷۶۴ء میں مدینہ کے گورنر جعفر بن سلیمان عباسی خلیفہ منصور کے چچازاد بھائی نے امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو حکم دیا کہ وہ یہ فتویٰ نہ دیں کہ جبری طلاق جائز نہیں تاکہ لوگ جبری بیعت کے خلاف اس بات کی سند پیش نہ کریں۔

امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ نے بلاخوف فرمایا کہ وہ ایسا ہرگز نہیں کر سکتے بلکہ جو حق بات ہے، اس کا اعلان ہر حال میں کرتے رہیں گے۔

جعفر بن سلیمان کی بہت سختی پر بھی جب وہ یہ فتویٰ دینے سے باز نہ رہے تو اس نے حکم دیا کہ ان کو ستر کوڑے لگائے جائیں۔ امام صاحب کو مجرموں کی طرح سزا کے مقام تک لے جایا گیا، کپڑے اتارے گئے اور ان کی پیٹھ پر ستر کوڑے لگائے گئے۔ جسم سے خون بہنے لگا اور دونوں مونڈھے اتر گئے لیکن ان کی زبان برابر حق کا اعلان کرتی رہی۔

گورنر جعفر بن سلیمان کو اس سے بھی تسلی نہ ہوئی۔ اس نے حکم دیا کہ ان کی شہر میں تشہیر کی جائے۔ چنانچہ امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو اسی حال زار میں اونٹ پر سوار کیا گیا اور مدینہ کی گلی

Marfat.com

کوچوں میں ان کی تذلیل کے لئے گزارا گیا۔ لیکن امام صاحب نے اس میں بجائے ذلت کے عزت کا احساس کیا کہ وہ حکومت کے تمام مظالم کے باوجود اعلان حق کریں۔

وہ اونٹ پر سوار تھے، حکومت کے اہلکار ساتھ تھے۔ تماش بینوں کا مجمع پیچھے پیچھے تھا۔ لوگ افسوس سے دیکھتے تھے کہ اپنے زمانے کے سب سے بڑے عالم کی کیا درگت بنائی جارہی ہے۔ لیکن ان کی زبان سے اس وقت ایک ہی صدا بلند ہورہی تھی کہ:

جو مجھ کو جانتا ہے وہ جانتا ہے اور جو نہیں جانتا وہ بھی جان لے کہ میں مالک بن انس ہوں اور یہ فتویٰ دیتا ہوں کہ جبری طلاق جائز نہیں ہے۔

جب یہ تشہیر کا مرحلہ ختم ہوا تو انہوں نے کمر سے خون صاف کیا اور مسجد نبوی میں دو رکعت نماز پڑھی۔ (تذکرہ محدثین، جلد اول بحوالہ مردان حق ۱۵۶)

حضرت امام ابو یوسف کا وزیر کی گواہی سے انکار

ایک مرتبہ وزیر مملکت علی بن عیسیٰ نے کسی مقدمہ میں گواہی دی تو قاضی ابو یوسف نے قبول نہیں کی۔ یہ ایک وزیر کی بڑی توہین تھی۔ اس نے قاضی صاحب کی شکایت خلیفہ ہارون رشید سے کی۔ ہارون رشید نے قاضی ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے پوچھا، آپ نے علی بن عیسیٰ جیسے ذمہ دار شخص کی گواہی کیوں قبول نہیں کی؟ امام صاحب نے فرمایا، وہ ایک غلام ہیں اور غلام کی گواہی شرعاً قابل قبول نہیں ہے۔ ہارون رشید نے حیرت سے کہا، لیکن ہمارے وزیر مملکت علی بن عیسیٰ تو ایک آزاد انسان ہیں۔

حضرت ابو یوسفؒ نے نہایت بے باکی سے جواب دیا، میں نے خود اپنے کانوں سے ان کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ میں امیر المومنین کا غلام ہوں۔ پھر جب وہ اپنا غلام ہونا خود تسلیم کرتے ہیں تو ان کی گواہی شرعاً معتبر نہیں ہے۔ (کتاب الخراج بحوالہ مردان حق ۱۷۷)

ہارون الرشید کے سامنے ایک شخص کی بیباکی

ایک مرتبہ عراق کے ایک بوڑھے کسان نے ہارون رشید کے خلاف ایک دعویٰ دائر کیا کہ اس

Marfat.com

کے ایک باغ پر بادشاہ نے ناجائز طور پر غاصبانہ قبضہ کرلیا ہے جو خلیفہ کے ذاتی قبضہ میں ہے۔ قاضی ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے دعویٰ خلیفہ کے سامنے پیش کیا۔ خلیفہ ہارون رشید نے جواب دعویٰ میں کہا کہ اس کا باغ پر غاصبانہ قبضہ نہیں بلکہ یہ باغ اس کو اپنے باپ خلیفہ مہدی سے وراثت میں حاصل ہوا ہے۔ اس پر مدعی کا دعویٰ جھوٹا ہے۔

قاضی ابو یوسف نے مدعی سے کہا، اگر آپ کے پاس کوئی ثبوت اس باغ کی ملکیت کا ہو تو پیش کرو۔

بوڑھے کسان نے کہا، میرے پاس دعویٰ کے ثبوت میں کوئی شہادت نہیں ہے، البتہ آپ امیر المومنین سے حلف لیں۔

خلیفہ ہارون رشید نے کہا، میں حلف سے کہتا ہوں کہ یہ باغ میرے والد خلیفہ مہدی نے مجھے عطا کیا تھا، میں اس کا مالک ہوں۔

بوڑھے نے بادشاہ کے یہ الفاظ سنے تو اس کو بہت غصہ آیا، اس نے یہ بھی لحاظ نہیں کیا کہ اس کا مخالف دنیا کی سب سے بڑی بادشاہت کا مالک ہے اور اس کے ایک اشارے پر اس کی گردن بھی اڑ سکتی ہے۔ اس نے کہا، جس طرح کوئی شخص آسانی سے ستو گھول کر پی جاتا ہے اسی طرح اس شخص (خلیفہ ہارون رشید) نے آسانی سے قسم کھالی۔

یہ الفاظ سن کر ہارون رشید کا چہرہ غصہ سے تمتما اٹھا۔ لیکن اس کے وزیر یحییٰ برمکی نے اس کا خیال ہٹانے کے لئے کہا، حضور کے اس عدل وانصاف کی نظیر دنیا میں نہیں مل سکتی کہ ایک ادنیٰ کسان نے اتنے بڑے بادشاہ پر دعویٰ کیا۔ (کتاب الخراج بحوالہ مردان حق ۱۷۸)

ہارون الرشید کے دربار میں امام محمدؒ کی حق گوئی

جب علماء اور قضاۃ خلیفہ وقت کی چشم وابرو کا اشارہ پا کر خدا کو فراموش کر کے اور موت سے بے خوف ہو کر شرع اسلامی کے خلاف فتوے دے رہے تھے اور ان کی زبانیں ہارون کے سامنے اظہار حق کے لئے گنگ تھیں، وہ صرف امام محمدؒ تھے جنہوں نے بغیر کسی جھجک، کسی تامل اور کسی رعب ودہشت کا اظہار کیے بغیر صاف کہا اور برملا کہا:

Marfat.com

اے خلیفہ! تو جو کچھ کر رہا ہے اور کرنا چاہتا ہے، شرع اسلامی اس کی تائید ہرگز نہیں کرتی، تیرا اقدام شرع اسلامی کے یکسر منافی ہے۔

اور پھر اس حق گوئی کی پاداش میں امام محمدؒ نے بارگاہ خلافت کا معتوب ہونا بڑی بشاشت اور جرأت سے گوارا کیا۔

تاریخی پس منظر

قصہ یہ بیان کیا جاتا ہے کہ جب امام ابو یوسفؒ وفات پا گئے تو ان کے بعد قاضی القضاۃ کا منصب ابوالبختری کو دے دیا گیا۔ انہوں نے امام محمدؒ کو قضا سے معزول کرا دیا اور فتویٰ دینے کی پابندی لگوا دی۔ اس کا پس منظر مختلف کتابوں میں تذکرہ نگاروں نے قدرے الفاظ کے اختلاف کے ساتھ ایک ہی نقل کیا ہے۔ علامہ زاہد الکوثریؒ نے زیادہ تفصیل سے لکھ دیا ہے کہ امام محمدؒ کو جس جرم کی اس قدر سخت سزا دی گئی وہ ان کی حق گوئی، عزیمت اور احقاق حق کا بے مثال تاریخی کردار تھا۔ ہوا یوں کہ یحیٰ بن عبداللہ طالبیؒ کو خلیفہ نے امان دے دی۔ یحیٰ طالبیؒ خلیفہ کی اس امان سے مطمئن ہو کر بے خطر آ گئے تو انہیں گرفتار کر لیا گیا اور امان توڑ کر اس بے چارے کے لئے قتل کا حکم صادر کر دیا گیا۔ ابوالبختری نے جو امام ابو یوسفؒ کے بعد قاضی القضاۃ بنا دیئے گئے تھے، انہوں نے نقض امان کا فتویٰ دے دیا۔

مگر امام محمد جنہوں نے عہدہ قضا بادل نخواستہ قبول کیا تھا اور ان کی خواہش کو اس میں ذرہ بھی دخل نہ تھا، اس لئے وہ جب تک اس عہدہ پر فائز رہے، بڑی دیانت داری سے بلا کسی رو رعایت کے اس کے فرائض سر انجام دیتے رہے۔ انہوں نے کبھی اپنے فیصلے میں خلیفہ وقت یا ارکان دولت کی پرواہ نہیں کی۔ چنانچہ ان کے قاضی ہونے کے کچھ عرصہ بعد جب یحیٰ طالبی کی امان کا قصہ دربار میں پیش ہوا تو امام محمدؒ نے بغیر کسی لالچ اور خوف لومۃ لائم کے اظہار حق میں کوئی باک محسوس نہیں کیا۔ خود بیان فرماتے ہیں کہ جب خلیفہ ہارون رشید رقہ میں آیا تو امام محمدؒ کہتے ہیں کہ اس نے مجھے طلب کیا۔ میں اس کی خدمت میں حاضر ہوا۔ خلیفہ کے دربار میں حسن بن زیاد، ابوالبختری وہب بن وہب (جو امام ابو یوسفؒ کے بعد قاضی القضاۃ بنائے گئے تھے) پہلے سے

Marfat.com

حاضر تھے۔ خلیفہ نے استفتاء (اور اصل غرض اس کی تائید مطلوب تھی) کی صورت میں وہ امان نامہ ہمارے سامنے پیش کر دیا جو اس نے یحییٰ طالبی کو عطا کیا تھا، خلیفہ نے یہ امان نامہ سب سے پہلے میری طرف بڑھایا۔

میں نے اس کو پڑھا تو خلیفہ کو (بھری مجلس میں) خدا سے اور یوم آخرت سے ڈرایا اور انہیں واضح طور پر بتا دیا کہ یہ امان موکد ہے، کسی بھی حیلہ اور بہانہ سے اس کا توڑنا ازروئے شریعت اسلامیہ ناجائز اور نادرست ہے اور اس کی پابندی خلیفہ کے لئے ضروری ہے۔ تو خلیفہ امام محمدؒ سے جھگڑنے لگا۔ وہ یحییٰ کے گزشتہ باغیانہ عمل کو پیش کر کے ان کو مجرم قرار دینا چاہتا تھا۔ غالباً اسی کا جواب تھا جو امام محمدؒ نے ہارون سے کہا، میں پوچھتا ہوں کہ حکومت سے باغی ہو کر جن لوگوں نے جنگ کی ہو لیکن بعد کو تائب ہو جائیں اور انہیں امان دے دی جائے تو کیا وہ محفوظ اور مامون نہیں ہو جائیں گے؟

امام محمدؒ اظہار حق میں خلیفہ کے جاہ وجلال کی بجائے اللہ تعالیٰ کی عظمت وجلال پر نظر کئے ہوئے تھے ورنہ خلیفہ کی تلواریں چمک رہی تھیں، جلاد اشارے کے منتظر تھے۔ نطع یعنی چمڑے کا فرش بچھا دیا جا چکا تھا اور جلاد برہنہ تلواریں لیے اس کے سر پر کھڑے کر دیئے گئے تھے۔ گویا اس انداز سے سب کو یہ بتایا جا رہا تھا کہ یحییٰ طالبی کا انجام تو سب دیکھ رہے ہیں جو اس کی تائید کریں گے وہ بھی اس انجام کے لئے خود کو تیار کر لیں۔ ادھر یحییٰ کی زبان پر ایک ہی جملہ تھا کہ یہ دیکھو خلیفہ ہارون ہے جس نے پہلے مجھے امان دی تھی اور اب خود اسے توڑ کر مجھے قتل کرا رہا ہے۔

ایک دوسری روایت میں ہے جب امام محمدؒ نے خلیفہ ہارون الرشید کے سامنے صحت امان کا فتویٰ دے دیا اور اسے امان شکنی سے روکا، خدا اور یوم آخرت کا ڈر سنایا اور ابوالبختری نے امان شکنی کا فتویٰ دے دیا اور خلیفہ کو مشورہ دیا کہ یحییٰ کی گردن اڑا دے۔ تو اس وقت یحییٰ طالبی نطع پر بیٹھے ہوئے تھے اور خلیفہ سے کہہ رہے تھے:

> اے امیر المومنین! محمد بن الحسنؒ کے فتوے پر غور کیجئے جو فقہ میں اپنا ایک مقام رکھتے ہیں، وہ اس امان کی صحت کا فتویٰ دے رہے ہیں جو آپ نے دی تھی۔ ابوالبختری کے فتویٰ پر آپ کیوں دھیان دے رہے ہیں؟ بھلا یہ کیا جانے کہ

Marfat.com

فقہ کیا ہے اور فتویٰ کسے کہتے ہیں؟ اس کا باپ تو مدینہ میں ڈھول بجایا کرتا تھا، ذرا اس کی پیٹھ کھول کر تو دیکھئے کوڑوں کے نشانوں سے بھری ہوئی ہے، مدینہ کے حمام کے سارے دلاک اس سے واقف ہیں اور اس وقت کرہ ارض کا سب سے بڑا فقیہہ جو ہے آپ اس کے فتوے سے اغراض کر رہے ہیں۔

امام محمدؒ راوی ہیں کہ میری گفتگو سن کر ہارون رشید برہم ہوا اور امان نامہ میرے ہاتھ سے چھین کر لے لیا اور حسن بن زیاد کی طرف بڑھا دیا، حسن بن زیاد نے پڑھا اور کمزور الفاظ میں اور اس قدر پست آواز اور آہستہ سے اپنی رائے ظاہر کی کہ مجھے شبہ ہے کہ وہ سنی بھی جا سکتی تھی یا نہیں، بہر حال انہوں نے صرف اتنا کہا کہ ھٰذا امان' یہ امان ہے۔''

ہارون رشید نے وہ امان نامہ حسن بن زیاد سے چھین لیا اور قاضی ابوالبختری کی طرف بڑھایا، ابوالبختری نے پڑھا اور پڑھ کر کہنے لگا، یہ یحییٰ طالبی نہایت برا شخص ہے نہ رعایت کا مستحق ہے نہ امان کا، اس نے نظم اور امن مملکت کو درہم برہم کرنے کی کوشش کی، اس نے مسلمانوں کا خون بہایا، اس غدار نے یہ کیا اور وہ کیا وغیرہ۔ لہذا یہ ہرگز امان کا مستحق نہیں ہے۔ یہ کہہ کر جوش و فاداری میں ابوالبختری نے اپنے موزے میں ہاتھ ڈالا، میں دیکھ رہا تھا کہ اس نے موزہ سے چھری نکالی، پھر اس چھری سے امان نامہ قطع کر دیا اور امان نامہ کے وہ کٹے ہوئے ٹکڑے خادم کے حوالے کر دیئے۔ پھر خلیفہ ہارون رشید کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگا، اس شخص کو قتل کر دیجئے، اس کا خون میں اپنی گردن پر لیتا ہوں۔ اس واقعہ (یحییٰ کے قتل) کے بعد مجلس برخاست ہو گئی اور ہم اٹھ آئے۔

بلال بن یحییٰ کے واسطہ سے طحاویؒ نے مذکورہ واقعہ میں اس قدر اضافہ نقل کیا ہے کہ ہارون رشید امام محمدؒ کی طرف متوجہ ہوا اور ان سے کہا، بے شک یہ امان نامہ ہے لیکن میں نے اسے نہیں لکھا ہے، میں نے تو فقط ایک آدمی کو حکم دیا، اس نے لکھ دیا۔ امام محمدؒ نے ہارون رشید کی اس بات کے جواب میں کہا:

اگر واقعی یہ صورت مسئلہ کسی عام شخص کے ساتھ پیش آئے تو وہ حانث نہیں ہوگا جب تک کہ خود اس کا ارتکاب نہ کرے لیکن اگر سلطان دوراں یا حاکم وقت ایسا

Marfat.com

کرے تو وہ از روئے شرع حانث قرار پائے گا کیونکہ لکھنے والا تعمیل حکم پر مجبور تھا لہذا اس کی ذمہ داری سلطان یا حاکم پر ہی ہوگی۔ اس کے برعکس ایک عام آدمی اگر کسی شخص سے لکھنے کو کہے تو وہ مجبور نہیں ہے، اسے اختیار ہے، جی چاہے تو لکھ دے یا نہ لکھے لیکن سلطان اور حاکم کی بات تو نہیں ٹالی جا سکتی۔

امام محمدؒ کی یہ تقریر سن کر خلیفہ غضبناک ہو گیا اور اس نے پھر جو کچھ امام محمدؒ کے ساتھ کیا تاریخ نے اسے بھی محفظ کر لیا ہے۔ لکھا ہے کہ ہارون رشید نے امام محمدؒ کو غصہ کی نگاہ سے دیکھا اور کہا، تم ہی جیسے لوگوں سے شہ پا کر یہ لوگ بغاوت پر آمادہ ہوتے ہیں۔ اور آپے سے باہر ہو گیا، دوات جو سامنے رکھی ہوئی تھی، اٹھا کر امام محمدؒ کے منہ پر ہارون رشید نے دے ماری جس سے ان کا چہرہ زخمی ہو گیا۔

بہر حال بات ختم ہو گئی، امام محمدؒ گھر واپس لوٹے۔ خلیفہ کا قاصد ان کے پاس حق گوئی کی پاداش میں خلیفہ کا پیغام لایا کہ امیر المومنین نے حکم صادر فرمایا ہے کہ اب آپ آئندہ کے لئے فتویٰ نہ دیں اور نہ کوئی مسئلہ بیان کریں۔ امام محمدؒ خلیفہ کے حکم کی تعمیل پر مجبور تھے، فتویٰ دینا اور مسائل بیان کرنا چھوڑ دیا۔

محمد بن سماعہ کی روایت ہے کہ یحییٰ طالبی کے واقعہ کے بعد امام محمدؒ خلیفہ کے معتوب قرار پائے، فتویٰ نویسی اور مسائل کے جوابات بیان کرنے سے روک دیئے گئے، قصر شاہی کے ایک مکان میں نظر بند کر دیئے گئے اور اس پر مستزاد یہ کہ خلیفہ نے حکم دے دیا کہ امام محمدؒ کی کتابوں کی خوب چھان بین کی جائے، اسے یہ خطرہ تھا کہ کہیں امام محمدؒ کی کتب میں ایسا مواد تو نہیں ہے جو طالبین (یعنی اولاد علیؓ) کو بغاوت اور خروج پر آمادہ کرے۔

امام محمدؒ نے بن سماعہؒ سے جو اس نازک گھڑی میں ان کے ساتھ تھے، خود ان کی روایت کے مطابق ان سے کہا:

جلدی کرو، قبل اس کے کہ میں یہاں سے روانہ ہوں تم میری قیامگاہ پر پہنچ جاؤ اور میری کتابوں کی اچھی طرح حفاظت اور نگہبانی کرو، کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ لوگ میری کتابوں میں ایسی باتیں شامل کر دیں جو ان میں نہیں ہیں۔

Marfat.com

ابن سماعہ کہتے ہیں کہ میں نے اس ارشاد کی تعمیل کی اور ان کی کتابوں کی خوب اچھی طرح چھان بین کی کہ آیا خلیفہ ہارون رشید کے نقطہ نظر سے ان کتابوں میں کوئی بات تو نہیں ہے جو واقعی قابل اعتراض ہو اور کسی نئی آفت کا سبب بن جائے۔

امام محمدؒ کے کتب خانہ کو خوب اچھی طرح کھنگال ڈالنے کے بعد بھی مجھے کوئی ایسی چیز نہیں ملی، البتہ ایک مجموعہ نظر آیا جو حضرت علیؑ کے فضائل پر مشتمل تھا، اسی اثناء میں خلیفہ ہارون رشید کے لوگ آ گئے، انہوں نے بھی امام محمدؒ کے کتب خانہ کو خوب اچھی طرح الٹا پلٹا دیا۔ جب فضائل کے اس مجموعہ پر ان کی نظر پڑی تو اسے اٹھا کر خلیفہ کی خدمت میں لے گئے۔ ہارون رشید نے اس مجموعہ پر نظر ڈالی تو کہا، ہمارے پاس اس سے بھی زیادہ مواد موجود ہے۔

صیمریؒ نے عبداللہ بن عبدالرحمٰن سے روایت نقل کی ہے کہ خلیفہ کے دربار میں جب یحیٰ طالبی کی امان کا مسئلہ درپیش تھا، اس موقعہ پر میں بھی وہاں موجود تھا۔ امام محمدؒ کی جرأت وحق گوئی، شجاعت و اعلاء کلمۃ اللہ اور خلیفہ ہارون رشید کی کیفیت دیکھ رہا تھا۔ جب امام محمدؒ خلیفہ کے دربار سے باہر آئے تو میں نے دیکھا وہ رونے لگے اور شدت گریہ سے ان کی عجیب حالت ہو گئی۔

میں نے امام محمدؒ سے عرض کیا، اے ابوعبداللہ! آپ کیوں رو رہے ہیں؟ کیا آج کے الم انگیز حادثہ کے باعث؟ الم انگیز حادثہ سے میری مراد یہ تھی کہ امام محمدؒ نے بڑی جرأت کے ساتھ خلیفہ ہارون کی مرضی کے خلاف فتویٰ دیا تھا تو ہارون نے انہیں تند و تیز نظروں سے دیکھا اور غضب ناک انداز سے کہا، تمہارے اس فتویٰ سے اس باغی کا حوصلہ بڑھے گا اور اس کی مثال دیکھ کر دوسرے باغی بھی ہم پر خروج اور چڑھائی کریں گے۔

اس سوال کے جواب میں امام محمدؒ کا گریہ اور بھی زیادہ شدید ہو گیا۔ آنسو بہہ بہہ کر ان کے لباس اور چہرے پر گر رہے تھے۔ انہوں نے کہا:

> نہیں خدا کی قسم! خلیفہ کے اس طعن، اس نازیبا رویہ اور برتاؤ پر جو اس نے میرے ساتھ برتا مجھے رونا نہیں آ رہا ہے۔

میں نے پوچھا، آخر اس گریہ کا سبب بھی تو کچھ ہو گا؟ امام محمدؒ نے ارشاد فرمایا:

> میں چوٹ کی وجہ سے نہیں رو رہا، میں اپنی ایک بہت بڑی کوتاہی اور تقصیر پر رو

Marfat.com

رہا ہوں۔

میں نے عرض کیا، آپ سے کون سی کوتاہی ہوئی؟ امام محمدؒ نے روتے ہوئے فرمایا:

مجھ سے قصور یہ ہوا کہ میں اس مقام پر فائز ہوسکتا تھا جس پر آج خدا کی اس زمین پر کوئی نہیں، لیکن افسوس وہ نادر موقع میرے ہاتھ سے جاتا رہا۔

میں نے عرض کیا، اس سے آپ کا مطلب کیا ہے؟ کس مرتبہ کی طرف اشارہ کررہے ہیں؟ امام محمدؒ نے بڑے ارمان اور حسرت کے ساتھ کیا:

جب قاضی ابوالبختری نے یحییٰ طالبی کے قتل کا فتویٰ دیا تھا اور ہارون رشید کو ازروئے شریعت امان شکنی کی اجازت دی تھی تو مجھے اس سے پوچھنا چاہئے تھا کہ تیرے اس قول کی بنیاد کیا ہے؟ اپنے قول کی تائید میں کوئی حجت بھی اپنے پاس رکھتا ہے؟ کیا تیرا یہ قول دلیل سے مدلل اور برہان سے مبرہن ہے؟ اگر ہے تو تیری دلیل اور برہان کیا ہے؟ مجھے اس وقت تک اس سے بحث کرنی چاہئے تھی جب تک اسے ساکت اور لاجواب نہ کردیتا اور اس کے قول کا فساد ثابت نہ کردیتا۔

بظاہر یہ ندامت تھی، کوتاہی اور تقصیر کا اعتراف تھا مگر درحقیقت یہ عزیمت کا وہ بلند مقام ہے جو امام محمدؒ جیسے ازلی منتخبوں اور نیک بختوں کو ہی حاصل ہوسکتا ہے۔

اتفاق سے کچھ عرصہ کے بعد ام جعفر (ہارون رشید کی والدہ) نے ایک وقف قائم کرنے کا ارادہ کیا۔ وہ اس سلسلہ میں امام محمدؒ کی طرف متوجہ ہوئیں اور استفتاء ان کی خدمت میں بھیج دیا۔ امام محمدؒ نے انہیں جواب بھیجا کہ خلیفہ نے مجھے فتویٰ دینے اور مسائل کا جواب بیان کرنے سے منع کردیا ہے، میں تعمیل حکم پر مجبور ہوں، لہٰذا آپ کو بھی اس سلسلہ میں کوئی مشورہ نہیں دے سکتا۔

ام جعفر کو جب یہ اطلاع ہوئی تو اس نے ہارون رشید کو سمجھایا کہ ایسا کرنا ہرگز مناسب نہیں۔ چنانچہ خلیفہ نے اپنا حکم واپس لے لیا اور امام محمدؒ کو فتویٰ دینے اور مسائل بیان کرنے کی اجازت مل گئی۔ (مناقب کردری بحوالہ علماء احناف کے حیرت انگیز واقعات: ۲۱۷ تا ۲۲۵)

Marfat.com

امام احمد بن حنبل کی حق گوئی و بے باکی

مامون نے خلق قرآن کے مسئلہ پر اپنی پوری توجہ مرکوز کر دی۔ ۲۱۸ھ میں اس نے والی بغداد اسحاق بن ابراہیم کے نام ایک مفصل فرمان بھیجا جس میں عامۃ المسلمین اور بالخصوص محدثین کی سخت مذمت اور حقارت آمیز تنقید کی۔ ان کو خلق قرآن کے عقیدہ سے اختلاف کرنے کی وجہ سے توحید میں ناقص، مردود الشہادۃ، ساقط الاعتبار اور شرار امت قرار دیا اور حاکم کو حکم دیا کہ جو لوگ اس مسئلہ کے قائل نہ ہوں ان کو ان کے عہدوں سے معزول کر دیا جائے اور خلیفہ کو اس کی اطلاع کی جائے۔

یہ فرمان مامون کی وفات سے چار مہینے قبل کا ہے۔ اس کی نقلیں تمام اسلامی صوبوں کو بھیجی گئیں اور صوبہ داروں (گورنروں) کو ہدایت کی گئی کہ اپنے اپنے صوبوں کے قضاۃ کا اس مسئلہ میں امتحان لیں اور جو اس عقیدہ سے متفق نہ ہوں، اس کو اس عہدہ سے ہٹا دیا جائے۔ اس فرمان کے بعد مامون نے حاکم بغداد کو لکھا کہ سات بڑے محدثین کو (جو اس عقیدہ کے مخالفین کے سرگروہ ہیں، اس کے پاس بھیج دیا جائے۔

وہ سب آئے تو مامون نے ان سے خلق قرآن کے متعلق سوال کیا۔ ان سب نے اس سے اتفاق کیا اور ان کو بغداد واپس کر دیا گیا جہاں انہوں نے علماء و محدثین کے ایک مجمع کے سامنے اپنے اس عقیدہ کا اقرار کیا لیکن شورش ختم نہیں ہوئی۔ اور عام مسلمان اور تقریباً تمام محدثین اپنے خیال پر قائم رہے۔

انتقال سے پہلے مامون نے اسحاق بن ابراہیم کو تیسرا فرمان بھیجا، جس میں ذرا تفصیل سے پہلے خط کے مضمون کو بیان کیا تھا اور امتحان کے دائرہ کو وسیع کر کے اہلکاران سلطنت اور اہل علم کو بھی اس میں شامل کر لیا تھا اور سب کے لئے اس عقیدہ کو ضروری قرار دیا تھا۔ اسحاق نے فرمان شاہی کی تعمیل کی اور مشاہیر علماء کو جمع کر کے ان سے گفتگو کی اور ان کے جوابات اور مکالمہ کو بادشاہ کے پاس لکھ کر بھیج دیا۔ مامون اس محضر کو پڑھ کو سخت برافروختہ ہوا، ان علماء میں سے دو (بشر بن الولید اور ابراہیم ابن المہدی) کے قتل کا حکم دیا اور لکھا کہ بقیہ میں سے جس کو اپنی رائے پر اصرار

ہو، اس کو پابجولاں اس کے پاس بھیج دیا جائے۔

چنانچہ بقیہ تیس علماء میں سے (جو پہلے قائل نہیں ہو رہے تھے) چار اپنی رائے (عدم خلق قرآن) پر قائم رہے۔ یہ چار اشخاص امام احمد بن حنبل، سجادہ، قواریری اور محمد بن نوح تھے۔ دوسرے دن سجادہ اور تیسرے دن قواریری نے بھی اپنی رائے سے رجوع کیا اور صرف امام اور محمد بن نوح باقی رہے جن کو مامون کے پاس طرطوس ہتھکڑیوں اور بیڑیوں میں روانہ کر دیا گیا۔ ان کے ہمراہ انیس دوسرے مقامات کے علماء تھے جو خلق قرآن کے منکر اور اس کے غیر مخلوق ہونے کے قائل تھے۔ ابھی یہ لوگ رقہ ہی پہنچے تھے کہ مامون کے انتقال کی خبر ملی اور ان کو حاکم بغداد کے پاس واپس کر کر دیا گیا۔ راستہ میں محمد بن نوح کا انتقال ہو گیا اور امام اور ان کے رفقاء بغداد پہنچے۔

مامون نے اپنے جانشین معتصم بن الرشید کو وصیت کی تھی کہ وہ قرآن کے بارے میں اس کے مسلک اور عقیدہ پر قائم رہے اور اسی کی پالیسی پر عمل کرے۔ (وخذ بسيرة اخيك في القران) اور قاضی ابن ابی داؤد کو بدستور اپنا مشیر اور وزیر بنائے رہے۔ چنانچہ معتصم نے ان دونوں وصیتوں پر پورا پورا عمل کیا۔

امام احمد ابتلا و امتحان میں

اب مسئلہ خلق قرآن کی مخالفت اور عقیدہ صحیحہ کی حمایت اور حکومت وقت کے مقابلہ کی ذمہ داری تنہا امام احمد بن حنبل کے اوپر تھی جو گروہ محدثین کے امام اور سنت و شریعت کے اس وقت امین تھے۔ امام احمد کو رقہ سے بغداد لایا گیا، چار چار بیڑیاں ان کے پاؤں میں پڑی تھیں۔ تین دن تک ان سے اس مسئلہ پر مناظرہ کیا گیا لیکن وہ اپنے اس عقیدہ سے نہیں ہٹے۔ چوتھے دن والی بغداد کے پاس ان کو لایا گیا۔ اس نے کہا کہ احمد! تم کو اپنی زندگی ایسی دوبھر ہے، خلیفہ تم کو اپنی تلوار سے قتل نہیں کرے گا لیکن اس نے قسم کھائی ہے کہ اگر تم نے اس کی بات قبول نہ کی تو مار پر مار پڑے گی اور تم کو ایسی جگہ ڈال دیا جائے گا جہاں کبھی سورج نہیں آئے گا۔ اس کے بعد امام کو معتصم کے سامنے پیش کیا گیا اور ان کو اس انکار و اصرار پر ۲۸ کوڑے لگائے گئے۔ ایک تازہ جلاد صرف دو کوڑے لگاتا تھا، پھر دوسرا جلاد بلایا جاتا تھا۔ امام احمد ہر کوڑے پر فرماتے تھے:

Marfat.com

اعطونی شیئا من کتاب الله او سنة رسوله حتیٰ اقول به
میرے سامنے اللہ کی کتاب یا اس کے رسول کی سنت سے کچھ پیش کرو تو میں اس کو مان لوں۔

واقعہ کی تفصیلات امام احمدؒ کی زبان سے

امام احمد نے اس واقعہ کو خود تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں:
میں جب اس مقام پر پہنچا جس کا نام باب البستان ہے تو میرے لئے سواری لائی گئی اور مجھ کو سوار ہونے کا حکم دیا گیا۔ مجھے اس وقت کوئی سہارا دینے والا نہیں تھا اور میرے پاؤں میں بوجھل بیڑیاں تھیں۔ سوار ہونے کی کوشش میں کئی مرتبہ اپنے منہ کے بل گرتے گرتے بچا، آخر کسی نہ کسی طرح سوار ہوا اور معتصم کے محل میں پہنچا۔ مجھے ایک کوٹھڑی میں داخل کر دیا گیا اور دروازہ بند کر دیا گیا، آدھی رات کا وقت تھا اور وہاں کوئی چراغ نہیں تھا۔ میں نے نماز کے لئے مسح کرنا چاہا اور ہاتھ بڑھایا تو پانی کا ایک پیالہ اور طشت رکھا ہوا ملا۔ میں نے وضو کیا اور نماز پڑھی۔ اگلے دن معتصم کا قاصد آیا اور مجھے خلیفہ کے دربار میں لے گیا۔ معتصم بیٹھا ہوا تھا۔ قاضی القضاۃ ابن ابی داؤد بھی موجود تھا اور ان کے ہم خیالوں کی ایک بڑی جمعیت تھی۔ ابو عبدالرحمٰن الشافعی بھی موجود تھے۔ اسی وقت دو آدمیوں کی گردنیں بھی اڑائی جا چکی تھیں۔ میں نے ابو عبدالرحمٰن الشافعی سے کہا کہ تم کو امام شافعی سے مسح کے بارے میں کچھ یاد ہے؟ ابن ابی داؤد نے کہا کہ اس شخص کو دیکھو کہ اس کی گردن اڑائی جانے والی ہے اور یہ فقہ کی تحقیق کر رہا ہے۔ معتصم نے کہا کہ ان کو میرے پاس لاؤ۔ وہ برابر مجھے پاس بلاتا رہا، یہاں تک کہ میں اس سے بہت قریب ہو گیا۔ اس نے کہا، بیٹھ جاؤ۔ میں بیڑیوں سے تھک گیا تھا اور بوجھل ہو رہا تھا، تھوڑی دیر کے بعد میں نے کہا کہ مجھے کچھ کہنے کی اجازت ہے؟ خلیفہ نے کہا کہو۔ میں نے کہا کہ میں پوچھنا چاہتا

Marfat.com

ہوں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے کس چیز کی طرف دعوت دی ہے؟ تھوڑی دیر کی خاموشی کے بعد اس نے کہا لا الہ الا اللہ۔ کی شہادت کی طرف۔ میں نے کہا تو میں اس کی شہادت دیتا ہوں۔ پھر میں نے کہا کہ آپ کے جد امجد ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ جب قبیلہ عبدالقیس کا وفد آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو انہوں نے ایمان کے بارے میں آپ سے سوال کیا۔ فرمایا تمہیں معلوم ہے کہ ایمان کیا ہے؟ انہوں نے کہا کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو زیادہ معلوم ہے۔ فرمایا، اس بات کی گواہی کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں، نماز کی پابندی، زکوٰۃ کی ادائیگی اور مال غنیمت میں سے پانچویں حصہ کا نکالنا۔ اس پر معتصم نے کہا کہ اگر تم میرے پیش رو کے ہاتھ میں پہلے نہ آگئے ہوتے تو میں تم سے تعرض نہ کرتا۔ پھر عبدالرحمٰن بن اسحاق کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ میں نے تم کو حکم نہیں دیا تھا کہ اس آزمائش کو ختم کرو۔

امام احمد کہتے ہیں کہ میں نے کہا، اللہ اکبر، اس میں تو مسلمانوں کیلئے کشائش ہے۔ خلیفہ نے علماء حاضرین سے کہا کہ ان سے مناظرہ کرو اور گفتگو کرو۔ پھر عبدالرحمٰن سے کہا کہ ان سے گفتگو کرو۔ امام احمد اس مناظرہ کی تفصیل بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

ایک آدمی بات کرتا اور میں اس کا جواب دیتا۔ دوسرا بات کرتا اور میں اس کا جواب دیتا۔ معتصم کہتا، احمد تم پر خدا رحم کرے، تم کیا کہتے ہو۔ میں کہتا، امیر المومنین مجھے کتاب اللہ یا سنت رسول ﷺ میں سے کچھ دکھایئے تو میں اس کا قائل ہو جاؤں۔ معتصم کہتا کہ اگر یہ میری بات قبول کرلیں تو میں اپنے ہاتھ سے ان کو آزاد کر دوں اور اپنی فوج و لشکر کے ساتھ ان کے پاس جاؤں اور ان کے آستانہ پر حاضر ہوں۔ پھر کہتا احمد! میں تم پر بہت شفیق ہوں اور مجھے تمہارا ایسا ہی خیال ہے جیسے اپنے بیٹے ہارون کا، تم کیا کہتے ہو؟ میں وہی

Marfat.com

جواب دیتا کہ مجھے کتاب اللہ یا سنت رسول ﷺ میں سے کچھ دکھاؤ تو میں قائل ہو جاؤں۔

جب بہت دیر ہو گئی تو وہ اکتا گیا اور کہا جاؤ اور مجھے قید کر دیا۔ اور میں اپنی پہلی جگہ پر واپس کر دیا گیا۔ اگلے دن پھر مجھے طلب کیا گیا اور مناظرہ ہوتا رہا اور میں سب کا جواب دیتا رہا، یہاں تک کہ زوال کا وقت ہو گیا۔ جب اکتا گیا تو کہا کہ ان کو لے جاؤ۔ تیسری رات کو میں سمجھا کہ کل کچھ ہو کر رہے گا۔ میں نے ڈوری منگوائی اور اس سے اپنی بیڑیوں کو کس لیا اور جس ازار بند سے میں نے بیڑیاں باندھ رکھی تھیں اس کو اپنے پائجامہ میں پھر ڈال لیا کہ کہیں کوئی سخت وقت آئے اور میں برہنہ ہو جاؤں۔ تیسرے روز پھر مجھے طلب کیا گیا، میں نے دیکھا کہ دربار بھرا ہوا ہے۔ میں مختلف ڈیوڑھیاں اور مقامات طے کرتا ہوا آگے بڑھا۔ کچھ لوگ تلواریں لئے کھڑے تھے، کچھ لوگ کوڑے لئے۔ اگلے دونوں دنوں کے بہت سے لوگ آج نہیں تھے۔ جب میں معتصم کے پاس پہنچا تو کہا بیٹھ جاؤ۔ پھر کہا ان سے مناظرہ کرو اور گفتگو کرو۔ لوگ مناظرہ کرنے لگے۔ میں ایک کا جواب دیتا پھر دوسرے کا جواب دیتا۔ میری آواز سب پر غالب تھی۔ جب دیر ہو گئی تو مجھے الگ کر دیا اور ان کے ساتھ تخلیہ میں کچھ بات کہی، پھر ان کو ہٹا دیا اور مجھے بلایا۔ پھر کہا، احمد! خدا تم پر رحم کرے، میری بات مان لو، میں تم کو اپنے ہاتھ سے رہا کروں گا۔ میں نے پہلا سا جواب دیا۔ اس پر اس نے برہم ہو کر کہا کہ ان کو پکڑو اور کھینچو اور ان کے ہاتھ اکھیڑ دو۔ معتصم کرسی پر بیٹھ گیا اور جلادوں اور تازیانہ لگانے والوں کو بلایا۔ جلادوں سے کہا کہ آگے بڑھو، ایک آدمی آگے بڑھتا اور مجھے دو کوڑے لگاتا۔ معتصم کہتا زور سے کوڑے لگاؤ۔ پھر وہ ہٹ جاتا اور دوسرا آتا اور دو کوڑے لگاتا۔ انیس کوڑوں کے بعد پھر معتصم میرے پاس آیا اور کہا کیوں احمد اپنی جان کے پیچھے پڑے ہو، بخدا مجھے تمہارا بہت خیال ہے۔

Marfat.com

ایک شخص عجیف مجھے اپنی تلوار کے دستے سے چھیڑتا اور کہتا کہ تم ان سب پر غالب آنا چاہتے ہو۔ دوسرا کہتا کہ اللہ کے بندے! خلیفہ تمہارے سر پر کھڑا ہوا ہے۔ کوئی کہتا کہ امیرالمومنین آپ روزے سے ہیں اور آپ دھوپ میں کھڑے ہوئے ہیں۔ معتصم پھر مجھ سے بات کرتا اور میں اس کو وہی جواب دیتا۔ وہ پھر جلاد کو حکم دیتا کہ پوری قوت سے کوڑے لگاؤ۔ امام کہتے ہیں کہ پھر اس اثناء میں میرے حواس جاتے رہے۔ جب میں ہوش میں آیا تو دیکھا کہ بیڑیاں کھول دی گئی ہیں۔ حاضرین میں سے ایک شخص نے کہا کہ ہم نے تم کو اوندھے منہ گرا دیا، تم کو روندا۔ احمد کہتے ہیں کہ مجھ کو کچھ احساس نہیں ہوا۔

بے نظیر عزیمت واستقامت

اس کے بعد احمد بن حنبلؒ کو گھر پہنچا دیا گیا۔ جب سے وہ گرفتار کئے گئے، رہائی کے وقت تک اٹھائیس مہینے ان کو حبس میں گزرے۔ ان کو ۳۳۔۳۴ کوڑے لگائے گئے۔ ابراہیم ابن مصعب جو سپاہیوں میں سے تھے، کہتے ہیں کہ میں نے احمد سے زیادہ جری اور دلیر نہیں دیکھا۔ ان کی نگاہ میں ہم لوگوں کی حقیقت بالکل مکھی کی سی تھی۔ محمد بن اسماعیل کہتے ہیں کہ میں نے سنا ہے کہ ایسے کوڑے لگائے گئے کہ اگر ایک کوڑا ہاتھی پر پڑتا تو چیخ مار کر بھاگتا۔ ایک صاحب جو واقعہ کے وقت موجود تھے، بیان کرتے ہیں کہ امام روزے سے تھے، میں نے کہا بھی کہ آپ روزے سے ہیں اور آپ کو اپنی جان بچانے کے لئے اس عقیدہ کا اقرار کر لینے کی گنجائش ہے لیکن انہوں نے اس کی طرف التفات نہیں کیا۔ ایک مرتبہ پیاس کی بہت شدت ہوئی تو پانی طلب کیا۔ آپ کے سامنے برف کے پانی کا پیالہ پیش کیا گیا، آپ نے اس کو ہاتھ میں لیا اور کچھ دیر اس کو دیکھا، پھر بغیر پئے واپس کر دیا۔

صاحبزادہ کہتے ہیں کہ انتقال کے وقت میرے والد کے جسم پر ضرب کے نشان تھے۔ ابو العباس الرقی کہتے ہیں کہ احمد جب رقہ میں محبوس تھے تو لوگوں نے ان کو سمجھانا چاہا اور اپنے بچاؤ کرنے کی حدیثیں سنائیں۔ انہوں نے فرمایا کہ خباب کی حدیث کا کیا جواب ہے جس میں کہا گیا

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

Marfat.com

حضرت ابونعیم کا اعلان حق

۲۱۸ھ......۸۳۳ء میں خلق قرآن کا جو فتنہ اٹھا اس نے خلیفہ معتصم باللہ کے زمانے میں اور زیادہ شدت اختیار کر لی۔ معتصم کو اس معاملے میں بہت زیادہ غلو تھا۔ عباسی خلفاء نے اس عقیدے کو منوانے کیلئے مشاہیر علماء اور فقہاء پر بڑے مظالم توڑے۔ امام احمد بن حنبلؒ جیسی عظیم اور برگزیدہ ہستیوں کو ظلم وستم کا نشانہ بنایا گیا۔

معتصم کے زمانہ میں خلق قرآن کا اقرار جبراً لیا جاتا تھا۔ جو لوگ کمزور تھے وہ ان سخت سزاؤں کے مقابلہ میں نہ ٹک سکے اور انہیں اقرار کرنا پڑا لیکن جو عزیمت والے لوگ تھے انہوں نے اس فاسد عقیدہ کو قبول کرنے کی بجائے طوق وسلاسل اور دار ورسن کو ترجیح دی۔

حضرت ابونعیم فضل بن دکین بڑے بلند مرتبہ بزرگ اور تبع تابعین علماء میں سے تھے۔ انہیں بھی اس آزمائش سے گزرنا پڑا۔ یہ کوفہ میں تھے۔ حاکم کوفہ نے خلیفہ کے حکم سے کوفہ کے علماء کو خلق قرآن کا اقرار لینے کے لئے بلایا۔ ابن ابی حنیفہ، احمد بن یونس، ابوغسان اور ابونعیم کو طلب کیا گیا۔ حاکم کوفہ نے پہلے ابن ابی حنیفہ سے اقرار لیا پھر ابونعیم کی طرف مخاطب ہو کر کہا، دیکھ ابن ابی حنیفہ نے اس کا اقرار کر لیا ہے۔ میرا مشورہ ہے کہ اگر سزا سے محفوظ رہنا چاہتے ہو تو تم بھی اقرار کرلو۔ یہ سن کو ابونعیم رحمۃ اللہ علیہ نے نہایت غصہ کی حالت میں ابن ابی حنیفہ کو برا بھلا کہا، پھر والی کوفہ سے مخاطب ہو کر کہا:

> میں نے کوفہ میں کم وبیش سات سو شیوخ کو یہ کہتے سنا ہے کہ القراٰن کلام اللہ غیر مخلوق یعنی قرآن اللہ کا کلام ہے مخلوق نہیں۔ بس اے امیر! یہی میرا بھی عقیدہ ہے، میں اس کا برملا اعلان کرتا ہوں چاہے میرا سر تن سے جدا کر دیا جائے، میں اس اعلان کو اس وقت تک کرتا رہوں گا جب تک میری آخری سانس موجود ہے۔ (تاریخ بغداد جلد ۱۲ ص ۳۴۹)

Marfat.com

حضرت احمد بن نصر کی راہ حق میں شہادت

خلیفہ مامون اور معتصم باللہ کے دور خلافت میں خلق قرآن کے مسئلہ نے بہت شدت اختیار کی۔ یہ ایک فلسفیانہ مسئلہ تھا کہ قرآن اللہ کی مخلوق ہے یا اللہ کا کلام۔ ۲۲۷ھ...... ۸۴۲ء میں واثق باللہ خلیفہ ہوا تو وہ بھی اپنے باپ دادا کے عقیدے پر قائم رہا کہ قرآن اللہ کی مخلوق ہے اس لئے اس کو بھی مخلوق کی طرح فنا ہونا ہے۔ لیکن اولیاء اللہ اور محدثین اس عقیدے کے خلاف تھے۔ ان کا کہنا تھا کہ قرآن اللہ کا کلام ہے۔ واثق نے اس عقیدے کو منوانے کے لئے بڑے بڑے علماء اور محدثین کو سخت سزائیں دیں۔ واثق اسلامی عقیدے کے خلاف یہ بھی نہیں مانتا تھا کہ قیامت کے دن اللہ کے بندوں کو اللہ تعالیٰ اپنے دیدار سے مشرف فرمائے گا۔

اس وقت ایک بلند مرتبہ بزرگ حضرت احمد بن نصر تھے۔ یہ دولت عباسیہ کے مشہور نقیب مالک بن ہیثم کے پوتے اور امام مالک کے شاگرد تھے۔ یہ اہل سنت کے عقیدے پر بڑے مستحکم تھے۔ کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ کے خلاف کوئی بات پسند نہیں کرتے تھے۔ امر بالمعروف و نہی عن المنکر ان کا مقصد حیات تھا۔ جب واثق باللہ کو شیعیت اور عجمی فلسفیانہ عقائد سے متاثر ہوتے دیکھا تو انہوں نے اپنی جان کی پرواہ کئے بغیر خلیفہ واثق باللہ کی مخالفت شروع کی۔ وہ سمجھتے تھے کہ خلیفہ کی ذرا سی خفگی ان کی موت کا سبب بن سکتی ہے لیکن وہ یہ بھی جانتے تھے کہ ایسی موت انسان کو ابدی زندگی بخشتی ہے۔

وہ برسر عام واثق باللہ کو کافر، ملحد اور سور کہنے لگے۔ لوگوں نے انہیں سلطان کے عتاب سے ڈرایا مگر ان پر کوئی اثر نہ ہوا۔ ان کے معتقدوں میں ابو ہارون السراج اور ابو طالب نے باقاعدہ ایک تحریک شروع کی اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پر حضرت احمد بن نصر کی بیعت لی اور یہ طے کیا کہ ایسے ملحد بادشاہ سے نجات پانے کے لئے ایک مقررات کو تمام بغداد میں علم بغاوت بلند کر کے حکومت کا تختہ الٹ دیا جائے۔

مگر اس پروگرام کا خلیفہ کو پہلے ہی سے پتہ چل گیا۔ حضرت احمد بن نصر اور ان کے بہت سے معتقدین گرفتار کر لیے گئے۔ ان کو خلیفہ واثق باللہ کے سامنے پیش کیا گیا۔ واثق نے حضرت احمد کو

Marfat.com

قتل کرنے کے لئے کچھ بہانہ تلاش کرنا چاہا۔اس لئے اس نے عالموں کی مجلس منعقد کر کے بہت سے سوالات ان سے پوچھے۔

خلیفہ نے پوچھا، قرآن کے بارے میں تمہارا کیا عقیدہ ہے؟

حضرت احمد بن نصر نے جواب دیا،قرآن اللہ کا کلام ہےاور احمد بن نصر پاک صاف ہو کر قتل ہونے کے لئے تیار ہو کر آیا ہے۔

واثق نے پوچھا، کیا قرآن مخلوق نہیں ہے؟

حضرت احمد نے پھر وہی جواب دیا **القرآن کلام اللہ غیر مخلوق** یعنی قرآن اللہ کا کلام ہے اس کی مخلوق ہرگز نہیں۔

واثق نے اگلا سوال کیا، کیا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اپنا دیدار کرائے گا؟ تمہارا کیا خیال ہے؟

انہوں نے نے کہا، امیر المومنین! رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ تم لوگ قیامت کے دن اپنے رب کو اس طرح دیکھو گے جیسے صاف آسمان پر (بغیر بادلوں کے) چودھویں کا چاند دیکھتے ہو۔ میں اس حدیث پر پورا یقین رکھتا ہوں۔

اسحاق بن ابراہیم نے ٹوکا، احمد! تم یہ کیا کہہ رہے ہو؟

جواب دیا، وہی کہہ رہا ہوں جو آپ نے مجھ سے کہنے کو کہا۔

اسحاق بن ابراہیم اس جواب سے بہت بوکھلائے، کہا، میں نے تم سے ایسا کہنے کے لئے کب کہا تھا؟

تم نے مجھے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا مشورہ دیا تھا اور خلیفہ کو نصیحت کرنے اور نیک مشورہ دینے کو کہا تھا۔ میری نصیحت اور مشورہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی سنت کے خلاف کچھ کہا جائے نہ کیا جائے۔

واثق کو جب یقین ہو گیا کہ احمد بن نصر خلق قرآن اور رویت باری تعالیٰ میں اس کے عقیدے کے بالکل خلاف ہیں تو اس نے درباریوں کی رائے لی کہ ان کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے۔درباریوں میں اکثر چاپلوس اور خودغرض لوگ تھے جو بادشاہ کے مقصد کو سمجھ رہے تھے،اس

Marfat.com

لئے اکثر نے ان کے قتل کا مشورہ دیا۔

ابو عبداللہ ارمنی نے کہا، امیر المومنین اس کو قتل کر کے اس کا خون مجھے پلایئے۔ قاضی ابو داؤد نے کہا، امیر المومنین! یہ کافر ہو گیا ہے یا اس کے دماغ میں فتور آ گیا ہے، اس سے توبہ کرایئے۔

واثق باللہ ان کے قتل کا ارادہ کیے ہی بیٹھا تھا۔ حضرت احمد بن نصر بھی نہا دھو کر گھر سے قتل ہونے کی تیاری سے ہی نکلے تھے۔ چنانچہ یہی فیصلہ ہوا کہ ان کو قتل کیا جائے۔ واثق نے اسی مجلس میں اپنے ہاتھ سے حضرت احمد بن نصر کا سر قلم کیا۔ (بحوالہ مردان حق ۳۰۳)

منصور حلاج کے قتل پر اعلان حق

حضرت شیخ ابوالعباسؒ بن عطار (محمد بن سہیل بن عظام) بھی ایسے لوگوں میں تھے جنہوں نے منصور حلاج کے قتل کیے جانے کی مخالفت کی تھی۔ بہت سے صوفیاء اور مشائخ کو منصور حلاج کے قتل ہونے کا قلق تھا۔ جس وزیر نے حلاج کو قتل کرایا تھا وہ لوگوں سے فرداً فرداً ان کی رائے معلوم کرتا تھا کہ حلاج کا قتل جائز تھا یا نہیں۔ چنانچہ اس نے حضرت شیخ ابوالعباسؒ سے بھی پوچھا، حلاج کے بارے میں سوال کرنا۔

شیخ ابن عطاء نے نہایت بے باکی سے فرمایا، تمہارے پاس اس قدر مال و متاع ہے کہ ہر وقت اسی میں مشغول رہتے ہو اور اس کا بوجھ تم سے اٹھائے نہیں اٹھتا۔ پہلے لوگوں کا یہ مال جو تم نے ظلم و تعدی سے حاصل کیا ہے، لوٹا دو پھر مجھ سے حلاج کے بارے میں سوال کرنا کہ وہ واجب القتل تھا یا نہیں؟

شیخ کے اس سخت جواب پر وزیر بہت تلملایا۔ اس نے کہا، تم الٹے مجھ پر تعریض کر رہے ہو؟

اس ظالم نے جلاد کو حکم دیا، ان کے تمام دانت ایک ایک کر کے اکھاڑ لو۔ پھر یہ سب دانت ان کے سر میں ٹھونک دو۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا، ان کے تمام دانت اکھاڑ کر سر میں ٹھونک دیئے گئے۔ اس کی تکلیف سے ان کا انتقال ہو گیا۔

(نفحات الانس، مولانا عبدالرحمٰن جامی بحوالہ مردان حق ۲۰۹)

Marfat.com

احمد بن معذلؒ کی بیباکی

خلیفہ متوکل علی اللہ (۲۳۲ھ/۸۶۱ء ......تا...... ۲۴۷ھ/۸۶۱ء) علماء ومحدثین کا بڑا احترام کرتا تھا۔ اس کو صالحین اور اہل اللہ سے بہت عقیدت ومحبت تھی۔ اس لئے اس کے دربار میں اکثر علماء وفضلاء جمع رہتے تھے۔ ان میں سے بہت سے بزرگ ایسے تھے جو بادشاہ سے کسی طرح بھی مرعوب نہیں ہوتے تھے۔ وہ اس کو ہر وقت حق سے آگاہ کرنے کی کوشش کرتے رہتے تھے۔ حضرت احمد بن معذلؒ ایسے ہی بزرگ تھے۔

ایک دن خلیفہ متوکل نے بہت سے علماء کو اپنے دربار میں بلایا۔ ان میں حضرت احمد بن معذلؒ بھی تھے۔ سب لوگ دربار میں جمع تھے۔ جب متوکل مجلس میں آیا تو تمام لوگ کھڑے ہو گئے۔ لیکن احمد بن معذلؒ اس کے احترام میں کھڑے نہیں ہوئے۔ متوکل نے عبید اللہ سے پوچھا، کیوں عبید اللہ! کیا بن معذلؒ مجھے خلیفہ نہیں سمجھتے؟

بے شک سمجھتے ہیں، آپ کو خلیفہ نہ سمجھنے کی کون سی بات ہے؟ عبید اللہ نے کہا۔

پھر وہ میری آمد پر کھڑے کیوں نہیں ہوئے؟

عبید اللہ نہیں چاہتا تھا کہ حضرت احمد بن معذلؒ متوکل کے عتاب کا نشانہ بنیں اور ان کی جان کو خطرے میں پڑے۔ انہوں نے فوراً ایک بہانہ تراشا اور کہا، امیر المومنین! ضعیفی کی وجہ سے ان کی نگاہ کمزور ہے، وہ آپ کو پہچان نہیں سکے۔

احمد بن معذلؒ نے فرمایا:

> امیر المومنین! یہ غلط ہے، میری نگاہ ٹھیک ہے، میں اس لئے کھڑا نہیں ہوا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ جو حاکم اپنے احترام میں لوگوں کا کھڑا ہونا پسند کرے اس کا ٹھکانہ جہنم ہے۔

کس قدر بے باک دل اس ناتواں پیکر میں تھا
شعلہ گردوں نورد اک مشت خاکستر میں تھا

(اقبال) (تاریخ اسلام جلد اول بحوالہ مردان حق ۱۲۳)

Marfat.com

بادشاہ کا نصیحت پر انتقام

بنان حمال چوتھی صدی ہجری کے بزرگوں میں سے ہیں، اصل بغداد کے تھے لیکن مصر میں رہنے لگے تھے، عوام وخواص دونوں میں ان کی بڑی مقبولیت تھی۔ اللہ والوں کی محبت لوگوں کے دلوں میں ڈال دی جاتی ہے، وہ دلوں کے بے تاج بادشاہ ہوتے ہیں۔ حمال نے بادشاہ مصر ابن طولون کو ایک مرتبہ نصیحت فرمائی۔ ابن طولون تاب سخن نہ لا سکا اور ناراض ہو کر حکم دیا کہ انہیں خونخوار شیر کے سامنے ڈال دیا جائے۔

انسان اپنے جذبہ انتقام کی تسکین کے لئے سزا کے بھی عجیب طریقے ایجاد کرتا ہے۔ سزا کا جو طریقہ جس قدر سخت ہوگا، اس کے جذبہ انتقام کو اسی قدر ٹھنڈک پہنچے گی۔ بنان حمال کو خونخوار شیر کے سامنے ڈال دیا گیا۔ شیر لپکا، پھر رک کر ان کے جسم کو سونگھنے لگا۔ دیکھنے والے ان کے جسم کے چیرنے پھاڑنے کا نظارہ کرنا چاہتے تھے لیکن اے بسا آرزو کہ خاک شدہ۔ جب دیکھا کہ شیر انہیں کچھ نہیں کہہ رہا تب انہیں اس کے سامنے سے اٹھا دیا، اس سے بڑھ کر عجیب بات یہ ہوئی کہ جب ان سے پوچھا گیا کہ شیر کے سونگھتے وقت آپ کے دل پر کیا گزر رہی تھی؟ فرمانے لگے، میں اس وقت درندے کے جوٹھے کے متعلق علماء کے اختلاف کے بارے میں سوچ رہا تھا کہ اس جو جوٹھا پاک ہے یا ناپاک۔

(حلیۃ الاولیاج ۱۰ص ۳۲۴) بحوالہ کتابوں کی درسگاہ میں: ۴۸)

تلخ نوائی میری چمن میں گوارا کر

مشہور عباسی خلیفہ منصور ایک رات طواف کر رہا تھا کہ اچانک اس کے کان میں آواز پڑی، اے اللہ میں تیری ہی بارگاہ میں ظلم وزیادتی کے عام ہونے، حق اور اہل حق کے درمیان حرص وطمع کے داخل ہونے کا شکوہ کرتا ہوں۔

یہ سن کر خلیفہ منصور وہاں سے نکل کر مسجد کے ایک کونے میں آ کر بیٹھ گیا اور خادم کو حکم دیا کہ اس شخص کو میرے پاس حاضر کرو۔ اس شخص کو جب خلیفہ کا پیغام ملا تو اس نے دو رکعت نماز پڑھ کر

Marfat.com

استیلام رکن کیا اور خلیفہ کی خدمت میں حاضر ہو کر سلام عرض کیا۔ خلیفہ نے اس سے مخاطب ہو کر کہا، یہ ہم نے تمہیں کیا کہتے سنا کہ زمین میں ظلم و زیادتی عام ہو گئی ہے اور حق اور اہل حق کے درمیان حرص وطمع داخل ہو گئی۔ بخدا تمہاری اس بات سے ہمیں بڑی تکلیف ہوئی۔

اس شخص نے کہا، اے امیر المومنین! اگر جان کی امان پاؤں تو حقیقت حال عرض کروں؟ خلیفہ نے کہا، ہم نے تمہیں امان دی۔ وہ شخص کہنے لگا:

اے امیر المومنین! خود آپ ہی کی ذات حرص وطمع اور دنیوی لالچ کا شکار ہو گئی ہے۔ حرص وطمع کے اس مکروہ جذبے نے آپ کو ظلم وزیادتی کا سدباب کرنے سے روکے رکھا ہے۔

خلیفہ نے کہا، تیرا برا ہو، میرے اندر لالچ اور حرص کیوں کر داخل ہو سکتی ہے جب کہ میں سیاہ وسفید کا مالک ہوں اور سونا وچاندی میری مٹھی میں ہے؟ اس شخص نے کہا:

آپ جس طرح دنیوی اغراض و مفادات کا شکار ہوئے ہیں اس طرح کوئی دوسرا نہیں ہو سکتا۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے کندھے پر مسلمانوں کے جان و مال کی حفاظت کی ذمہ داری ڈالی ہے مگر آپ اس کی انجام دہی سے غفلت برت رہے ہیں اور مال و دولت جمع کرنے میں مگن ہیں۔ آپ نے چونے اور پکی اینٹوں کی دیواریں کھڑی کر کے، مضبوط آہنی دروازے لگا کر، مسلح پہرے دار اور دربان بٹھا کر مظلوموں پر اپنے دربار تک رسائی کی تمام راہیں مسدود کر دی ہیں۔ لوگوں سے ٹیکسوں کی شکل میں مال و دولت سمیٹنے کے لئے اپنے عمال کو کیل کانٹے سے لیس کر کے روانہ کر رکھا ہے، آپ کی رعایا میں صرف مخصوص طبقے کو ہی دربار شاہی میں شرف باریابی کا پروانہ حاصل ہے، کمزوروں، غریبوں اور ستم رسیدہ لوگوں کے لئے آپ کے دروازے بند ہیں۔ یہ طبقہ اشرافیہ جسے آپ کا تقرب حاصل ہے اور جسے دربار میں بلا روک ٹوک رسائی حاصل ہے، جب آپ کو مال و دولت تقسیم کرنے کی بجائے دونوں ہاتھوں سے سمیٹتا دیکھتا ہے تو اسے وجہ جواز بنا کر خود اس بندر بانٹ کے ارتکاب

پر کمر بستہ ہو جاتا ہے اوراس بات کا اہتمام کرتا ہے کہ اس کی مرضی کے بغیر لوگوں کے اس احوال کی صحیح خبر آپ تک پہنچنے نہ پائے۔ اگر اقتدار میں موجود کوئی نیک بندہ اس طبقے کی غلط روش کی مخالفت کرے تو اس پر الزام تراشیاں اور دشنام طرازیاں کر کے ذلیل ورسوا کرنے کا کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا جاتا اور جب وہ راہ سے ہٹ جاتا ہے تو لوگ اس طبقے کی ہیبت اور اثر ورسوخ سے مزید مرعوب ہو جاتے ہیں اوراس سے نباہ رکھنے کے لئے مال ودولت اور ہدایا کا سہارا لیتے ہیں۔ اس طرح اس طبقہ کے لوگ رعایا پر ظلم کرنے میں پہلے سے زیادہ مستعد ہو جاتے ہیں۔

یہی حال ان لوگوں کا ہے جو اثر ورسوخ اور جاہ ومرتبہ کے مالک ہیں۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ شہر ظلم وزیادتی اور فساد کی آماجگاہ بن گئے ہیں، طبقہ اشرافیہ کے افراد عملاً آپ کی سلطنت میں شریک ہو گئے ہیں جبکہ آپ اس ساری صورتحال سے بے پرواہ ہیں۔ جب کوئی مظلوم ظلم کی شکایت لے کر آپ کے دربار میں آنا چاہتا ہے تو اس کی راہ روکی جاتی ہے اور اگر آپ کے باہر آنے پر اپنا مقدمہ آپ کے سامنے پیش کرنے کا ارادہ کرے تو آپ کا اتنا کہہ دینا اسے مایوسی کے غار میں دھکیلنے کے لئے کافی ہے کہ یہ وقت فریاد سننے کا نہیں۔ اسی طرح اگر آپ ظالموں کے احتساب کے لئے کوئی محتسب مقرر کریں اور مقربین کو خبر ہو جائے تو وہ اسے مجبور کرتے ہیں کہ ان کی شکایات آپ تک نہ پہنچائے۔ وہ بے چارہ ان کے خوف سے زبان بند رکھتا ہے اور یوں مظلوم شخص شکوہ ظلم لئے اس کے یہاں چکر پر چکر لگاتا ہے مگر کچھ شنوائی نہیں ہوتی۔ آخر کار جب ہر طرف سے تنگ آکر وہ آپ کے نکلنے پر بے اختیار تڑپ کر فریاد کرتا ہے تو اسے اذیت ناک سزا دے کر دوسروں کے لئے نمونہ عبرت بنا دیا جاتا ہے۔ یہ سب کچھ آپ کی نگاہوں کے سامنے ہوتا ہے مگر آپ کی پیشانی پر بل تک نہیں آیا، کیا یہی اسلام ہے؟

اے امیر المومنین! میرا ملک چین آنا جانا رہتا تھا، ایک مرتبہ میں وہاں گیا تو معلوم ہوا کہ بادشاہ کی قوت سماعت جواب دے گئی ہے اور وہ کانوں سے بہرہ ہو گیا ہے۔ اس دن بادشاہ نے بھری مجلس میں دھاڑیں مار مار کر رونا شروع کر دیا۔ اہل مجلس اس مصیبت پر صبر کرنے کی تلقین کرنے لگے تو اس نے سر اٹھایا اور کہا، میرا رونا اس لئے نہیں کہ مجھ پر مصیبت پڑی ہے، میں تو اس مظلوم کے غم میں رو رہا ہوں جو ظالم کے خلاف فریاد لے کر میرے در پر دستک دے گا مگر میں سن نہ پاؤں گا۔ کچھ دیر ٹھہر کر کہنے لگا، خیر، اگر سماعت چلی گئی مگر آنکھیں تو سلامت ہیں، جاؤ رعایا میں اعلان کرا دو کہ آج کے بعد ملک میں مظلوم فریادی کے سوا کوئی سرخ کپڑے نہ پہنے تاکہ مظلوم کے سرخ کپڑے دیکھ کر میں اس کی دادرسی کر سکوں۔ پھر وہ ہاتھی پر سوار ہو کر نکل کھڑا ہوتا اور مظلوموں کی دادرسی کرتا۔

امیر المومنین! اس بادشاہ نے مشرک ہونے کے باوجود اپنی قوم کے ساتھ ہمدردی کو ذاتی مفاد پر مقدم رکھا اور ایک آپ ہیں کہ خدائے واحد پر ایمان رکھنے اور رسول اللہ ﷺ کے اہل بیت کا فرد ہونے کے باوجود اپنی خواہش نفس کو مسلمان رعایا کی خیر خواہی پر قربان نہیں کر سکتے۔ اگر تو آپ مال و دولت اپنے بیٹے کے لئے جمع کر رہے ہیں تو دنیا میں جو بچہ بھی آتا ہے اس کا کوئی مال و متاع نہیں ہوتا مگر خدائے بزرگ و برتر کا سایہ عاطفت مسلسل اس پر دراز ہوتا چلا جاتا ہے، یہاں تک کہ لوگ اس بچے کی عظمت کے گن گانے لگتے ہیں۔ آپ کسی کو کچھ نہیں دے سکتے اور اللہ جس کو جو چاہے عطا فرماتا ہے۔ اور اگر مال و دولت جمع کرنے سے آپ کا مقصد سلطنت کی مضبوطی اور استحکام ہے تو بنو امیہ کی مثال اور تاریخ آپ کے سامنے ہے کہ ان کا جمع کردہ لاؤ لشکر اور مال و دولت ان کے کسی کام نہ آیا، اللہ تعالیٰ آپ کے ساتھ جیسا معاملہ کرنا چاہے گا، اسے کوئی روک نہیں سکتا اور نہ ہی مال و دولت کے انبار لگا کر آپ اپنے

موجودہ رتبے سے بلند کوئی مرتبہ حاصل کر سکتے ہیں۔

اے امیر المومنین! کیا اپنی نافرمانی کرنیوالے کو آپ قتل سے بڑھ کر کوئی سزا دے سکتے ہیں؟

خلیفہ نے کہا نہیں۔ اس شخص نے کہا:

تو پھر آپ کا اس بادشاہ کے بارے میں کیا خیال ہے جس نے آپ کو دنیا کی بادشاہت سے سرفراز فرمایا اور وہ اپنے نافرمان کو قتل نہیں بلکہ دائمی دردناک عذاب کی سزا دیتا ہے، وہ بخوبی واقف ہے کہ کس چیز کی محبت میں آپ کا دل جکڑا ہوا ہے اور وہ کیا چیز ہے جو آپ کا مطمح نظر قرار پائی ہے کہ اسی کے حصول کے لئے آپ کے ہاتھ بڑھتے ہیں اور قدم اٹھتے ہیں۔ دنیا کی جس بادشاہت پر آپ فریفتہ ہیں، کیا وہ اس وقت آپ کے کام آسکے گی جب وہ قادر مطلق ذات اسے آپ سے چھین لے گی اور آپ کو حساب کے لئے لا کھڑا کر دے گی۔

اس شخص کی باتیں سن کر خوف آخرت سے خلیفہ منصور کی آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگ گئی، بے اختیار اس کی زبان سے نکلا، کاش! میں پیدا ہی نہ ہوتا۔ پھر اس شخص سے مخاطب ہو کر کہنے لگا، اچھا اب تم ہی کوئی تدبیر بتاؤ کہ میں کیا کروں۔ وہ شخص کہنے لگا:

اے امیر المومنین! دنیا میں کچھ ہستیاں ایسی بھی ہوتی ہیں جن کی طرف لوگ اپنے دینی معاملات میں رجوع کرتے ہیں اور ان کی رہنمائی سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ آپ بھی ایسے ہی لوگوں کو اپنا مقرب بنائیے، وہ آپ کی درست رہنمائی کریں گے، اپنے معاملات میں ان سے مشورہ لیجئے، وہ آپ کو لغزش سے بچائیں گے۔

خلیفہ نے کہا، میں نے اس کی کوشش کی تھی مگر وہ مجھ سے دور بھاگتے ہیں۔ اس شخص نے کہا:

انہیں اس بات کا ڈر ہے کہ کہیں آپ انہیں اپنی راہ پر چلنے کے لئے مجبور نہ کریں، آپ اپنے دروازے کھلے رکھیں، رکاوٹیں ہٹا دیں، مظلوم کے ساتھ

Marfat.com

انصاف کریں اور ظلم کا خاتمہ کریں، غنیمت اور صدقات کا مال وصول کر کے ضرورت مند اور مستحقین میں عدل و انصاف کے ساتھ تقسیم کریں تو میں آپ کو ضمانت دیتا ہوں کہ وہ ہستیاں آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر امت کی فلاح و بہبود کے لئے آپ کے ساتھ تعاون کریں گی۔

گفتگو جاری تھی کہ اس دوران مؤذن نے آ کر سلام کیا اور اذان دی۔ خلیفہ منصور نماز پڑھ کر اپنی مجلس میں چلا آیا اور اس شخص کو بلانے کے لئے آدمی بھیجا تو تلاش کے باوجود اس کا کوئی سراغ نہ مل سکا۔ (عیون الاخبار جلد۲ ص۳۳۳ بحوالہ کتابوں کی درسگاہ میں: ۸۰)

اظہار حق کی خاطر جاں فروشی

ابراہیم بن میمون صائغ مروزی دوسری صدی ہجری کے فقہاء و علماء میں ممتاز درجہ رکھتے تھے۔ ابو مسلم خراسانی نے جب عروج و اقتدار حاصل کر کے خلفائے بنو امیہ اور ان کے طرف داروں کو تنگ کرنا بلکہ بے دریغ قتل کرنا شروع کیا تو ابراہیم ابن میمون اس جور و تشدد کے دیکھنے کی تاب نہ لا کر اس کے پاس گئے اور خون ناحق سے باز رکھنا چاہا۔

ابو مسلم خراسانی اپنے پورے زور پر تھا۔ وہ بنی امیہ کا نام و نشان مٹا کر بنی عباس کی سلطنت قائم کرنا چاہتا تھا۔ اس نے ابراہیم کی ایک نہ سنی بلکہ انہیں قید کر دیا۔ تمام فقہاء اور علماء جمع ہوئے۔ ایک وفد کی صورت میں ابو مسلم کے پاس گئے اور کہہ سن کر رہا کرا لائے۔

چونکہ ابو مسلم بنو امیہ کے آدمیوں کو بے انتہا تکلیفیں دیتا اور ان کے بے تعداد آدمیوں کو قتل کرتا تھا اور کوئی اس کے آگے دم نہ مار سکتا تھا۔ اس لئے ابراہیم نے کہ حق گوئی ان کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی، ابو مسلم کو پھر سرزنش کی۔ ابو مسلم نے ان کو گرفتار کرا کے بمقام مرو ۱۳۱ھ یا ۱۳۲ھ میں قتل کرا دیا۔ ابن مبارک کہتے ہیں کہ جب آپ کے شہید ہونے کی خبر امام ابو حنیفہؒ کو پہنچی تو وہ زار زار رونے لگے۔ (حدائق الحنفیہ حدیقہ دوم ص ۱۰۸)

Marfat.com

لالچی شخص حق گوئی کی جرأت نہیں رکھتا

منصور کے پاس چند زہاد آئے، ان میں سے ایک نے کہا، خدا نے تمام دنیا تجھے عطا کردی ہے، کچھ حصہ زمین کے بدلے تھوڑی سی آخرت کی آسائش بھی خرید لے۔ اس رات کو بھی کبھی یاد کرلیا کر جس کے بعد کوئی رات نہ آئے گی۔

منصور یہ سن کر خاموش ہوگیا اور حکم دیا کہ ان کو کچھ انعام دیا جائے۔

انہوں نے کہا، جس کو انعام لینے کی خواہش ہوتی ہے اس کو بادشاہوں سے ایسا کلام کرنے کی جرأت نہیں ہوتی۔ (تاریخ اسلام کے ناقابل فراموش واقعات: ۱۴۴)

قید خانہ میں جانا قبول کیا مگر ایمان فروشی نہیں کی

امام ابو یوسفؒ کے اصحاب میں بشر ابن الوحید ابن خالد کندی ایک بہت بڑے فقیہہ اور محدث گزرے ہیں۔ معتصم باللہ خلیفہ بغداد کے زمانہ میں آپ بغداد کے قاضی مقرر ہوئے۔ حکم کے باب میں بڑے سخت تھے۔ ذہبیؒ کہتے ہیں کہ اگر معتصم علماء کو مسئلہ خلق قرآن کے ماننے کے سلسلہ میں تکلیف نہ دیتا تو سب سے بڑا خلیفہ ہوتا۔ معتصم نے بشر ابن الوحید کو بھی کہا بلکہ مجبور کیا کہ وہ خلق قرآن کے قائل ہوں۔

آپ نے کہا، میں بادشاہ کو خوش کرنے کے لئے اپنے ضمیر کا خون کر کے اپنے عقیدہ کو نہیں بدل سکتا۔ میں ایمان فروش نہیں کہ عہدہ یا کسی اور لالچ کے لئے ناجائز طور پر بادشاہ کو خوش کر دوں۔

خلیفہ نے آپ کو نہ صرف عہدہ سے ہٹا دیا بلکہ قید خانہ میں ڈال دیا۔ (حدائق الحنفیہ: ۱۷۷)

خلیفہ واثق باللہ کے روبرو ایک قیدی کی حق گوئی

ابن داؤد کے کہنے سے خلیفہ واثق باللہ مسلمانوں پر مسئلہ خلق قرآن کے متعلق بہت سختی کرتا تھا یہاں تک کہ مساجد کے اماموں اور مؤذنوں کا اس مسئلہ میں امتحان لیا جاتا تھا۔

۲۳۱ھ میں اس نے سولہ سو مسلمان قیدیوں کو بادشاہ روم کی قید سے نجات دلائی اور حکم دیا کہ

ان میں سے جو قیدی مسئلہ خلق قرآن مان لے اس کو دو دینار دے کر رخصت کر دیا جائے، جو نہ مانے اس کو زندان میں ڈال دو۔ چنانچہ ان قیدیوں میں ایک شخص مسمی بہ آہن تھا۔ جب وہ پیش ہوا تو اس نے ابن داؤد سے کہا، جو تمہاری رائے ہے اور جس کی طرف تم لوگوں کو زبردستی اور لالچ سے بلاتے ہو، اس کا علم رسول کریم ﷺ کو بھی تھا یا نہیں؟ اور اگر تھا تو آپ ﷺ نے لوگوں کو اس مسئلہ کی طرف کیوں نہ بلایا؟

ابن داؤد نے کہا کہ آنحضرت ﷺ کو اس کا علم تھا۔

قیدی نے کہا، جو کام رسول کریم ﷺ نے نہیں کیا (یعنی تشدد، سختی، قید اور قتل) تم کیوں کرتے ہو۔ جو کام حضور اکرم ﷺ نے ناجائز سمجھا اس کو تم نے کس طرح جائز قرار دے دیا۔

کہتے ہیں یہ باتیں سن کر سب لوگ حیران رہ گئے۔ واثق باللہ اپنے سینہ پر ہاتھ رکھے ہوئے محلات کے اندر چلا گیا۔ بار بار کہتا تھا، جس بات کو رسول کریم ﷺ نے ناجائز قرار دیا اس کو ہم جائز سمجھ رہے ہیں، جس معاملہ میں آپ ﷺ نے خاموشی اختیار کی ہم اس میں سختی کر رہے ہیں۔

قیدی کو تین سو دینار دیئے اور اس کو وطن واپس کر دیا اور پھر کبھی کسی کو اس مسئلہ کے متعلق تکلیف نہ دی بلکہ اسی دن سے ابن داؤد سے ناراضگی بڑھ گئی۔

(تاریخ الخلفاء، تاریخ اسلام کے ناقابل فراموش واقعات:۱۸۳)

قاضی یحییٰ ابن اکثم کی حق گوئی

خلیفہ مامون (۱۹۸ھ ۸۱۳ء تا ۲۱۸ھ ۸۳۳ء) کی ماں ایرانی نسل سے تھی۔ اس لئے عجمی لوگ اس کے بڑے حامی اور مددگار تھے۔ ایران میں شیعیت کو پنپنے کا موقع خوب ملا تھا۔ انہوں نے خلیفہ مامون پر بھی اس کا اچھا اثر چھوڑا تھا۔ اس نے بہت سے شیعہ عقائد کو اپنایا، متعہ کو عام کرنے کی کوشش کی اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تفضیل یعنی ان کو حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما پر فوقیت دینے کی بات بھی اکثر اس سے سنی گئی۔ خلیفہ مامون اپنے عقائد کے نہ ماننے والوں کے خلاف تشدد پر اتر آتا تھا۔ اس نے خلق قرآن کا عقیدہ نہ ماننے والے لوگوں کو قتل و قید کی

Marfat.com

سخت سزائیں دیں۔ وہ لوگوں سے جبراً اپنا عقیدہ منواتا تھا۔

جب مامون نے متعہ کو عام کرنے کی کوشش کی تو اہل سنت والجماعت کو بڑی فکر ہوئی۔ انہوں نے قاضی یحییٰ بن اکثم کے سامنے یہ مسئلہ رکھا۔ قاضی صاحب بڑے بہادر اور حق گو شخص تھے۔ وہ مامون کے دربار میں جا پہنچے۔ اتفاق سے اس وقت متعہ کا موضوع ہی زیر بحث تھا۔ مامون کہہ رہا تھا، ''رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کے زمانے میں دو متعہ تھے لیکن حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو روک دیا۔ لیکن جب کسی چیز کی اجازت رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کے زمانے میں رہی ہو اس کو روکنے کا کسی کو کیا حق ہے؟'' قاضی صاحب یہ بات سنتے ہوئے پہنچے تو ان کے چہرے کی کیفیت بدل گئی۔ مامون نے یہ کیفیت دیکھی تو پوچھا، ''یحییٰ! آج تمہارا رنگ کیوں بدلا ہوا ہے؟

قاضی یحییٰ نے کہا، امیر المومنین ایک عظیم سانحہ ہو گیا۔

سانحہ! کیسا سانحہ؟ خلیفہ نے حیرت سے پوچھا۔

اسلام میں رخنہ پڑ گیا۔ قاضی صاحب نے بتایا۔

مامون نے پوچھا، وہ کیا؟

کہا، یہ کہ زنا جائز کر دی گئی، حرام کے حلال ہونے کا اعلان ہو گیا۔

خلیفہ نے تعجب سے پوچھا، زنا! حرام! جائز! یحییٰ تم یہ کیا کہہ رہے ہو، یہ کیسے ممکن ہے؟

قاضی یحییٰ نے کہا، امیر المومنین! متعہ زنا نہیں تو اور کیا ہے، کتاب اللہ اور حدیث رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے کہ صرف دو عورتوں بیوی اور لونڈی (غلام عورت) کے علاوہ کسی سے تمتع جائز نہیں۔ کلام اللہ میں ہے:

وَالَّذِیْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ○ اِلَّا عَلٰی اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَامَلَكَتْ اَیْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَیْرُ مَلُوْمِیْنَ ○ فَمَنِ ابْتَغٰی وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ○ (المعارج: ۲۹ – ۳۱)

''اور جو لوگ اپنی بیویوں اور شرعی لونڈیوں کے علاوہ (باقی تمام عورتوں سے) اپنی شرمگاہوں کو محفوظ رکھتے ہیں ان پر کوئی ملامت نہ ہو گی۔ ہاں جو اس کے

Marfat.com

علاوہ (کسی اور طرح کی شہوت رانی کا) طلبگار ہوگا ایسے لوگ شرعی حد کو توڑنے والے ہیں۔"

امیر المومنین! حضرت علیؓ سے یہ روایت ہے کہ "مجھ کو رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ میں متعہ جس کی آپ ﷺ نے پہلے اجازت دی تھی حرام ہونے کی منادی کرادوں۔"

قاضی یحییٰ کے اس استدلال کے بعد مامون قائل ہوگیا۔ اس نے اپنے فعل پر استغفار کیا اور متعہ کے حرام ہونے کی منادی کرائی۔ (تاریخ خطیب جلد ۱۴، مردان حق: ۱۳۰)

ابن السکیت کی سرفروشانہ حق گوئی

خلیفہ متوکل کے زمانہ میں ابن السکیت جن کا اصل نام اسحاق تھا، ایک بہت بڑے عالم شاعر گزرے ہیں۔ انہوں نے شعر، لغت، معانی، منطق میں بہت سی کتابیں تصنیف کی ہیں۔ خلیفہ متوکل عباسی کو حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور ان کی اولاد سے عداوت تھی۔ اسے معلوم ہوا کہ ابن السکیت حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور ان کی اولاد کا نام ادب سے لیتے ہیں۔ بلایا۔ ابن السکیت بھی تاڑ گئے کہ آج خیر نظر نہیں آتی۔ احمد بن عبید ایک اور عالم ان کے پاس تھے، انہوں نے کہا کہ زمانہ سازی سے کام لے کر اپنی جان بچالو۔

ابن السکیت نے کہا، یہ کس طرح ہوسکتا ہے کہ رسول کریم ﷺ کے جانشین، ان کے داماد اور عزیز اور خاندان رسالت کے نونہالوں کو خواہ مخواہ گالیاں دے کر زبان کو ناپاک اور نامہ اعمال کو سیاہ کردوں۔ آخر ابن السکیت دربار میں گئے۔

خلیفہ نے کہا، میرے لڑکے افضل ہیں یا حسنؓ اور حسینؓ؟

ابن السکیت نے کہا، وہ دونوں تیرے بیٹوں سے افضل ہیں اور حضرت علیؓ کا غلام قنبر تجھ سے اور ان سے بہتر ہے۔

خلیفہ متوکل بہانہ ہی تلاش کرتا تھا۔ کہا، جس زبان سے اس نے علیؓ اور اس کے بیٹوں کی تعریف کی ہے، اس کو کھینچ کر باہر نکال دو۔ چنانچہ فوراً تعمیل کی گئی۔ دوسرے دن بعمر ۵۵ سال ۲۴۳ھ رجب کے مہینہ میں یہ حق گو شاعر اور حسن عمل کا سرمایہ دار عالم اس دردناک عذاب کی

Marfat.com

تکلیف برداشت نہ کر کے انتقال کر گیا۔ (تاریخ اسلام کے ناقابل فراموش واقعات:۱۸۵)

امام بخاریؒ کی آزادانہ گفتگو امیر بخارا سے

امام بخاریؒ جب جامع علوم وفنون ہو کر اپنے وطن واپس ہوئے تو شہر کے لوگوں نے دھوم دھام سے آپ کا استقبال کیا یہاں تک کہ دینار و درہم آپ پر نثار کیے گئے۔

جاہ طلب اور دین فروش لوگ ہر جگہ ہوتے ہیں اور ہر مقبول ومحبوب آدمی محسود ضرور ہوتا ہے۔ اس لئے اکثر علماء نے امیر بخارا (خالد بن احمد الذہلی) کو آپ کی عزت وعظمت سے خوف دلایا۔ بظاہر ناراضگی کی کوئی وجہ نہ تھی، اس لئے امیر نے امام صاحب کے پاس اپنا آدمی بھیجا کہ آپ اپنی کتاب بخاری شریف اور تاریخ مجھے آ کر سنا جایا کریں۔

آپؒ نے فرمایا:

امیر سے کہہ دو کہ میں علم دین کو ذلیل نہیں کر سکتا کہ سلاطین اور امراء کے دروازوں پر لیے پھروں۔ اگر امیر کو علم حدیث کی ضرورت ہے، خواہش ہے تو وہ میرے مکان یا میری مسجد میں آ کر لوگوں کے ساتھ پڑھا کرے کیونکہ حدیث رسول ﷺ امراء وسلاطین کے لئے نہیں بلکہ عام مسلمانوں کے لئے بھی ہے، بلکہ یہ بھی لکھا کہ حدیث کی عزت کرو اور عوام کے ساتھ آ کر پڑھو تاکہ اور لوگوں کو بھی تمہاری پیروی کی جرأت ہو اور اس کا ثواب تمہیں حاصل ہو۔

امیر آپ کے اس بے باکانہ جواب سے بہت ناراض ہوا اور آپ کو بخارا سے جلاوطن کر دیا۔ آپ وہاں سے خنک مضافات سمرقند میں چلے گئے اور تھوڑے ہی عرصہ کے بعد آپ نے اسی جگہ انتقال فرمایا۔ خلیفہ بغداد المتوکل کے بھائی الموفق بن المتوکل نے امیر بخارا کو جب وہ حج سے فارغ ہو کر بغداد میں آیا تو اسے قید کر لیا اور وہ اسی قید کی حالت میں مر گیا۔

(تاریخ اسلام کے ناقابل فراموش واقعات:۱۸۶)

سر دربار حضرت شہاب الدین سہروردی کی حق گوئی

دنیائے تصوف میں حضرت خواجہ شہاب الدین سہروردی کا نام روز روشن کی طرح ظاہر ہے۔

جس زمانہ میں خلیفہ ناصر الدین باللہ (۵۷۵ھ تا ۶۲۲ھ) خلافت بغداد پر متمکن تھا، سلطان محمد خوارزم شاہ نے بغداد پر چڑھائی کا ارادہ کیا۔ خلیفہ نے حضرت خواجہ صاحب کو مسلمانوں کے خون ناروا سے منع کرنے اور مصالحت کی داغ بیل ڈالنے کے لئے خوارزم شاہ کے پاس بھیجا۔

جب خواجہ صاحب خوارزشاہ کے پاس گئے تو دیکھا کہ بڑے نخوت وتکبر سے وہ مسند زریں پر بیٹھا ہے اور اس کی تین لاکھ فوج مرنے مارنے پر تیار ہے۔ ننگی تلواروں کے پہرے ہیں اور ہیبت و جلال کا ایک رعب ہے کہ در و دیوار سے ظاہر ہو رہا ہے۔

حضرت خواجہ ان لوگوں میں سے نہیں تھے کہ باطل کی پرستش کے لئے حق کو چھوڑ دیتے۔ انہوں نے نہ کورنش ادا کی نہ مجرا بجالائے، نہ زمین بوسی کی نہ سجدہ کیا۔ بلکہ کیا تو یہ کیا کہ باوجود خوارزم شاہ کی اس شان وشوکت اور دھوم دھام کے ہرسم سنت السلام علیکم کہا۔ خوارزم شاہ نے اس سلام کو کہ سلام مسنون تھا، ترک ادب پر محمول کیا۔ نہ جواب دیا نہ ہی بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

خواجہ نے کھڑے کھڑے بغیر کسی خوف یا رعب کے عربی میں خطبہ پڑھا اور آل عباس کی بالعموم اور ناصر الدین باللہ کی بالخصوص تعریف فرمائی اور ایک حدیث کی طرف اشارہ کیا کہ آل عباس کا ستانا منع ہے۔

خوارزم شاہ نے کہا، جو کچھ کہتے ہو سب خلاف واقعہ ہے۔ ہم بغداد پر کسی قابل خلیفہ کو تخت پر بٹھانا چاہتے ہیں۔

حضرت خواجہ صاحب نے مسلمانوں کے اس قتل وخون سے منع کیا اور بہت کچھ سمجھایا مگر اس متکبر ومغرور نے ایک نہ سنی۔ آخر کار چڑھائی کر ہی دی۔ خدا کی قدرت سے راستے میں بوجہ برفباری اس کے لشکر کا برا حال ہوا۔ کسی کے ہاتھ پاؤں رہ گئے، کسی کو فالج اور کسی کو لقوئی ہو گیا۔ ہزار ہا جانور ضائع ہو گئے۔ مجبور ہو کر الٹے پاؤں واپس لوٹا۔

(تاریخ اسلام کے ناقابل فراموش واقعات: ۱۸۷)

Marfat.com

حق گو اور حریت پسند اہل دربار

۲۸۴ھ میں خلیفہ معتضد باللہ نے ارادہ کیا کہ امیر معاویہؓ پر برسر منبر لعنت کی جائے۔ وزیر عبداللہ نے منع کیا کہ سوتے فتنے کو جگانا اچھا نہیں۔ لوگوں میں شورش ہوگئی تو سنبھالنا مشکل ہو جائے گا۔ مگر خلیفہ نے نہ مانا اور احکام جاری کر دیئے۔

قاضی یوسف نے جب سنا تو دوڑے آئے اور ہر چند کہ جانتے تھے کہ جب خلیفہ نے اپنے وزیر کا کہنا نہیں مانا تو میری کیا سنے گا، لیکن اس حکم کا نتیجہ چونکہ وہ ملک اور مالک دونوں کے لئے برا سمجھتے تھے، اس لئے خلیفہ سے کہہ ہی دیا کہ آپ وہ غلطی کر رہے ہیں جس کی اصلاح بعد میں نہ ہو سکے گی۔ چاروں طرف آگ لگ جائے گی اور بجھائے نہ بجھے گی۔

خلیفہ نے کہا، اس آگ کو آب شمشیر سے بجھاؤں گا۔

قاضی نے پھر کہا، جوش اور غصہ اور ضد کا یہ وقت نہیں ہے۔ سلطنت کو بیٹھے بٹھائے آپ مصیبت میں پھنسا رہے ہیں۔

خلیفہ نے یہ سن کر تھوڑی دیر غور کیا اور اپنے احکام منسوخ کر دیئے۔

(تاریخ اسلام کے ناقابل فراموش واقعات: ۱۹۲)

ابوالحسین نوری کی حق گوئی

ابوالحسین نوری (خلیفہ معتضد باللہ کے زمانہ کے بہت بڑے عالم) ایک دفعہ دریا میں سفر کر رہے تھے۔ کشتی میں بہت سے مٹکے دیکھے۔ ملاح سے پوچھا، ان میں کیا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ شراب ہے اور خلیفہ معتضد باللہ نے منگوائی ہے۔

ابوالحسین نے لکڑی لے کر ایک ایک مٹکے کو توڑنا شروع کیا۔ تمام حاضرین تھرا گئے کہ دیکھئے کیا غضب ہوتا ہے۔

معتضد کو خبر ہوئی تو اس نے ابوالحسین کو پکڑ کر بلایا۔ یہ گئے تو معتضد ہاتھ میں گرز لیے بیٹھا تھا۔ ان کو دیکھکر پوچھا، تو کون ہے؟ انہوں نے جواب دیا، محتسب۔

Marfat.com

معتضد نے کہا، تجھ کو محتسب کس نے مقرر کیا؟

انہوں نے فرمایا، جس نے تجھ کو خلیفہ مقرر کیا۔ (تاریخ اسلام کے ناقابل فراموش واقعات:۱۹۳)

قید منظور مگر فتویٰ پر دستخط نہیں کیے

بکار ابن قتیبہ بن اسد بصری جو ۱۸۲ھ میں پیدا ہوئے، محدث اور فقیہہ ہونے کے علاوہ مصنف بھی تھے۔ تاریخ خلکان میں لکھا ہے کہ احمد طولون حاکم مصر آپ کو علاوہ تنخواہ کے (آپ مصر کے قاضی بھی تھے) ہزار دینار سالانہ بطور ہدیہ دیا کرتا تھا۔ آپ تنخواہ اپنے اخراجات میں لے آتے اور ہدیہ سر بمہر بحفاظت رکھ دیا کرتے۔ ایک مرتبہ حاکم مصر احمد ابن طولون نے قاضیوں اور اعیان سلطنت کو جمع کیا اور کہا، الموفق نے امیر المومنین المعتمد علی اللہ بن المتوکل کو قید کر رکھا ہے، اس لئے موفق کو ولی عہدی سے معزول کرنے کا فتویٰ لکھ دو۔

سوائے قاضی بکار بن قتیبہ کے سب نے اتفاق کیا۔ قاضی بکار نے کہا:

آپ نے پہلے میرے سامنے معتمد کا وہ فرمان رکھا جس کے ذریعے موفق ولی عہد بنایا گیا۔ اب آپ اپنے حکم سے معزولی کا فرمان لکھوانا چاہتے ہیں جب تک معزولی کا فرمان بھی معتمد ہی کی طرف سے نہ ہو میں حکم نہیں دے سکتا۔

ابن طولون نے کہا، معتمد اس وقت قید میں ہے اور فرمان لکھنے سے معذور ہے۔

قاضی نے کہا، جب اظہار حق کے معاملے میں وہ اس قدر کمزور ہے تو مجھے بھی معذور سمجھا جائے۔

ابن طولون نے قاضی کو بہت کچھ سخت سست کہا۔ مگر انہوں نے دستخط کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ ابن طولون نے خفا ہو کر زندان میں ڈال دیا اور طعن کے طور پر کہا، اگر تم ایسے ہی ایماندار اور با اصول ہو تو تنخواہ کے علاوہ جو روپیہ لیتے رہے ہو، وہ کس بات کا عوض تھا، وہ روپیہ واپس دے دو۔

بقول صاحب تاریخ الخلفاء، یہ عطیات دس ہزار اور بقول صاحب حدائق الحنفیہ اٹھارہ ہزار دینار تھے۔ بہر حال یہ تمام سر بمہر تھیلیاں قاضی بکار نے ابن طولون کو واپس کر دیں۔

Marfat.com

موفق کو جب اس واقعہ کی خبر پہنچی تو اس نے حکم دیا کہ ابن طولون نے قاضی بکار کے ساتھ بہت بے جا سلوک کیا ہے، اس لئے طولون پر بر سر منبر لعنت کی جائے۔

قید کی حالت میں ہی ۲۴ ذی الحجہ ۲۷۰ھ کو قاضی بکار کا انتقال ہو گیا۔ لکھا ہے کہ جیل خانہ کے اندر بھی آپ کا درس حدیث برابر جاری تھا۔ (تاریخ اسلام کے ناقابل فراموش واقعات: ۱۹۷)

شمس الائمہ سرخسی قید خانہ میں

محمد بن احمد بن ابی سہل سرخسی شمس الائمہ سرخسی کے نام سے مشہور ہیں۔ بعہد خلیفہ القادر باللہ ۴۰۰ھ میں پیدا ہوئے۔ بڑے حق گو اور حریت پسند تھے۔ کلمہ حق کہنے میں کسی کا خوف نہ کرتے تھے۔ بادشاہ کو اس کے بعض نقائص سے آگاہ کیا۔ اسے بتایا کہ رعب و داب اور طاقت کے زور سے رعایا خاموش تو ہو جاتی ہے مگر مطیع نہیں ہوتی اور نہ ہی اس کے دلوں پر حکومت ہو سکتی ہے۔ رعایا کا دل صرف اسی طریقے سے قابو کیا جا سکتا ہے کہ سختیاں دور کی جائیں، ان کی فریاد اور چیخ و پکار سنی جائے اور ہر طرح افراد رعایا کی دلجوئی کی جائے۔

بادشاہ ایسی آزادانہ گفتگو سننے کے بہت کم عادی ہوتے ہیں۔ اس نے ناراض ہو کر شہر روز جند میں ایک پرانے کنویں کے اندر قید کر دیا۔ آپ عرصہ تک وہاں قید رہے اور آپ کے شاگرد کنویں پر آ کر آپ سے سبق پڑھتے رہے اور آپ جو کچھ کنویں کے اندر سے کہتے وہ اسے لکھتے جاتے۔ محبوسی کی حالت ہی میں چار پانچ ضخیم کتابیں تیار ہو گئیں۔

آخر رہا ہوئے اور فرغانہ پہنچے۔ امیر فرغانہ نے بڑی عزت کی۔ آپ کے تمام شاگرد بھی اسی جگہ آ گئے اور یہاں بھی درس فقہ و حدیث جاری ہو گیا۔ آپ کی وفات بقول بعض ۴۹۰ھ اور بقول بعض ۵۰۰ھ میں ہوئی۔ یہ زمانہ المستظہر باللہ کا تھا۔ (تاریخ اسلام کے ناقابل فراموش واقعات: ۱۹۹)

جیل خانہ قبول کیا مگر حق گوئی نہ چھوڑی

تقی الدین ابن تیمیہ ۶۶۱ھ میں پیدا ہوئے۔ سترہ سال کی عمر میں مناظرہ اور فتاویٰ میں بڑے بڑے عالم آپ کے آگے خاموش رہتے تھے۔ چال چلن کی پاکیزگی اور حریت و حق گوئی

نے علم کی روشنی کو دوبالا کر دیا۔ حق بات کہنے میں شمشیر برہنہ تھے۔

تیس سال کی عمر میں آپ کے زہد و اتقاء اور آزاد طبعی کا چرچا تمام ممالک اسلامی میں ہو گیا تھا۔ جب کلام اللہ کی تفسیر کا وعظ کرتے تھے تو سینکڑوں گمراہ ہدایت پاتے تھے۔ قبول عام کے سبب سے اس زمانہ کے اکثر عالم آپ کے دشمن ہو گئے تھے۔ چند مسائل کے متعلق جو اس زمانہ کے مذاق کے مخالف تھے۔ سلطان مصر کو بھی علماء نے آپ کا مخالف کر دیا تھا۔ بڑا بھاری مسئلہ زیارت قبور کا تھا۔ انہی وجوہات سے آپ مدت تک مختلف قلعوں میں قید رہے۔ آپ کی وفات بھی بحالت قید ہی (قلعہ دمشق میں) واقع ہوئی تھی۔

ایک مرتبہ آپ کے سامنے مصر کے ایک حاکم کی کسی نے شکایت کی کہ وہ امیر و غریب، گنہگار اور بے گناہ سب کے ساتھ سختی و تشدد کے ساتھ پیش آتا ہے۔ آپ اس کے پاس گئے۔ اس نے مذاقاً کہا، آپ نے کیوں تکلیف کی میں خود ہی حاضر ہو جاتا۔

آپ نے فرمایا، میں تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے غلاموں کا سا بھی رتبہ نہیں رکھتا اور تو ظلم و کفر میں فرعون کو بھی پیچھے چھوڑ رہا ہے۔ حضرت موسیٰ اس حال میں بھی ہر روز تین دفعہ فرعون کے پاس آتے تھے اور اس کو ایمان کی ترغیب دیتے تھے، پھر میں تمہارے پاس خود کیوں نہ آؤں؟

۲۲ ذی قعدہ ۷۲۸ھ کو آپ نے وفات پائی۔ جنازے میں دو لاکھ آدمی تھے۔ المستکفی باللہ ابوالربیع سلیمان بن الحاکم بامر اللہ کا عہد حکومت تھا۔ ۷۰۹ھ میں وزیر سلطنت نے چاہا کہ ممالک اسلام کے غیر مسلم سفید عمامہ باندھا کریں حالانکہ وہ سات لاکھ دینار سے زیادہ جزیہ ادا کرتے تھے۔ شیخ تقی الدین ابن تیمیہ نے اس سختی و تشدد اور ناانصافی کی اعلانیہ مخالفت کی۔ وزیر نے دھمکیاں دیں لیکن انہوں نے اس کی کوئی پیش نہ چلنے دی، یہاں تک کہ وہ اپنی اس خواہش میں ناکام رہا۔ (تاریخ اسلام کے ناقابل فراموش واقعات: ۲۰۱)

ایک صوفی منش بزرگ اور شہزادہ کی عبرت انگیز گفتگو

شہزادہ الپ ارسلان کو سپاہیانہ جوہر تو وراثت ہی میں ملے تھے لیکن اس کی ذاتی عظمت اس کے علم و فضل کی بدولت تھی۔ وہ بغداد کے قریباً تمام نامی علماء فقراء کا صحبت یافتہ تھا۔ وہ علم کے

Marfat.com

ساتھ عمل بھی رکھتا تھا۔

خلیفہ قائم بامر اللہ نے اسے عضد الدولہ عضد الدین کا خطاب بھی دیا تھا۔ ایک رات شہزادہ مغربی بغداد کے پل پر تنہا ٹہل رہا تھا کہ ایک صوفی منش بزرگ اسے ملا اور اس نے کہا، شہزادے اور بادشاہ اس طرح اور ایسے وقت میں سیر کو نہیں نکلا کرتے۔

شہزادہ: اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اپنی بداعمالیوں کی وجہ سے ہمیشہ ڈرتے رہتے ہیں کہ مبادا انہیں تنہائی میں کوئی نقصان پہنچائے۔ الحمد للہ کہ میں ایسا نہیں ہوں۔

بزرگ: اور یہ بھی سمجھتے ہیں کہ رعب میں فرق آتا ہے۔

شہزادہ: یہ بھی صحیح ہے لیکن میں ہر شخص کو بہ حیثیت انسان اپنے برابر خیال کرتا ہوں اور بہ لحاظ مسلمان اس کی عزت کرتا ہوں اور آپ جیسے بزرگوں کی خدمت میں رہنا اپنی سعادت سمجھتا ہوں۔ یا شیخ! میرے دل میں بار بار یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ مجھے کیا کرنا چاہئے؟ آپ ہی بتائیں کہ میری زندگی کا دستور العمل کیا ہونا چاہئے؟

شیخ تھوڑی دیر خاموش رہے۔ پھر ایک سرد آہ بھری اور مشرقی بغداد کی طرف ہاتھ بڑھا کر کہا:

> اس قصر کی طرف دیکھو جو اس دریا کے کنارے سنگ مرمر کی عالی شان محرابوں پر کھڑا ہے۔ اس کے اندر آرام و آسائش کا ہر ایک سامان جو تمدن فراہم کر سکتا ہے، مہیا ہے۔ لیکن کیا تم سمجھتے ہو کہ ان محلات میں خلفاء اس محنتی مزدور سے زیادہ میٹھی نیند سوتے ہیں جو تمام دن محنت اور مشقت کرتا ہے اور رات کو اپنی جھونپڑی میں لمبی تان کر سو جاتا ہے۔ کیا تم سمجھتے ہو کہ جس طرح یہ سنگین عمارتیں مضبوط ہیں، اس طرح قصر سلطنت کی بنیاد بھی پختہ ہے۔ عیاش امراء اور خود غرض وزراء کے محل دجلہ کی متبسم آمیز اٹھکیلیوں نے خس و خاشاک کی طرح بہا دیئے۔ مبارک ہیں وہ جوان واقعات سے نتائج اخذ کرتے ہیں۔
>
> شہزادے یاد رکھو، محلات کی رفعت سے عروج سلطنت کا اظہار نہیں ہوتا، سنگ خارا اور مرمر کی عمارتوں سے بنیاد حکومت پر قیاس نہیں ہو سکتا۔ عیش و عشرت کا یہ ظاہری سامان اطمینان قلب کے لئے کافی نہیں ہے۔ ملک میں

Marfat.com

امن اور رعیت کی خوشحالی کے لئے ضروری ہے کہ ان اولوالعزم اور نیک دل بزرگوں کی تقلید کی جائے جن کا نام تاریخ اسلام اور صفحات روزگار پر یادگار زمانہ ہے۔ میری یہ نصیحت ہے کہ ہر کام کا آغاز کوشش وحزم واحتیاط سے کرو اور انجام خداوند کریم پر چھوڑ و اور کبھی اپنے زور بازو پر ناز وغرور نہ کرو۔

(تاریخ اسلام کے ناقابل فراموش واقعات:۲۱۲)

امام الحرمین کی جرأت ایمانی اور بادشاہ کی بردباری

ایک دفعہ سلطان ملک شاہ سلجوقی نے رمضان المبارک کی ۲۹ تاریخ کو عید الفطر کے سبب سے اپنا ملکی دورہ ملتوی کر دیا اور دار السلطنت نیشاپور میں قیام فرمایا اور شام کے وقت معہ ارکان دولت چاند دیکھنے میں مصروف ہوا۔ خوشامدی مصاحب موجود تھے۔ انہوں نے شور مچا دیا کہ حضور چاند نکل آیا ہے۔ سلطان نے گو خود نہیں دیکھا اور نہ کسی اور نے دیکھا لیکن بادشاہ کی مرضی اور اس کا خیال معلوم کر کے سب نے اس کو رویت ہلال کا یقین دلا دیا اور حکم ہو گیا کہ کل عید ہے۔

امام الحرمین ابو المعالی کو کہ مفتی اور قاضی القضاۃ تھے، خبر ہوئی۔ انہوں نے منادی کا بایں الفاظ حکم دے دیا۔

ابو المعالی کہتا ہے کہ کل تک ماہ رمضان ہے جو میرے فتویٰ پر عمل کرنا چاہتا ہے اسے لازم ہے کہ وہ کل بھی روزہ رکھے۔

مفتی شرع کی اس منادی کو مفتریوں نے برے الفاظ میں بادشاہ تک پہنچایا بلکہ یہاں تک کہا کہ ابو المعالی کے خیالات سلطنت کی طرف سے اچھے نہیں ہیں اور عوام ان کے معتقد ہیں۔ اگر بندگان عالی کے حکم کے مطابق کل عید نہ ہوئی تو بڑی توہین اور ذلت ہوگی۔

بادشاہ طبیعت کا برا نہیں تھا، اس لئے باوجود امام الحرمین کی منادی ناگوار گزرنے کے، اس نے حکم دیا کہ ان کو عزت واحترام کے ساتھ میرے پاس لاؤ۔ فتنہ پردازوں نے پھر کہا کہ جو شخص بادشاہی حکم کی عزت نہ کرے وہ قابل احترام نہیں ہے۔ بادشاہ نے کہا، جب تک دو بدو بات نہ ہو ایسے رفیع القدر کی بے حرمتی کی جرأت نہیں ہونی چاہئے۔

Marfat.com

امام صاحب کو جب شاہی پیغام پہنچا تو اس خیال سے کہ درباری لباس پہننے سے دیر نہ ہو جائے اور مفسدہ پرداز خدا جانے بادشاہ سے کس پیرایہ میں تاخیر بیان کریں، جیسے کپڑے پہنے ہوئے تھے، اس طرح اٹھ کھڑے ہوئے۔ حاجب نے محل سرائے کے دروازہ پر روکا کہ درباری لباس کے بغیر اندر جانا منع ہے۔ ادھر بادشاہ کو اطلاع کی کہ پہلی حکم عدولی حکمی کے علاوہ امام صاحب نے دوسری گستاخی یہ کی ہے کہ معمولی لباس پہن کر آ گئے ہیں۔

بادشاہ کی طبیعت کچھ اور مکدر ہو گئی مگر اندر آنے کا حکم دیا اور پوچھا کہ اس ہیئت کذائی سے آپ کیوں تشریف لائے ہیں اور درباری لباس کیوں نہیں پہنچا؟

امام صاحب نے ان سے کہا:

> اے سلطان! میں اس وقت جس لباس میں ہوں اسی سے نماز پڑھتا ہوں اور وہ شرعاً جائز ہوتی ہے۔ پس جبکہ خدا کے سامنے میں اس طرح جاتا ہوں تو آپ کے سامنے آنے میں کیا قباحت ہے؟ البتہ دستور کے مطابق میرا لباس درباری نہیں ہے اور اس کی وجہ گستاخی نہیں بلکہ یہ ہے کہ ذرا سی دیر کی غفلت میں فرشتے میرا نام نافرمانوں کی فہرست میں نہ لکھ لیں اور مجھ سے بادشاہ اسلام کے حکم کی مخالفت سرزد نہ ہو جائے، اس لئے جلدی میں جس طرح بیٹھا تھا اسی طرح چلا آیا۔

سلطان نے کہا، جب بادشاہ اسلام کی اطاعت اس قدر واجب ہے تو پھر ہمارے حکم کے خلاف منادی کرانے کے کیا معنی ہیں؟

امام صاحب نے فرمایا:

> جو امور حکم سلطانی پر موقوف ہیں ان کی اطاعت ہم پر فرض ہے اور جو حکم فتویٰ کے متعلق ہے وہ بادشاہ ہو یا کوئی اور، اسے مجھ سے پوچھنا چاہئے کیونکہ بحکم شریعت علماء کا فتویٰ حکم شاہی کے برابر ہے۔

جب سلطان نے امام صاحب کی یہ تقریر سنی تو اس کا غصہ جاتا رہا اور ان کی جرأت و صداقت سے بہت خوش ہوا اور اعلان کرا دیا کہ میرا حکم درحقیقت غلط تھا۔ اور امام الحرمین کا حکم صحیح ہے۔

Marfat.com

ہمارے زمانہ کے علماء اور مسلمان حکمرانوں کے لئے امام الحرمین کی آزادی وحریت اور سلطان ملک شاہ کی یہ بردباری وانصاف پسندی ایک قیمتی نصیحت وہدایت صحیح ہے۔(تاریخ اسلام کے ناقابل فراموش واقعات:۲۱۸)

ایک حق گو عالم کے روبرو نظام الملک کا مؤدب کھڑا ہونا

صوفی ابوعلی فارندی عہد سلجوقیہ میں ایک بڑے نامور صاحب علم گزرے ہیں۔علوم معرفت میں امام غزالی ان کے شاگرد اور مرید تھے۔جب شیخ ابوعلیؒ خواجہ نظام الملک طوسی کے دربار میں جاتے تھے تو خواجہ اپنی جگہ سے اٹھ کر شیخ صاحب کا استقبال کرتا، پھر اپنی مسند پر بٹھا کر خود الگ ہو جاتا اور شیخ صاحبؒ کے سامنے بیٹھ کر ادب سے گفتگو کرتا۔

خواجہ صاحب سے کسی نے پوچھا، آپ دوسرے علماء وصوفیاء کی ایسی عزت وتعظیم کیوں نہیں کرتے ،اس تخصیص کے کیا معنی ہیں؟

نظام الملک نے کہا، اور حضرات جب مجھ سے ملنے آتے ہیں تو میں نے اکثر دیکھا ہے کہ وہ میری تعریف کرتے ہیں کہ آپ ایسے ہیں اور ایسے ہیں بلکہ ان صفات سے یاد کرتے ہیں جو مجھ میں نہیں ہیں۔ایسی مدح سرائی سے ظاہر ہے کہ نفس مغرور ہو جاتا ہے۔برخلاف اس کے شیخ ابوعلی مجھے میرے عیوب سے آگاہ اور آزادی وبے لوثی سے گفتگو کرتے ہیں اور میں ان کی ہدایت سے مستفیض ہوتا ہوں۔ (تاریخ اسلام کے ناقابل فراموش واقعات:۲۲۱)

نہر کے پل پر یا پل صراط پر

سلطان ملک شاہ ایک مرتبہ اصفہان میں جنگل میں شکار کھیل رہا تھا۔کسی گاؤں میں قیام ہوا۔وہاں ایک غریب بیوہ کی گائے تھی جس کے دودھ سے تین بچوں کی پرورش ہوتی تھی۔بادشاہ کے آدمیوں نے اس گائے کو ذبح کر کے خوب کباب بنائے.

بڑھیا کو خبر ہوئی ،وہ بدحواس ہوگئی۔بادشاہی آدمیوں کا مقابلہ،کوئی دادفریاد سننے کو تیار نہ تھا۔ اس پر لاوارث اور غریب عورت۔ساری رات اس نے پریشانی میں کاٹی۔صبح ہوئی، دل میں

خیال آیا کہ کوئی نہیں سنتا تو نہ سہی، کیا بادشاہ بھی نہ سنے گا جس کو خداوند کریم نے غریبوں کو ظالموں سے نجات دینے کے لئے اتنی بڑی سلطنت دی ہے۔

بادشاہ تک پہنچنے کی کوشش کی مگر ناکام رہی۔ معلوم ہوا کہ بادشاہ فلاں راستے سے شکار کو نکلے گا۔ چنانچہ زندرود (اصفہان کی مشہور نہر) کے پل پر جا کر کھڑی ہوگئی۔ جب سلطان پل پر آیا تو بڑھیا نے ہمت اور جرأت سے کام لے کر کہا:

> اے الپ ارسلان کے بیٹے! میرا انصاف اس نہر کے پل پر کرے گا یا پل صرا پر؟ جو جگہ پسند ہو انتخاب کر لے۔

بادشاہ کے ہمراہی یہ بے باکی دیکھ کر حیرت زدہ رہ گئے۔ بادشاہ گھوڑے سے اتر پڑا اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس عجیب و غریب اور حیرت انگیز سوال کا اس پر خاص اثر ہوا اور بڑھیا سے کہا، پل صراط کی طاقت نہیں ہے، میں اسی جگہ فیصلہ کرنا چاہتا ہوں، کہو کیا کہتی ہو؟

بڑھیا نے سارا قصہ بیان کیا۔ بادشاہ نے لشکریوں کی اس نالائق حرکت پر افسوس ظاہر کیا اور ایک گائے کے عوض اس کو ستر گائیں دلائیں اور مالا مال کر دیا اور جب اس بڑھیا نے کہا، تمہارے دل و انصاف سے میں خوش ہوں اور میرا خدا اور رسول ﷺ خوش ہے، تو گھوڑے پر سوار ہوا۔ (تاریخ اسلام کے ناقابل فراموش واقعات: ۲۲۷)

بادشاہ اور غریب عورت کا مقدمہ قاضی کی کچہری میں

الحکم باپ کے مرنے کے بعد ۷۹۶ء مطابق ۱۸۰ھ میں تخت پر بیٹھا اور ۸۲۰ء یعنی پچیس سال تک حکومت کرتا رہا۔ الحکم سے لوگوں کو بہت کچھ توقعات تھیں۔ وہ حکمرانی کے قابل تھا مگر طبیعت کا بڑا سخت تھا۔ اس نے ایک مرتبہ اپنے دشمنوں کے تین سو سروں کو اپنے محل پر لٹکوایا تھا، اس لئے کسی کو اس کے سامنے بولنے کی طاقت نہ تھی۔ بایں ہمہ اس کے عہد حکومت میں جرأت و حق گوئی اور فیاضی کا ایک بے نظیر واقعہ گزرا ہے جو تاریخ اسپین میں تو بڑی تفصیل سے درج ہے۔ مگر یہاں اس کا خلاصہ درج کیا جاتا ہے۔

الحکم کو ایک مرتبہ ایسی جگہ بنگلہ بنانے کا خیال ہوا جو آب و ہوا کے لحاظ سے تو بہت اچھی جگہ تھی

Marfat.com

لیکن ایک بیوہ عورت کے قبضہ میں تھی جو اپنی کٹیا بنا کر وہاں زندگی کے دن کاٹ رہی تھی۔ خلیفہ نے اس کا مکان خریدنا چاہا لیکن اس نے دینے سے انکار کر دیا۔ آخر زبردستی وہ زمین لے لی گئی۔ بادشاہ نے وہاں ایک خوشنما بنگلہ تعمیر کرایا۔

عورت ہر چند بیوہ تھی اور غریب تھی لیکن اسلام نے جو حقوق مساوات و آزادی کے عطا کیے تھے، ان سے آگاہ تھی۔ اس نے محکمہ قضا میں بادشاہ پر استغاثہ دائر کر دیا اور قاضی سے کہا کہ ایک غریب بیوہ کا مقابلہ بادشاہ سے ہے، انصاف کی توقع کم ہے۔ لیکن اگر تم آزادی اور جرأت اور اپنے ان اختیارات سے جو تم کو حاصل ہیں، انصاف کرو تو میں کبھی اپنے حق سے محروم نہیں رہ سکتی۔

قاضی نے کہا، اے بڑھیا بے فکر رہ، میں عدل و انصاف کی کرسی پر بادشاہ اور ایک غریب عورت کو ایک ہی نظر سے دیکھوں گا۔

قاضی بادشاہ کی تند مزاجی اور اس کی طبیعت کی تلخی سے واقف تھا۔ اس نے ضابطہ اور قانون کے ساتھ دوسری تدابیر سے بھی کام نکالنا چاہا۔ چنانچہ جب بادشاہ اپنے بنگلہ اور محل کو ملاحظہ کر رہا تھا اور باغات کو دیکھ رہا تھا تو قاضی ایک گدھا مع خالی بورے کے ہانکتا ہوا خلیفہ کے پاس لے گیا اور اس سے اجازت طلب کی کہ میں اس جگہ کی مٹی لینے آیا ہوں۔ خلیفہ نے اجازت دے دی۔

جب قاضی نے بورا مٹی سے بھر لیا تو خلیفہ سے کہا کہ مجھے تھوڑی سی مدد دیجئے کہ میں بورے کو گدھے پر رکھ لوں۔ خلیفہ قاضی کے تمسخر پر خوش ہوتا رہا، بوجھ اٹھانے میں اس نے مدد دی لیکن بہت بھاری ہونے کی وجہ سے بورا اٹھ نہ سکا۔

> قاضی نے کہا، جب آپ ایک بورے کا بوجھ دوسرے کی مدد سے بھی نہیں اٹھا سکتے تو اس دن جب احکم الحاکمین ذرہ ذرہ حساب لے گا اور جب عدل و انصاف گدا و بادشاہ اور فقیر و غنی سب کو ایک قطار میں کھڑا کر دے گا اور جب گدڑی پوش اپنے اعمال حسنہ کی وجہ سے ناانصاف باشاہوں پر سبقت لے جائیں گے تو آپ ساری زمین کا بوجھ کس طرح اٹھا سکیں گے اور جب قیامت کے دن وہ غریب بڑھیا جس کا مکان زبردستی چھین کر اور گرا کر آپ نے یہ محل

Marfat.com

تیار کرایا ہے، خدا کی جناب میں جو آہ مظلوم ان کی دادرسی کی خاطر اجابت و قبولیت کو استقبال اور پیشوائی کے لئے دور تک آگے روانہ کر دیتا ہے، اپنا استغاثہ پیش کرے گی تو آپ وہاں کیا جواب دیں گے؟

خلیفہ الحکم قاضی کی یہ تقریر سن کر کانپ اٹھا اور اس کی حق گوئی و جرأت کی تعریف کی اور چونکہ اس زمین پر جو اس نے زبردستی حاصل کی تھی اب محل تیار ہو چکا تھا، اس لئے بادشاہ نے وہ محل اور باغ معہ تمام ساز و سامان جو لاکھوں روپوں کی ملکیت کا تھا، اس غریب بڑھیا کو دے دیا جس سے وہ مالا مال ہو گئی۔ (تاریخ اسلام کے ناقابل فراموش واقعات: ۲۵۲)

امام غزالی کی حق گوئی

سلطان ملک شاہ سلجوقی کا بیٹا سلطان سنجر سلجوقی جب تخت حکومت پر بیٹھا، اس کا پورا خاندان حنفی مسلک کا پیرو تھا۔ سلطان سنجر کو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی ذات سے گہری عقیدت و محبت تھی۔ امام غزالیؒ نے ایک رسالے "المنخول" میں امام ابوحنیفہؒ کے مسلک پر کچھ تنقید کی تھی۔ چنانچہ ان سے حسد رکھنے والوں کو یہ اچھی بات ہاتھ آ گئی۔ انہوں نے سلطان سنجر سے امام غزالیؒ کی خوب برائی کی۔ یہ کتاب لے کر لوگ سلطان سنجر کے دربار میں پہنچے، خوب نمک مرچ لگا کر معاملہ اس کے سامنے رکھا۔ کتاب کا وہ حصہ سلطان کو دکھایا جس میں امام ابوحنیفہؒ کے مسلک پر اعتراضات کیے گئے تھے اور کہا کہ غزالی زندیق اور ملحد ہو گیا ہے، اس کو سزا ملنی چاہئے۔ سلطان سنجر امام صاحب کی قدر و منزلت، عالی مرتبے اور اصلاحی خدمات سے واقف نہیں تھا۔ اس لئے اس نے وزیروں کے مشورے کو صحیح مان کر امام صاحب کو دربار میں طلب کر لیا۔

امام صاحب کو سلطان سنجر کے بلاوے کا خط ملا تو آپ نے اس کے جواب میں لکھا کہ میں نے مقام خلیل پر کھڑے ہو کر تین باتوں کا عہد کیا تھا۔ اول یہ کہ میں سلاطین و امراء سے ملاقات کو نہیں جاؤں گا، دوسرے یہ کہ ان کے تحفے اور ہدیہ قبول نہیں کروں گا اور تیسرے یہ کہ مناظرہ اور بحث و جدال میں حصہ نہیں لوں گا۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ میں بارہ سال سے اس عہد پر قائم ہوں۔ اب میں آپ کے دربار میں حاضر ہو کر اس کو توڑنا نہیں چاہتا۔

Marfat.com

امام غزالیؒ کے دربار میں نہ پہنچنے سے ان کے مخالف علماء کو ان کی مخالفت کا خوب موقع مل گیا۔ انہوں نے بادشاہ سے کہا کہ مناظرہ سے بچنے کے لیے اور اپنے عقائد کو چھپانے کے لئے ایسا کر رہے ہیں۔ بادشاہ کی سمجھ میں بات آگئی۔ چنانچہ ان کو زبردستی دربار میں بلوایا گیا۔

امام غزالیؒ سلطان سنجر کے دربار میں پہنچے تو انہوں نے اپنے عقائد کی صفائی پیش کی اور ایک تقریر بھی کی۔ آپ نے فرمایا:

> اے سلطان! طوس کے لوگ پہلے ہی سے بدانتظامی سے تباہ اور ظلم وستم سے تنگ تھے۔ اب سردی اور قحط کی وجہ سے بالکل برباد ہو گئے ہیں۔ ان پر رحم کر، اللہ تجھ پر رحم کرے گا۔ افسوس! مسلمانوں کی گردنیں مصیبت اور تکلیف سے ٹوٹی جاتی ہیں اور تیرے گھوڑوں کی گردنیں سونے کے ہاروں کے بوجھ سے۔
>
> میری نسبت جو مشہور کیا جاتا ہے کہ میں نے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ پر طعن کئے ہیں، یہ بالکل غلط ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کی نسبت میرا وہی عقیدہ ہے جو میں نے اپنی کتاب احیاء العلوم میں لکھا ہے۔ میں ان کو فقہ کا امام اور انتخاب روزگار خیال کرتا ہوں۔

امام صاحب کی اس بے باکانہ تقریر سے سلطان سنجر بہت خوش ہوا۔ بولا کہ کاش آج عراق اور خراسان کے تمام علماء کا مجمع ہوتا تا کہ وہ لوگ بھی آپ کے کلام سے مستفیض ہوتے۔ امام صاحب کو سزا کی بجائے بہت عزت دی۔ امام صاحب شاہی دربار سے شہر (طوس) میں آئے تو تمام شہر میں ان کا بھاری استقبال ہوا۔ لوگوں نے جشن عام کر کے امام صاحب پر زر و جواہر نثار کئے۔ (مکاتبات، الغزالی بحوالہ مردان حق ۲۱۸)

بادشاہ کو نصیحت

محمد بن ملک شاہ سلجوقی اپنے زمانے کا سب سے بڑا بادشاہ تھا۔ امام غزالی نے جب اس کی کچھ بدعنوانیوں کا حال سنا تو اس کو ایک طویل ہدایت نامہ لکھ کر بھیجا جس میں بڑے سخت الفاظ میں اس کی بدعنوانیوں کا تذکرہ کیا۔ اس خط کے مضمون سے امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی بیباکی کا

Marfat.com

اندازہ ہوتا ہے۔

سب سے پہلے تجھ کو جاننا چاہئے کہ حکومت کتنا عظیم اور پر خطر مرض ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ قیامت میں سب سے زیادہ عذاب جن کو دیا جائے گا وہ ظالم بادشاہ ہوں گے۔ حضرت عمرؓ فرمایا کرتے تھے کہ اگر ایک خارشی بکری کی خبر گیری میں مجھ سے کوتاہی ہوئی تو قیامت کے دن میری پکڑ ہوگی۔

اے بادشاہ! دیکھ، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو باوجود اپنے کمال احتیاط، عدل وانصاف کے قیام کے مواخذے کا کس قدر ڈر رہتا تھا۔ تیرا حال یہ ہے کہ تجھ کو اپنی رعایا کی کچھ پرواہ نہیں اور کچھ نہیں جانتا کہ تیرے ملک والوں کا کیا حال ہے؟

تجھ کو صرف اس پر قناعت نہیں کرنی چاہئے کہ تو خود ظلم کا ارتکاب نہیں کرتا بلکہ تو اس بات کا بھی ذمہ دار ہے کہ تیرے غلام، خدم وحشم، عہدہ دار، عامل کسی پر ظلم نہ کرنے پائیں۔

اے بادشاہ! اگر دنیا کی لذتوں کی غرض سے دنیا پر ظلم کرتا ہے تو غور سے دیکھ، دنیاوی لذتیں کیا ہیں۔ اگر تو کھانے کا زیادہ حریص ہے تو جانور ہے، اگر ریشمی لباس کا دلدادہ ہے تو یہ مردنماز عورت ہونے کی دلیل ہے، اگر اپنے غصہ پر قابو نہیں تو آدمی کی صورت کا درندہ ہے۔

اے سلطان! تجھ کر ہر معاملے میں یہ فرض کرنا چاہئے کہ تو ایک عام آدمی ہے اور اصل فرمانروا کوئی اور ہے۔ اس صورت میں اس بات کا اندازہ کر کہ جو معاملہ تو اوروں کے ساتھ کرنا چاہتا ہے اگر تیرے ساتھ کیا جائے تو تو پسند کرے یا نہیں۔ اگر تو نے اپنے حق میں اس کو جائز نہ رکھا اور وہی معاملہ اپنے محکوموں کے ساتھ رکھنا چاہتا ہے تو تو دغاباز اور خیانت کرنے والا ہے۔ تجھ کو یہ کوشش کرنی چاہئے کہ تمام رعایا تجھ سے شریعت کے اصول کے موافق راضی اور خوش رہے۔

Marfat.com

۴۹۰ھ/۱۰۹۴ء میں جب امام صاحب مجبوراً محمد شاہ کے دربار میں گئے تو اس کے اجداد کا نام لے کر اس طرح کہا:

سلطان ملک شاہ اور الپ ارسلان اور طغرل بیگ خاک میں دفن ہو چکے ہیں، وہ اپنی زبان حال سے یہ کہہ رہے ہیں اور اعلان کر رہے ہیں کہ اے محمد شاہ! اے ہماری آنکھوں کی پتلی! اے عزیز فرزند! ہم پر جو بیت رہی ہے اور جیسے ہولناک منظر ہمارے سامنے ہیں اگر تو ان کو دیکھ لے تو ہرگز ایک رات بھی پیٹ بھر کر کھانا نہ کھائے۔

اے بادشاہ! میں یہ عرض کرنے آیا ہوں کہ طوس کے لوگ سردی اور پانی کی قلت سے سخت پریشان ہیں۔ تو ان پر رحم کر کہ اللہ تجھ پر رحم کرے۔ مسلمانوں کی گردنیں مصیبت و محبت اور بھوک نے توڑ ڈالی ہیں اور تیرے چوپایوں کی گردنیں سونے کے زیورات نے۔ (نصیحۃ الملوک، الغزالی بحوالہ مردان حق ۲۲۱)

شیخ ابوالحسن خرقانی کی حق گوئی

خرقان (صوبہ جرجان) میں ایک بوریہ نشین نیستان فقر کا شیر گذرا ہے۔ نام ان کا ابوالحسن تھا۔ ۳۵۱ھ میں پیدا ہوئے اور ۴۲۵ھ میں انتقال فرما گئے۔ آپ کے مفصل حالات سے صرف ایک واقعہ درج کیا جاتا ہے۔ جس سے معلوم ہوگا کہ غزنی کا باجبروت بادشاہ سلطان محمود غازی کس ذوق وشوق اور کس اخلاص وعقیدت سے خرقانی درویش کے حضور میں آتا ہے اور اپنی خوش بختی اور خوش عقیدگی کی وجہ سے کیسا کامیاب و بامراد ہو کر واپس جاتا ہے۔

ایک درویش اور شہنشاہ کی ملاقات اور ان کی باتوں میں جو راز و نیاز اور نکات و رموز ہیں، ان پر غور کرو اور دیکھو کہ صوفیائے سلف میں کیا امتیاز و اختصاص تھا اور کون سی روحانی طاقت تھی کہ عوام تو الگ بادشاہ اور شہنشاہ ان کی پابوسی فخر سمجھتے تھے۔ ہماری بدقسمتی سے آج روحانی طاقتوں میں بھی کمی آگئی ہے اور عقیدت وارادات میں بھی خودغرضی اور خودمطلبی کے جذبات شدت سے پائے جاتے ہیں۔

Marfat.com

محمود خرقانی درویش کی زیارت سے مشرف ہونا چاہتا تھا لیکن مصالح ملکی کے لحاظ سے اس کی یہ خواہش تھی کہ درویش کے پاس خود جانے سے شاہی رعب داب میں فرق آنے کا اندیشہ ہے، اس لئے کوئی ایسی ترکیب ہو کہ وہ خود میرے پاس آئیں۔ لیکن اس تجویز میں محمود کو کامیابی نہ ہو سکی۔ آخر کسی شوریدہ سر کی گوشمالی کے بہانے خدم وحشم لے کر خود ہی غزنی سے باہر نکلا۔

جب خرقان کے نزدیک پہنچا تو ایک قاصد کو حضرت کی خدمت میں یہ سکھا کر بھیجا کہ تم اپنی طرف سے کہنا کہ سلطان غزنی سے چل کر آپ کی زیارت کو آیا ہے اور وہ بادشاہ ہے، آپ اگر زیادہ نہیں تو شاہی خیمہ تک ہی قدم رنجہ فرمائیں۔ بادشاہ نے قاصد سے یہ بھی کہہ دیا تھا کہ اگر وہ اس پر بھی خیمہ تک آنے کے لئے تیار نہ ہوں تو ان کو قرآن کریم کی یہ آیت پڑھ کر سنا دینا:

اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ۔ (النساء: ۵۹)

قاصد پڑھا پڑھایا تھا۔ اس نے کمال خوش اسلوبی اور پورے فرائض کے ساتھ حق پیغامبری ادا کیا۔

حضرت نے جواب میں صرف یہی فرمایا کہ مجھے معذور رکھو۔ قاصد نے آیت مذکورہ پڑھ کر اس کی تفسیر کرانی چاہی۔ آپ نے فرمایا:

> محمود سے جا کر کہہ دو کہ میں اطیعوا اللہ میں ایسا مستغرق ہوں کہ اطیعوا الرسول تک پہنچ سکنے کے لئے نادم وشرمسار ہوں، پھر اولی الامر منکم کا ذکر ہی کیا ہے۔

قاصد نے واپس آ کر محمود سے اسی طرح کہہ دیا۔ محمود یہ سنتے ہی آبدیدہ ہو کر ملاقات کے لئے بے تاب ہو گیا اور کہا، واقعی یہ ایسے درویش ہیں ہیں جیسے عوام ہوتے ہیں۔ تاہم مزید احتیاط وآزمائش کے لئے اس نے شاہانہ لباس تو ایاز کو پہنایا اور ایاز کا لباس خود پہنا اور دس نوجوان لونڈیوں کو بھی مردانہ لباس پہنا کر اپنے ہمراہ لیا۔ جب شاہی محلات اور فلک نما عالی شان ایوانوں کے رہنے والے ایک درویش کی کٹیا میں پہنچے تو السلام علیکم کے الفاظ سے مہر سکوت کو توڑا۔ حضرت نے بیٹھے ہی بیٹھے بغیر کسی تعظیم کے جواب میں وعلیکم السلام فرمایا۔

محمود نے جو ایاز کا لباس پہنے ہوئے تھے، کہا۔ آپ نے بادشاہ کو تعظیم نہیں دی۔

فرمایا، یہ تو ایک جال ہے۔

Marfat.com

محمود نے متبسم ہو کر فرمایا کہ کاش آپ جیسے پرند اس جال میں پھنس سکتے۔

حضرت نے محمود کا ہاتھ پکڑ کر مسند کے برابر بٹھایا اور باقی ہمراہیوں میں سے باوجود یہ کہ ایاز شاہانہ لباس پہنے ہوئے تھے، کسی طرف توجہ نہ کی۔

محمود: حضرت کچھ فرمائیے۔

درویش: پہلے نامحرموں کو باہر نکال دو۔

چنانچہ بادشاہ کے حکم سے تمام لونڈیاں جو مردانہ لباس پہنے ہوئے تھیں، باہر ہو گئیں۔

محمود: حضرت! بایزید بسطامیؒ کے حالات واقوال سے کچھ بیان فرمائیے

درویش: حضرت بایزید بسطامیؒ کے اقوال سننے کی تاب ہے تو سنو۔ وہ فرماتے ہیں کہ جس نے مجھے دیکھا وہ اپنی بدبختی سے بے خطر ہو گیا۔

محمود: آنحضرت ﷺ کو ابوجہل، ابولہب اور کتنے منکروں نے دیکھا اور وہ بدبخت کے بدبخت ہی رہے۔ کیا حضرت بایزید بسطامیؒ کا درجہ آنحضرت ﷺ سے بلند ہے کہ ان کو دیکھتے ہی بدبختی کا اثر زائل ہو جاتا ہے۔

درویش: بس، اسی لیے کہتے ہیں کہ حضرت بایزیدؒ کا کوئی قول سناؤ۔ ان کے اور دیگر صوفیائے کاملین کے اقوال سننے کی وہی لوگ تاب لا سکتے ہیں جو اس رنگ میں رنگے ہوئے ہوں کہ:

سرفروشی کی تمنا ہے تو سر پیدا کر

درویش: محمود! تحقیق یاد رکھ کہ آنحضرت ﷺ کو سوائے ان کے چار یار اور اصحاب کبار کے کسی نے حقیقی معنوں میں نہیں دیکھا۔ اگر ابوجہل اور ابولہب اور دیگر منکرین اس نظر سے دیکھتے جس کو قرآن کریم میں وتراھم ینظرون الیك و ھم لا یبصرون (اے میرے پیارے محبوب تو ان کو دیکھتا ہے جو تیری طرف نظر کرتے ہیں حالانکہ وہ تجھ کو نہیں دیکھتے) کہا گیا ہے تو فی الواقعہ وہ بھی اپنی بدبختی کے اثر سے محفوظ رہتے۔

محمود: (مطمئن ہو کر) یا حضرت! اب مجھے کوئی نصیحت فرمائیے۔

درویش: چار باتوں کا خیال رکھو۔ (۱) ممنوعات سے پرہیز، (۲) نماز باجماعت،

Marfat.com

(۳) سخاوت، (۴) حق تعالیٰ کی مخلوق پر شفقت و مہربانی۔

محمود: حضرت دعا فرمایئے۔

درویش: اللھم اغفر للمومنین والمومنٰت۔

محمود: کچھ میرے لئے۔

درویش: محمود عاقبت محمود باد۔

اس کے بعد محمود نے ایک توڑا اشرفیوں کا پیش کیا۔ آپ نے اس کے جواب میں جو کی ایک روٹی محمود کے آگے رکھ دی اور فرمایا، اس کو کھاؤ۔ محمود نے ایک لقمہ توڑ کر چبایا لیکن نوالہ حلق سے نیچے نہ اترا۔ آپ نے فرمایا، شاید نوالہ حلق میں اٹکتا ہے۔ محمود نے کہا، ایسا ہی ہے۔ فرمایا، کیا چاہتے ہو کہ اشرفیوں کا یہ توڑا بھی اسی طرح میرے حلق میں اٹک جائے، اس کو اٹھالو۔

محمود: حضرت کچھ تو قبول فرمایئے۔

دریش: میرے لئے یہ حرام ہے۔ اب اس پر اصرار نہ کرو۔

محمود: اگر میری نذر قبول نہیں فرمائی جاتی تو مجھے کچھ تبرک عنایت فرمایا جائے۔

آپ نے اپنا ایک پیراہن یا خرقہ محمود کو عنایت فرمایا۔ یہ وہی خرقہ تھا جو حملۂ سومنات کے وقت سلطان محمود اپنے ہمراہ لایا تھا جس کو پہن کو اس نے فتح سومنات کی دعا بارگاہ الٰہی میں مانگی تھی۔

جب محمود رخصت ہو کر چلنے لگا تو حضرت ابوالحسن خرقانیؒ ان کی تعظیم کو اٹھے۔ محمود نے عرض کیا کہ حضرت جب میں حاضر ہوا تھا تو میری طرف مطلق التفات نہ فرمایا گیا تھا اور اب یہ تعظیم و تکریم کیسی؟

آپ نے فرمایا، محمود! تم جب آئے تھے تو شاہانہ جاہ و جلال تمہاری رگ رگ میں سمایا تھا۔ تمہیں اپنا رعب دکھانا بھی مقصود تھا اور فقیر کی آزمائش بھی مدنظر تھی۔ اس فقیر نے تمہاری بادشاہی کی پرواہ نہیں کی۔ اور اب کہ تم درویشی و انکساری لئے جاتے ہو، تمہاری تعظیم لازمی و ضروری ہے۔ (تاریخ اسلام کے ناقابل فراموش واقعات: ۲۹۵)

Marfat.com

ایک بڑھیا کی دلیری سلطان کے سامنے

سلطان محمود کے زمانہ میں کوچ و بلوچ (کرمان کے پہاڑی جرگوں کے قزاقوں) نے رباط اور وریجھن (اصفہان) میں ڈاکہ ڈالا۔ ایک بڑھیا کا مال وسباب بھی لٹ گیا۔ اس نے سلطان سے فریاد کی۔

آپ خداوند کریم کی طرف سے ہمارے محافظ و نگہبان ہیں۔ یا میرا مال دلایئے یا اس کا معاوضہ عطا کیجئے۔

سلطان نے کہا کہ خبر نہیں دیر گچھن کہاں ہے؟

بڑھیا بولی، اے سلطان اس قدر ملک فتح کرو کہ ان کے جغرافیہ سے واقفیت رہ سکے اور ان کا انتظام ہو سکے۔

سلطان نے اس کے جواب کو تسلیم کر کے پھر کہا، یہ لوگ کہاں سے آئے تھے اور کون تھے؟ بڑھیا نے کہا کہ کوچ بلوچ کے ڈاکو تھے جو کرمان کے قریب ہے۔ سلطان نے کہا، وہ ملک تو میری سرحد سے باہر ہے، اس کا میں کیا انتظام کر سکتا ہوں؟

بڑھیا نے کہا، کیا اسی عدل وانصاف پر شہنشاہی کا دعویٰ ہے؟ وہ بادشاہ کیا جو اپنی سلطنت کا انتظام نہ کر سکے اور وہ چرواہا کیسا جو اپنی بکریوں کو بھیڑیئے سے نہ بچا سکے۔ اس حالت میں میرا تنہا اور ضعیف ہونا اور آپ کا فوج اور لشکر رکھنا دونوں برابر ہیں۔

سلطان محمود نے جب بڑھیا کے یہ جوانمردانہ کپکپا دینے والے کلمات سنے تو اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ اس کو بہت کچھ دے دلا کر رخصت کیا اور بوعلی الیاس امیر کرمان کو لکھا کہ مفسدوں اور ڈاکوؤں کو گرفتار کر کے ہمارے حضور میں بھیج دو یا مال ڈکیتی برآمد کر کے قزاقوں کو پھانسی دے دے تا کہ آئندہ وہ میرے ملک میں لوٹ مار نہ کر سکیں۔ ورنہ یاد رکھو کہ کرمان بمقابلہ سومنات بہت نزدیک ہے۔

امیر کرمان سلطان کے خوف سے ایک جرار فوج لے کر گیا۔ دس ہزار بلوچی قتل ہوئے اور بے انتہا مال غنیمت ہاتھ لگا۔ امیر ابوعلی نے سب مال غزنی بھجوا دیا۔ سلطان نے منادی کرادی کہ

Marfat.com

جن لوگوں کا نقصان ہوا ہے وہ آ کر اپنا مال پہچان لیں۔ تمام ملک سے لوگ آئے تھے اور اپنا مال پہچان کر لے جاتے تھے۔ سلطان نے ایک اور کام یہ کیا کہ ملک سے ہر قسم کی خبریں منگوانے کے لئے پرچہ نویس مقرر کر دیئے تا کہ حاکموں کے ظلم وستم اور تغافل اور ملک کے حالات کی خبر ملتی رہے۔

ایک بڑھیا کی آزادی اور جرأت نے ملک کو کس قدر فائدہ پہنچایا کہ ڈاکوؤں سے ہمیشہ کے لئے نجات مل گئی اور چھینا ہوا مال بھی واپس آ گیا۔ (نظام الملک طوسی حصہ دوم ص ۲۵۶)

(تاریخ اسلام کے ناقابل فراموش واقعات: ۲۹۹)

امام مسجد کی حق گوئی امیر الامراء کے سامنے

حضرت فرید الدین بابا گنج شکرؒ کے زمانہ میں شیخ نجیب الدین متوکل نام کے ایک بزرگ دہلی میں گزرے ہیں۔ دہلی میں ایک ترک امیر الامراء نے ایک مسجد تعمیر کرا کر شیخ نجیب الدین متوکلؒ کو امام مسجد مقرر کیا۔

کچھ دنوں کے بعد اس ترک نے اپنی لڑکی کے نکاح پر ایک لاکھ چیتل (اس زمانہ کا سکہ) خرچ کر دیا اور اس میں سے ایک حبہ بھی خدا کی راہ پر خرچ نہ کیا۔ شیخ نے کہ حریت وآزادی ان کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی، ترک سے کہا:

> کامل مومن وہ ہوتا ہے جس کے دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت اولاد کی محبت سے زیادہ ہو۔ تم نے اپنی لڑکی کی شادی میں ایک لاکھ چیتل خرچ کر دیا ہے، اس سے دوگنی رقم جب تک اللہ تعالیٰ کو راضی رکھنے کیلئے خرچ نہ کرو گے تمہاری عاقبت بخیر نہ ہوگی۔ مسلمان غرباء کی امداد کرو جو طالب علم ہیں اور نادار ہیں ان کے خرچ کے لئے بھی کچھ حصہ وقف کر دو۔

امراء ایسی باتیں سننے کے عادی نہیں ہوتے۔ چنانچہ اس ترک نے خفا ہو کر مسجد کی امامت کسی اور کو دے دی۔ آپ بڑی خوشی سے مسجد خالی کر کے حضرت بابا فرید شکر گنج کے پاس پاک پٹن میں آ گئے۔ بابا نے ان کو تسلی دی اور خدا کی راہ میں اس حق گوئی کے اظہار سے جو تکلیف ان کو

ہوئی اس کی برداشت کے لئے دعا فرمائی۔ (تاریخ اسلام کے ناقابل فراموش واقعات: ۳۰۷)

حضرت نظام الدین اولیاء کا بادشاہ کی ملاقات سے انکار

سلطان المشائخ حضرت نظام الدین اولیاء محبوب الٰہی کا لنگر اور دستر خوان بڑا وسیع تھا۔ نہ کوئی وظیفہ تھا نہ جاگیر لیکن ہزار ہا آدمی روزانہ کھانا کھاتے تھے۔ آپ سائلوں اور مہمانوں کی بڑی خاطر کرتے تھے۔ باوجود اس قدر فتوحات اور نذر و نیاز کے ایک کوڑی بھی اپنے پاس نہ رکھتے تھے۔ بعض حاسدوں کو آپ کا عروج دین و دنیا از حد ناگوار تھا۔

سلطان علاؤ الدین خلجی کے خدا جانے کیا کیا کان بھرے اور آپ کے وسیع دستر خوان اور آؤ بھگت اور کثرت سے عوام کی حلقہ بگوشی اور مرجع خلائق ہونے کے کیا کیا اندیشے ظاہر کیے کہ سنتے سنتے آخر بادشاہ کے دل میں بھی خطرہ پیدا ہو گیا کہ اس قدر عروج امور سلطنت میں ضرور رخنہ اندازی پیدا کر دے گا۔ اس نے آزمائش کے طور پر اپنے فرزند خضر خان کے ہاتھ جو حضرت کا مرید بھی تھا، ایک معروض اس مضمون کا بھیجا کہ آپ مجھ کو سلطنت کے اہم امورات میں اپنے صلاح و مشورہ سے مستفید فرمایا کریں۔

اس سے یہ دیکھنا مقصود تھا کہ ان کا دنیاوی عروج کی طرف خیال ہے یا نہیں۔ آپ نے جواب میں فرمایا کہ فقیروں کو سلطنت کے امورات سے کیا واسطہ؟ میں بیرون شہر ایک کونہ میں پڑا ہوا، بادشاہ اور مسلمانوں و جملہ مخلوق کی دعا گوئی میں مشغول ہوں، اس پر بھی مجھے ستاتے ہو۔ اگر بادشاہ کو میرا یہاں رہنا ناگوار ہے تو خدا کی زمین کشادہ ہے ارض اللہ واسعۃ میں کسی اور جگہ چلا جاؤں گا۔

بادشاہ اس جواب سے نادم ہوا اور کلمات معذرت کے ساتھ حاضر ہونے کی اجازت چاہی۔ آپ نے فرمایا، آنے کی کیا ضرورت ہے، میں غائبانہ دعا گو ہوں اور جو اثر غیبت دعا میں ہوتا ہے وہ سامنے کی دعا میں نہیں ہوتا۔

لیکن بادشاہ نے نہ مانا اور مصر ہوا۔ آپ نے لکھا، فقیر کے گھر کے دو دروازے ہیں، بادشاہ ایک دروازے سے آئیں گے، فقیر دوسرے دروازے سے نکل جائے گا۔

Marfat.com

جب کسی طرح حضرت نے اجازت نہ دی تو مجبوراً بادشاہ نے بلا اجازت جانے کا قصد کیا اور امیر خسرو سے جو حضرت کے مصحف بردار تھے، اس ارادہ کا تذکرہ کیا۔ امر خسرو سخت متفکر ہوئے کہ اگر حضرت کو خبر نہ کروں تو وہ ناراض ہوں گے اور اگر خبر کروں تو بادشاہ خفا ہوگا۔ آپ نے اس خیال سے کہ بادشاہ زبردستی ملاقات کرنا چاہتا ہے، اس کی ناراضگی تو قبول کر لی مگر حضرت کی خفگی کو پسند نہ کیا اور اپنی جان پر کھیل کر بادشاہ کے ارادے سے حضرت کو مطلع کیا۔ آپ اسی وقت اجودھن (پاک پٹن) چلے آئے۔

بادشاہ نے سنا تو امیر خسرو سے کہا، تمہارے راز فاش کر دینے سے میں حضرت کی قدم بوسی سے محروم رہا۔

امیر خسرو نے نہایت دلیری سے جواب دیا، حضور کی ناراضگی سے صرف جان کا خوف تھا مگر اپنے شیخ کی ناراضگی سے ایمان کا اندیشہ تھا۔ میں نے ایمان کو اپنی جان پر ترجیح دی۔

بادشاہ نے یہ برجستہ جواب سن کر معاف کر دیا۔

(از تاریخ دہلی جلد دوم ص ۷۶۸) (تاریخ اسلام کے ناقابل فراموش واقعات: ۳۰۸)

اپنی جان گنوادی مگر ظالم کو عادل نہیں کہا

خاندان تغلق کے دوسرے بادشاہ محمد بن تغلق کے عہد حکومت میں شیخ شہاب الدین حق گوؒ دہلی میں ایک نامور اہل بزرگ گزرے ہیں۔ سلطان نے ان کو مجبور کیا کہ میرے عادل ہونے کا فتویٰ صادر کریں اور خطبہ میں میرا نام سلطان محمد عادل لکھا جایا کرے۔

اکثر لوگوں نے آپ کو نشیب و فراز بھی سمجھائے ہوں گے کہ انکار کی صورت میں یہ جابر و ظالم بادشاہ سختی سے پیش آئے گا۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے کسی دھمکی، کسی خوف اور کسی جبر کی پرواہ نہیں کی اور صاف انکار کر دیا اور کہا کہ میں ظالم کو عادل اور دن کو رات وظلمت کو نور نہیں کہہ سکتا۔

بادشاہ کو خبر ہوئی اور آپ کو قلعہ سے نیچے پھینکوا دیا جس سے نہایت بے دردی کے ساتھ آپ کی شہادت واقع ہوئی۔

حق گوئی، راست بازی اور حریت صادقہ کے اظہار کا جو تلخ نتیجہ ہوتا ہے، اس سے آپ

Marfat.com

ناواقف نہیں تھے، جانتے تھے کہ

حق جو بولے گا وہ مارا جائے گا
فوق ہو، سرمد ہو یا منصور ہو

لیکن ظالم کو عادل اور بے رحم کو رحیم نہیں کہا۔ انہی حق گوئیوں اور راست بازیوں سے آپ کا نام حق گو مشہور ہو گیا۔ آپ کا مزار دہلی میں ہے۔

(مزارات اولیائے دہلی ص ۶۱) (تاریخ اسلام کے ناقابل فراموش واقعات: ۳۱۶)

شیخ شہاب الدین احمد جام کی حق گوئی

شیخ شہاب الدین احمد جام کو، جو کچھ علمائے کبار میں سے تھے اور سلطان قطب الدین اور سلطان تغلق جن کی زیارت کے لئے خود ان کے مکان پر جایا کرتے تھے اور جو شیخ الاسلام احمد جام زندہ پیل کی اولاد سے تھے۔ ایک دن سلطان نے محض علماء کی تحقیر اور اپنی ضد کے لئے نجی خدمات کو بلوا بھیجا۔ شیخ نے انکار کیا اور کہا کہ یہ علم اور اہل علم کی اعلانیہ اور بلاوجہ بے حرمتی ہے۔ بادشاہ نے دوبارہ کہا، آپ نے پھر بھی انکار کیا۔

ایک اور بزرگ تھے، شیخ ضیاء الدین سمنانی، ان کو حکم ہوا کہ شیخ کی داڑھی کھسوٹ ڈالو۔ سمنانی نے کہا کہ مجھ سے ایسا نہ ہو سکے گا۔ بادشاہ نے برہم ہو کر دونوں بزرگان دین کی ریش مبارک نچوادی۔ سمنانی تو ورنگل (دکن) جا کر مر گئے اور شیخ کو بادشاہ نے دولت آباد بھجوا دیا۔ سات سال کے بعد پھر خیال آیا۔ شیخ کو بلایا، معذرت کی اور بہت کچھ دیا دلایا۔

تھوڑے دنوں کے بعد بادشاہ کو پھر علماء کی تحقیر کرنے کا خیال آیا۔ چنانچہ شیخ کو بلوایا گیا، انہوں نے انکار کر دیا۔ مخلص الملک ندرباری امرائے عظام میں سے تھے۔ بادشاہ نے ان کو بھیجا کہ ہمارے قہر و غضب سے ڈرا کر جس طرح ہو، ان کو دربار میں لاؤ۔

آپ نے کہا، میں اس ظالم بادشاہ کی خدمت نہیں کر سکتا، جب تک وہ اپنے اعمال سے تائب نہ ہو۔

بادشاہ نے شیخ کو زبردستی گھسیٹ کر منگوایا اور کہا، کیا تو نے مجھے ظالم کہا؟ کوئی ثبوت؟

Marfat.com

شیخ نے کہا، ہاں! بے شک میں نے ظالم کہا ہے اور ثبوت ایک ہو تو بتاؤں۔ دلی کو اجاڑا کس قصور پر؟ ہزاروں اور لاکھوں انسانوں کو زبردستی اور اپنی بادشاہی کے تکبر پر بے خانماں کیا، آخر کس جرم پر؟

بادشاہ جواب تو کیا دیتا بلکہ شیخ کے پیروں میں بیڑیاں اور ہاتھوں میں ہتھکڑیاں ڈلوادیں۔ شیخ نے چودہ تک جیل خانہ میں فاقہ کیا۔ بادشاہ نے مفتیوں اور مشائخوں سے کہلوایا کہ شیخ سے کہو اپنے الفاظ واپس لے لے۔ مگر شیخ نے صاف انکار کیا اور کہا کہ میں سچ کو جھوٹ کہہ کر کیوں گنہگار بنوں اور شہادت کے درجہ سے کیوں محروم رہوں۔

چودھویں دن بادشاہ نے خود کھانے کے لئے زور دیا۔ آپ نے فرمایا کہ میرا رزق ختم ہو گیا ہے۔ بادشاہ نے اس بعد جو حماقت اور دیوانگی ظاہر کی، اس کی مثال بہت کم ملے گی۔ شیخ کے منہ میں گوبر پانی میں پتلا کر کے ڈالا گیا اور کہا، اب اسے قاضی کے پاس لے جاؤ۔ چنانچہ وہاں قاضی اور دیگر علماء ومشائخ نے سمجھایا کہ بادشاہ ضد پر اڑا ہوا ہے، اپنے قول واپس لے لو، کیا فائدہ؟ آپ نے فرمایا کہ اب کس بات کا ڈر؟ بادشاہ اس سے زیادہ یہی کرے گا کہ مجھے قتل کر دے، میں اس کے لئے تیار ہوں لیکن اپنے ایمان کو غارت نہیں کر سکتا۔

آخر دوسرے دن خودداری وحریت صادقہ کی یہ منہ بولتی تصویر تلوار کے ایک ہی وار سے ہمیشہ کے لئے خاموش ہو گئی۔

(تاریخ دہلی جلد اول ص ۱۷۶ تا ۱۸۰، تاریخ اسلام کے ناقابل فراموش واقعات: ۳۲۱)

تندمزاج بادشاہ کو ایک درویش کی نصیحت

سلطان محمد تغلق کا ابتدائی زمانہ تھا۔ ایک دن اس نے حضرت شیخ نصیر الدین دہلوی کو دعوت پر بلوایا۔ حضرت جانتے تھے کہ محمد تغلق نہایت تندمزاج اور غصہ ور اور متکبر بادشاہ ہے۔ اس خیال سے کہ انکار سے فتنہ کا اندیشہ ہے، دعوت میں آگئے۔ سلطان نے دعوت کے بعد کہا کہ مجھے کوئی نصیحت کیجئے۔ حضرت نے فرمایا، یہ درندوں کا سا غصہ جو تمہاری طبیعت اور عادت میں داخل ہے، اس کو چھوڑ دو۔

Marfat.com

سلطان نے ایک تھیلی نقد کی اور دو قطعہ صوف سبز اور سیاہ شیخ کے آگے رکھے تا کہ وہ خود اپنے ہاتھ سے اٹھائیں۔ خواجہ نظام الدین نے جو سلطان کے مصاحبوں اور حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کے مریدوں میں سے تھے، حضرت شیخ کے آگے سے کپڑا اور زرنقد اٹھا کر خدا کے حوالے کر دیا اور حضرت کی پاپوش سیدھی کر کے ان کے سامنے رکھ دی۔

سلطان کو خواجہ کی یہ حرکت ناگوار گزری اور تلوار کھینچ کر کہا کہ تیری کیا مجال اور طاقت تھی کہ تو نے یہ نازیبا حرکت کی؟

خواجہ نے کہا، اگر میں اس صوف اور بدرہ کو نہ اٹھاتا تو حضرت انکار فرما دیتے اور حضور کی دل شکنی ہوتی اور حضرت کی جوتیوں کا سیدھا کرنا میرا عین فرض ہے۔ اس جرم پر اگر بادشاہ مجھے قتل بھی کر دیں گے تو میں خوش، میرا خدا خوش۔ کیونکہ بادشاہ کی ننگ صحبت سے مجھے قیامت تک کے لئے نجات مل جائے گی۔ (سیر العارفین)

آہ! اب کیسا انقلاب آ گیا ہے۔ نہ وہ پیر ہیں نہ مرید۔ پیر ایسے ہیں کہ بادشاہوں کا خوف تو ایک طرف اپنے متمول اور صاحب جاہ مریدوں کو احکام شریعت کے خلاف عمل کرتے دیکھتے ہیں اور دم نہیں مارتے کہ ایسا نہ ہو نذر و نیاز سے بھی جاتے رہیں۔ مرید ایسے ہیں کہ اپنی اپنی غرضوں کے لئے ارادت مندی کا اظہار کر رہے ہیں۔ (تاریخ اسلام کے ناقابل فراموش واقعات: ۳۲۳)

حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت کی ایک مظلوم سے ہمدردی

حضرت میر سید جلال الدین بخاری المعروف حضرت مخدوم جہانیاں جہاگشت بڑی عظمت و شوکت کے بزرگ گزرے ہیں۔ ایک دفعہ ایک شخص ان کو سلطان فیروز شاہ دہلی کے وزیر خان جہاں کے پاس لے گیا جس نے اس کے بیٹے کو قید میں ڈال دیا تھا اور ذاتی عداوت کی وجہ سے اس کو سخت تکلیف دیتا تھا۔

مخدوم جہانیاں جب وزیر کے مکان پر پہنچے تو اس نے صاف انکار کر دیا۔ تاریخ العارفین میں لکھا ہے کہ حضرت مخدوم واپس آ گئے لیکن اس شخص کا فرزند چونکہ بہت تکلیف میں تھا، اس لئے وہ بار بار حضرت کے پاس آتا تھا اور حضرت بھی وزیر کے پاس بار بار جاتے تھے اور روز وزیر بھی ہر

Marfat.com

مرتبہ انہیں ناکام واپس بھیجتا تھا۔

لکھا ہے کہ انیس مرتبہ حضرت مخدوم جہانیاں وزیر کے پاس گئے اور واپس آئے۔ جب بیسویں مرتبہ گئے تو وزیر نے کہا، اے سید! تم کو شرم اور غیرت نہیں آتی کہ بار بار جواب ناصواب ملنے پر بھی یہاں آنے سے باز نہیں آتے۔

آپ نے فرمایا:

اے عزیز! مجھے ہر آمد و رفت پر ایک ثواب ملتا ہے۔ ایک تو اس بات کا کہ مظلوم کو اس کی حاجت روائی میں مدد دوں اور دوسرے یہ کہ تجھے نیکیوں کے گروہ میں داخل کروں۔

جب وزیر نے یہ کلمات سنے، سر ننگا کر کے پٹکا گلے میں ڈالا اور آپ کے قدموں پر گر پڑا۔ اس شخص کے بیٹے کو قید سے رہا کر دیا اور اس کو بہت کچھ انعام و اکرام دیا۔

اس زمانہ کا اس زمانہ سے مقابلہ کرو، کون شخص ہے جو اس بے ریائی اور بے غرضی سے خلق اللہ کی حاجت روائی میں اس تگ و دو اور جدو جہد سے کام لے رہا ہے؟

(تاریخ اسلام کے ناقابل فراموش واقعات: ۳۲۴)

ہمایوں کا کلمۂ کفر اور شیر خان کی غیرت ایمانی

شیر شاہ کی بغاوت کے اسباب مؤرخین نے مختلف بیان کیے ہیں مگر ایک سبب حال ہی میں معلوم ہوا ہے جو علامہ ابوالفضل کے چوتھے دفتر سے ملا ہے۔ علامہ ابوالفضل، شہزادہ مراد (خلف شہنشاہ اکبر) کو اس کی بے راہ روی اور لشکر و سپاہ کی عدم خبر گیری کے متعلق افسوس ظاہر کرتے ہوئے لکھتا ہے:

یقین فرمانا چاہئے کہ جو سپاہی اپنے سردار سے کسی شک کی وجہ سے ناراض ہوتا ہے یقیناً وہ کسی نہ کسی وقت کوئی زبردست حرکت کر بیٹھتا ہے۔ اس کی مثال اس سے بہتر کوئی نہیں ملتی۔ کہا جاتا ہے کہ جنت آشیاں ہمایوں بادشاہ کے خدمتیوں میں شیر خان نامی ایک افغان نوکر تھا جو نہایت عقلمندی، تدبیر سپاہ گری میں کامل

Marfat.com

اور درگاہ خسروی کا مقرب خاص تھا۔ اس کی ہر بات مانی جاتی تھی۔ ایک دن کہ بظاہر نوروز تھا، بادشاہ دہلی میں منارہ تغلق پر رونق افروز تھا اور چھوٹے بڑے لشکری منارے کے گرد جمع تھے۔ شیر خان بھی حضور میں دست بستہ کھڑا تھا کہ یکا یک کثرت لشکر کو دیکھ کر بادشاہ کی زبان سے کلمے نکلے ''ایں قدر لشکر کہ من دارم خدا داشتہ باشد''

چونکہ شیر خان مرد مسلمان تھا اور نہایت مضبوطی سے ارکان مذہب کا پابند۔ یہ کلمات سن کر بادشاہ کا منہ دیکھنے لگا اور کہا ''از امروز مرا ہمراہی با تو حرام شد''۔ یہ کہا اور نماز کا بہانہ کر کے منارہ سے نیچے اترا۔ گھر پہنچ کر اپنے سب بھائیوں کو بلایا اور کہا کہ اپنے اپنے گھوڑے تیار کرو کہ اس وقت سے ہمایوں بادشاہ کی ہمراہی حرام ہوگئی ہے کیونکہ اس کی زبان سے کلمہ کفر سن چکا ہوں۔

غور کرو، بادشاہ کی اس ذرا سی لغزش نے اسے کن کن مصائب میں مبتلا کیا۔ زن وفرزند چھوٹے، بادشاہ چھوٹی، یہاں تک کہ بارہ برس جلاوطن ہو کر ایران میں زندگی بسر کرنی پڑی۔ ادھر شیر خان کی حق گوئی اور غیرت ایمانی نے اسے شیر خان سے شیر شاہ بلکہ ہندوستان کا بادشاہ بنا دیا۔
(از رسالہ زمانہ اگست ۱۹۲۰ء جلد ۳۵) (تاریخ اسلام کے ناقابل فراموش واقعات: ۳۳۵)

شیخ بہاؤالدین زکریا ملتانی کی حق گوئی

قطب الدین ایبک رحمۃ اللہ علیہ کے بعد ۱۲۱۰ء ۶۰۶ھ میں اس کے داماد ناصر الدین قباچہ اور شمس الدین التمش ایک ہی وقت میں ہندوستان کے تخت حکومت پر بیٹھے۔ قباچہ ملتان اور دیول کا بادشاہ ہوا اور التمش دہلی کا۔

شمس الدین التمش بڑا نیک، صالح اور شریعت کا پابند تھا۔ وہ اسلام کے فروغ کے لئے ہر وقت کوشاں اور بے قرار رہتا تھا۔ فقراء اور درویشوں کی بہت عزت کرتا تھا۔ خاص کر چشتی بزرگوں کا بڑا معتقد تھا۔ جب سے یہ دہلی کے تخت حکومت پر بیٹھا تھا تو ناصر الدین قباچہ کی نظر ہر

Marfat.com

وقت دہلی کے تخت پر لگی رہتی تھی۔ وہ التمش کو اپنا بڑا حریف سمجھتا تھا۔ قباچہ نے التمش کو تخت حکومت سے بے دخل کرنے کے لئے ایک خفیہ سازش تیار کی۔

اس وقت قباچہ کے دارالحکومت ملتان میں بڑے بلند مرتبہ بزرگ حضرت شیخ بہاؤالدین زکریا ملتانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ موجود تھے۔ التمش کی دینداری اور اسلام پسندی کی وجہ سے ان کی پوری ہمدردی التمش کے ساتھ تھی۔ شیخ کو جب قباچہ کی التمش کے خلاف اس سازش کا علم ہوا تو انہوں نے فوراً اس کو ایک خط لکھ کر روانہ کیا۔ جس وقت قاصد یہ خط لے کر ملتان سے دہلی جارہا تھا تو راستہ میں اس کو قباچہ کے سپاہیوں نے پکڑ لیا۔ اسی انداز کا ایک خط قاضی شرف الدین اصفہانی نے بھی لکھا تھا جو پہلے ہی پکڑا جا چکا تھا۔

ناصرالدین باچہ نے یہ خطوط دیکھے تو اس کو بہت غصہ آیا۔ اس نے فوراً حضرت زکریا ملتانی اور شرف الدین اصفہانی کو دربار میں طلب کیا۔ پہلے قاضی شرف الدین اصفہانی کا خط ان کے ہاتھ میں دے کر کہا، لو دیکھو! یہ خط کس کا ہے؟ تم نے یہ خط کیوں لکھا؟ قاضی شرف الدین وہ خط دیکھ کر خاموش ہو گئے، کوئی جواب نہ پا کر قباچہ نے پاس کھڑے ہوئے جلاد کو حکم دیا، حکومت کے راز کو فاش کرنے کے جرم میں ان کو موت کی سزا دی جاتی ہے، ان کو قتل کر دیا جائے۔ جلاد نے آگے بڑھ کر قاضی شرف الدین اصفہانی کا سر قلم کر دیا۔

اس کے بعد قباچہ حضرت شیخ بہاؤالدین زکریا ملتانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی طرف متوجہ ہوا اور ان کا خط نکال کر ان کی طرف بڑھاتے ہوئے پوچھا، کیا یہ خط آپ نے لکھا ہے؟ حضرت زکریا ملتانی رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ نے خط پڑھا اور پوری درویشانہ شان و عظمت کے ساتھ جواب دیا، بے شک یہ خط میرا ہے، یہ تحریر بھی میری ہے۔

قباچہ نے پوچھا، آپ نے میرے خلاف یہ خط کیوں لکھا ہے؟ کیا یہ غداری نہیں ہے؟

حضرت زکریا ملتانی قباچہ کے تیور دیکھ رہے تھے اور سمجھ رہے تھے کہ وہ ان کے قتل کرنے کی تاویل کے طور پر اس خط کو پیش کر رہا ہے۔ مگر وہ یہ بھی جانتے تھے کہ موت لازم ہے، ایک نہ ایک دن موت آنی ہے اور زندگی کو ختم ہونا ہے۔ صبح سے شام تک ہزاروں لوگ کیڑے مکوڑوں کی طرح مرتے ہیں۔ ہاں اگر زندگی دائمی بن سکتی ہے تو صرف شہادت کی موت سے بن سکتی ہے جس کے

Marfat.com

لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ بَلْ اَحْيَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّا يَشْعُرُوْنَ ۝ (البقرة: ١٥٤)

یعنی جو لوگ اللہ کے راستہ میں مارے گئے ان کو مردہ نہ کہو بلکہ وہ تو زندگی پا گئے لیکن تم لوگ اس راز سے واقف نہیں ہو۔

شیخ نے بڑی بے نیازی سے جواب دیا:

اے بادشاہ! میں نے یہ خط حق تعالیٰ کے لئے لکھا ہے اور جو کچھ لکھا ہے وہ بھی حق ہے۔تمہارا جو جی چاہے کرو اور تم کر ہی کیا سکتے ہو، تمہارے ہاتھ میں ہے ہی کیا؟ تمام طاقت اس خالق مطلق کے ہاتھ میں ہے۔

قباچہ کے دل پر شیخ کی اس بے خوفی کا ایسا اثر ہوا کہ اس کا دل بیٹھتا چلا گیا۔اس کی ہمت نہ ہوئی کہ وہ اللہ کے اس حق گو بندے کو کچھ سزا دے سکے۔آخر ان کو باعزت رخصت کیا۔ (فوائد الفواد، سیر الاولیاء، سیر العارفین جلد اول بحوالہ مردان حق ۲۱۵)

چنگیز خان کے سامنے ایک مسلمان کی جرأت مندانہ گفتگو

چھٹی صدی ہجری کے آخری زمانے میں جب چنگیز خان نے مغولستان کی تمام چھوٹی چھوٹی ریاستوں کی فتح کر کے ایک بڑی حکومت قائم کر لی۔ اس وقت خراسان، ایران، کابل اور ترکستان کا بادشاہ خوارزم شاہ تھا۔چنگیز خان نے سلطان خوارزم شاہ سے امن وامان سے رہنے کا معاہدہ کرنا چاہا لیکن اس ناعاقبت اندیش بادشاہ نے اس کام میں اس کی معاونت نہ کی بلکہ اس کے قاصدوں کو بھی قتل کرا دیا۔چنگیز خان بہت عرصہ تک ضبط سے کام لیتا رہا لیکن جب اس نے دیکھا کہ خوارزم شاہ ہر قاصد کو قتل کرا دیتا ہے اور امن کے معاہدے کے سلسلے میں کوئی پیش رفت نہیں کرنا چاہتا تو وہ مشتعل ہوا تھا۔خوارزم شاہ کی کم فہمی سے چنگیز خاں پر ایسا اثر قائم ہوا کہ وہ اسلام کو بہت برا مذہب سمجھنے لگا۔اس نے یہ طے کیا کہ اسلام اور مسلمانوں کو صفحہ ہستی سے مٹا ڈالے گا۔

اس عزم کے ساتھ چنگیز خاں عالم اسلام کی طرف آگ وخون کے طوفان کی طرح بڑھا۔

Marfat.com

سب سے پہلے اس کے سامنے وسطی ایشیا تھا۔ سمرقند اور بخارا جیسے شہر تھے جو اسلامی عظمت کے بے مثال مرکز تھے۔ ہزاروں علماء، فقہاء، بزرگ یہاں آباد تھے۔ دین کے خوب چرچے تھے۔ سمرقند پر مغلوں نے حملہ کیا تو خوارزم شاہ بڑی بزدلی سے بھاگ کھڑا ہوا۔ اس کے بعد بخارا فتح ہو گیا۔ مغلوں نے یہ طے کیا کہ ایک بھی مسلمان مرد، عورت، بوڑھے اور بچے کو زندہ نہیں چھوڑنا ہے۔ چنانچہ تمام آبادی قتل کر دی گئی۔ اس آفت ناگہانی کے خوف سے بہت سے مسلمان بخارا کی جامع مسجد میں اکٹھے ہو گئے۔

چنگیز خاں کو معلوم ہوا کہ بہت سے لوگ جامع مسجد میں اکٹھے ہیں تو وہ خود وہاں جا پہنچا۔ گھوڑے پر سوار ہی اندر تک گیا۔ منبر کے پاس جا کر گھوڑے سے اترا۔ مسلمان خوف سے کانپتے ہوئے اس کے منہ کو تک رہے تھے، کہیں بھاگ نہیں سکتے تھے اس لئے کہ تاتاری فوج نے مسجد کا محاصرہ کر لیا تھا۔

چنگیز خاں منبر پر چڑھا تو وہاں قراں کا ایک نسخہ رکھا دیکھا۔ اس کو اٹھالیا، اس کو بلند کرتے ہوئے کہا، یہ وہ کتاب ہے جس پر تم گھمنڈ کرتے ہو۔ دیکھو یہ تمہاری کیا مدد کرسی۔ پھر اس نے اسلام اور قرآن کے متعلق زہر اگلنا شروع کر دیا۔ چنگیز جوش میں بول رہا تھا۔ شہر میں آگ کے شعلے بلند ہو رہے تھے۔ قتل عام ہو رہا تھا۔ قتل ہونے والے مظلوم بچوں، بوڑھوں اور عورتوں کی آوازیں آ رہی تھیں۔ جامع مسجد کے اندر مسلمان لرزاں و ترساں چنگیز کی باتوں کو سن رہے تھے۔ کسی کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کہے چلا جا رہا ہے۔ اچانک ان ہراساں مسلمانوں کی بھیڑ کو چیرتے ہوئے ایک بزرگ نکلے۔ چہرے پر جلال تھا، بے خوفی تھی، اسلام کی توہین پر غصہ تھا۔ یہ تھے سید شمس الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ۔ ہجوم کو چیرتے ہوئے یہ چنگیز خاں کے سامنے جا کھڑے ہوئے اور کڑک دار آواز میں بولے:

> اپنے آپ کو آسمانی قہر سمجھنے والے قاتل، اپنی فرعونیت کا جواب سن۔ تو شر و فساد کا مجسمہ ہے، قتل و غارت گری کا پیکر ہے۔ ہم پر ہمارا اللہ ناراض ہے اس لئے تجھ جیسے درندے کو بطور عذاب ہم پر نازل کیا۔ کان کھول کر سن لے، جس اسلام کا تو مذاق اڑا رہا ہے، اس کی عظمت تجھ جیسے وحشی طاقت کے زور سے کم نہیں کر سکتے۔

Marfat.com

اسلام دنیا کے ایک عظیم مذہب کی حیثیت سے زندہ رہے گا اور تیرا نام گالی بن کر رہ جائے گا۔ تو نے بخارا میں اسلامی پرچم کو جھکا دیا ہے لیکن ساری دنیا میں اسلامی پرچم کو جھکانا تیرے بس کی بات نہیں ہے۔ تو یہ چاہتا ہے کہ ہمارے سر تیرے آگے جھکیں۔ یہ وہ سر ہیں جو صرف اللہ کے آگے جھکتے ہیں، یہ تیرے آگے نہیں جھک سکتے۔ تو ہمارے جسموں کو غلام بنا سکتا ہے لیکن ہمارے دل تجھ پر لعنت بھیجتے رہیں گے۔ (مختلف کتب تواریخ سے ماخوذ بحوالہ مردان حق ۲۳۲)

مولانا شمس الدین کرمانی کی حق گوئی

سلطان محمود خلجی کو احمد آباد بیدر میں قیام کرتے ہوئے کافی دن گزر گئے تو اس نے مولانا شمس الدین حق گوئے کرمانی سے ملاقات کی اور ان سے کہا کہ میرے پاس ترکاری ختم ہوگئی ہے اور اس سے بہت پریشان ہوں، ان تختوں کے اوپر اس قدر ترکاری پیدا کرنا جو شاہی باورچی خانہ کے لئے کافی ہو، بہت مشکل ہے۔ اگر کسی شخص کے پاس حلال کے روپے سے خریدی ہوئی زمین موجود ہو تو مجھے بتایئے تاکہ میں اچھی قیمتیں دے کر سبزیاں خریدوں۔

یہ بات سن کر مولانا شمس الدین حق گوئے کرمانی نے فرمایا:

اے بادشاہ! تو ایسی بات نہ کہہ کہ جسے سن کر تیرا مذاق اڑایا جائے۔ مسلمانوں کے ملک میں آ کر ان کے مال واسباب کو تباہ و غارت کرنا، ان کے گھروں اور آبادیوں کو ویران کرنا اور اس کے باوجود کپڑے اور ترکاری وغیرہ کی خرید و فروخت کے سلسلہ میں حرام وحلال کا خیال کرنا حماقت نہیں ہے تو کیا ہے؟ یہ سب کچھ خدا ترسی سے بہت دور ہے۔

یہ سن کر بادشاہ کی آنکھوں میں آنسو آگئے اور اس نے کہا، آپ سچ کہتے ہیں لیکن جہاں بانی اور ملک گیری ان باتوں کے بغیر مشکل ہے۔ (تاریخ فرشتہ ۲/۶۳۴)

Marfat.com

شیخ ابوعبداللہ کی ایمان افروز حق گوئی

ملک عرب میں یحییٰ بن نعمان نامی ایک بادشاہ تھا۔ اس کے عہد حکومت میں ابوعبداللہ نامی ایک بزرگ تھے جنہوں نے اہل دنیا سے ہر قسم کے تعلقات قطع کر کے گوشہ نشینی اور فقیری کو اپنا لیا تھا۔ ایک دن یحییٰ بن نعمان کا گزر ایک ایسے راستے سے ہوا جس پر شیخ ابوعبداللہ بھی اپنے مریدوں کے ہمراہ گزر رہے تھے۔ شیخ نے بادشاہ کو سلام کیا۔ بادشاہ نے سلام کا جواب دے کر ان سے پوچھا، میرے بدن پر جو ریشمی لباس ہے، اسے پہن کر نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ یہ سن کر شیخ مسکرا دیئے اور کہنے لگے:

> تیرا حال بالکل اس شخص جیسا ہے جو سر سے لے کر پاؤں تک نجاست وغلاظت میں ملوث ہو لیکن پیشاب کی چھینٹ سے پرہیز کرتا ہو۔ تیرا پیٹ حرام کے لقموں سے بھرا ہوا ہے، تیری گردن پر خلق اللہ پر ظلم ڈھانے کا طوق ہے اور تو ریشم اور نماز کے مسئلے کو دریافت کرتا ہے؟

یہ سچی بات سن کر بادشاہ رو دیا اور اپنے گھوڑے سے اتر کر شیخ کا ہاتھ چوما اور ان کے ہاتھ پر بیعت کر کے بادشاہت ترک کر دی اور باقی زندگی شیخ کی خدمت میں گزاری۔

(تاریخ فرشتہ ۲/۶۳۵)

شاہی آداب پر سنت کو ترجیح

فرقہ مہدویہ میں شیخ علائی نامی ایک شخص گزرا ہے، علوم وفنون میں اسے کامل دسترس تھی۔ باپ اس کا حسن نامی بنگالہ کے شیوخ میں سے تھا۔ باپ کے بعد خود مسند ارشاد پر بیٹھا، جائے سکونت بیانہ تھی۔

ایک مرتبہ بیانہ میں میاں عبداللہ افغان نیازی جو سید محمد جون پوری بانی فرقہ مہدویہ کے ایک خلیفہ کا مرید تھا، آ گیا۔ شیخ علائی کو اس کے طور وطریق اچھے معلوم نہ ہوئے۔ جو کچھ اسباب دنیوی پاس تھا، راہ خدا میں تقسیم کر دیا۔ بی بی سے کہا کہ فقر وفاقہ منظور ہو تو بسم اللہ میرے ساتھ رہو ورنہ

Marfat.com

اپنا حصہ اس مال سے لے لو اور مختار ہو، جہاں چاہو رہو۔ بیوی بھی نیک بخت تھی، اس نے فقر و فاقہ منظور کر لیا۔

شیخ علائی دن میں دو مرتبہ قرآن کریم کا درس دیتے۔ وعظ میں وہ تاثیر تھی کہ لوگ دم بخود ہو کر بیٹھے رہتے تھے اور خواہ کوئی کیسا ہی پاپی کیوں نہ ہوتا، ایک دفعہ تو گناہوں سے توبہ کر لیتا تھا۔

یہ زمانہ سلیم شاہ سوری کا تھا۔ اس نے شیخ علائی کی شہرت سنی اور بیانہ سے بلوا بھیجا۔ حسب الحکم شیخ علائی آگرہ آئے۔ اہل دربار نے مراسم و آداب شاہانہ سے مطلع کیا۔ لیکن آپ نے رسوم و آداب شہنشاہی سب کو بالائے طاق رکھا اور سنت نبوی کے مطابق السلام علیکم کے سوا اور کچھ نہ کہا۔

بادشاہ کو برا معلوم ہوا اور بڑی کراہت سے جواب دیا۔ امرائے دربار کو بھی یہ حرکت ناگوار گزری بلکہ ایک درباری نے تو شیخ علائی کی شکستہ حالی اور پھٹے پرانے کپڑوں اور ٹوٹی ہوئی جوتیوں پر پھبتی جمائی۔ لیکن شیخ پر نہ اہل دربار کی چہ میگوئیوں اور نہ سلیم شاہ کے غصہ کا کچھ اثر ہوا۔ انہوں نے قرآن کریم کی چند آیتوں سے تقریر شروع کر کے دنیا کی مذمت، احوال آخرت اور دین فروش بے عمل اور جاہ پسند علماء کی قوم فروشیوں کا ذکر شروع کر دیا۔ وعظ میں اس قسم کا جادو تھا کہ بادشاہ اور مقربان بارگاہ سب پر وجدانی کیفیت طاری ہو گئی۔

بادشاہ نے محل سرا میں جا کر شیخ اور اس کے ہمراہیوں کا کھانا بھجوایا لیکن ان میں سے کسی نے بھی نہ کھایا۔ سلیم شاہ نے واپس آ کر سبب پوچھا تو شیخ نے جواب دیا:

> تمہارا خزانہ بیت المال ہے جو سب مسلمانوں کا حق ہے اور چونکہ تمہارا تصرف اس پر بے جا ہے اور بغیر مسلمانوں کی رضامندی کے بیت المال کا روپیہ خرچ کر رہے ہو، اس لئے تمہاری دعوت کا قبول کرنا ہم پر جائز نہیں ہے۔

سلیم شاہ کو غصہ آیا مگر ضبط کر گیا اس لئے کہ بات بالکل سچی تھی۔ (تاریخ فرشتہ، تاریخ ہند ذکاء اللہ، تاریخ شوکت لودھی) (تاریخ اسلام کے ناقابل فراموش واقعات: ۳۳۹)

Marfat.com

ایک مردانہ صفت قیدی لڑکی کی حیرت انگیز جرأت

بایزید کی افواج میں ایک ایرانی النسل شخص (یزدانی) ترکی افواج کا جنرل تھا۔ اس کی نوجوان بیٹی امۃ الحبیب بھی اسی فوج میں لیفٹیننٹ کے عہدہ پر تھی۔ یہ شیر دل عورت اپنی بہادری و جرأت اور اپنے شریفانہ چلن کی وجہ سے مقبول خلائق تھی۔

بایزید اپنے ملک میں امن و امان سے حکومت کر رہا تھا کہ دفعتاً امیر تیمور جیسے خون خوار اور جنگ جو دشمن نے اس پر حملہ کر دیا۔ بایزید اور اس کی افواج نے مقابلہ تو خوب کیا مگر کئی دنوں کی خوفناک اور خون ریز جنگوں کے بعد بایزید کی فوج کو شکست ہوئی اور امۃ الحبیب اپنے بہت سے مددگاروں اور جاں نثاروں کے ساتھ گرفتار ہوگئی۔

دوسرے دن شہنشاہ تیمور نے قیدیوں کے قتل کا حکم دے دیا۔ امۃ الحبیب نے سنا تو پاؤں تلے سے زمین نکل گئی اور تیمور کے اس بے رحمانہ فیصلے اور ترکوں کے اس بے کسانہ حال پر غم وغصہ سے بے تاب ہو کر امیر تیمور کے دربار میں آئی اور کہا، مجھے کچھ عرض کرنا ہے۔ امیر نے چند قدیموں کی سفارش سے اس دلیر اور جری خاتون کو جو مردانہ بھیس میں شہنشاہ کے تخت کے سامنے کھڑی تھی، بلایا اور عرض معروض کی اجازت دی۔ امۃ الحبیب نے نہایت بے خوفی و بے باکی سے امیر کی خونخواری کا ذکر ذیل کے الفاظ میں کیا:

> اے شہنشاہ! تو نے جو بایزید پر بلاوجہ چڑھائی کر کے ہزارہا بندگان خدا کی خونریزی کی ہے، خوب سمجھ لے کہ یہ ایک ایسا سنگین جرم ہے جو کبھی معاف نہ ہو گا۔ ستر ہزار بے گناہ ترکوں کو دھوکہ دے کر سرنگ کے ذریعہ اڑا دیا۔ یہ ترکوں کی خونریزی نہیں کی بلکہ اسلام کی بیخ و بن کو اکھیڑ دیا۔ کسی آسمانی شریعت یا ملکی قانون میں تو یہ بتا سکتا ہے کہ مسلمانوں کو اس بے رحمی اور ظلم کے ساتھ قتل کرنا جائز ہے؟ بایزید نے نہایت تواضع اور فروتنی کے ساتھ تجھے صلح کا پیغام دیا کہ بے گناہ مخلوق کی جان بچ جائے مگر فاتحان اولوالعزم میں شامل ہونے کے تکبر نے تجھے اس پیغام پر توجہ کرنے کی مہلت نہ دی۔

Marfat.com

اے شہنشاہ! ہماری طرح تیری عمر کا پیمانہ بھی ایک دن لبریز ہونے والا ہے اور اس عالم کو طے کر کے رب الافواج کے سامنے کھڑا ہونا ہے۔ پھر تو ہی بتا کہ جب وہ ان مظلوم جفاکشوں کی بابت تجھ سے عتاب آمیز سوال کرے گا تو کیا جواب دے گا؟

اے شہنشاہ! آج تک کبھی مظلوم قیدیوں پر بہادروں کی تلواریں اٹھی ہیں؟ ہم بے بس قیدی ہیں، ہمارے ہاتھ پاؤں زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہیں۔ یہ نہایت ہی بزدلانہ اور نفرت انگیز فیصلہ ہے کہ اس بے کسی کی حالت میں ہماری گردن مارنے کا حکم دیا گیا ہے۔

اس کے بعد امۃ الحبیب نے اپنا آہنی خود اتار کر زمین پر پھینک دیا اور کہا:

اے سلطان دیکھ! میں ایک ناتجربہ کار عورت ہوں۔ اس سے تو اندازہ کر سکتا ہے کہ جس قوم کی عورتیں ایسی بے باک اور بہادر ہوتی ہیں، ان کے مرد کیسے بے خوف و دلیر ہوں گے۔

اس اثناء میں تیموری دربار کی عجب کیفیت تھی۔ چاروں طرف خاموشی اور سکوت کا سناٹا چھایا ہوا تھا اور ہر متنفس پر سکتہ کا عالم طاری تھا۔ لیکن حریت نوازی اور حق گوئی کی یہ دلدادہ خاتون فوجی لباس زیب تن کئے پوری جرأت سے کام لے رہی تھی۔ جب اس نے آہنی خود اتارا تو پورا دربار اور خود تیمور تعجب و حیرت کے عالم میں دیکھتے کے دیکھتے رہ گئے۔

اس آزادگوئی کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ امۃ الحبیب اور اس کے جاں نثار قیدیوں کا خون معاف ہو جاتا ہے اور امۃ الحبیب اپنی اور اپنے باپ کی مرضی سے تیمور کے نکاح میں آجاتی ہے اور حمیدہ بانو بیگم کا خطاب حاصل کر کے شہنشاہ بیگم کہلاتی ہے۔

۸۰۷ھ میں تیمور کا انتقال ہوا۔ حمیدہ بانو بیگم کے ہاں تیمور سے کئی بچے پیدا ہوئے مگر زندہ کوئی نہ رہا۔ حمیدہ نے کئی کتابیں بھی تصنیف کی ہیں۔ خاوند کی وفات کے بعد سوتیلے بیٹے کے مظالم سے تنگ آکر پہلے طفلس پھر باطوم اور آخر قسطنطنیہ جانا پڑا اور وہیں بعمر ۶۱ سال انتقال ہوا۔

(تاریخ اسلام کے ناقابل فراموش واقعات: ۳۴۴)

Marfat.com

ایک عالم کا بادشاہ کی مصاحبت سے انکار

بابر کے آغاز حکومت میں جب شاہ حسین ثانی ابن شاہ محمود لنگاہ والی ملتان پر مرزا شاہ ارغون نے ۹۳۲ھ میں حملہ کیا تو مولانا ابراہیم جامع لاہوری بھی جن کی درسگاہ سے ہزاروں طلباء مستفیض ہو چکے تھے، ہزار ہا نا کردہ گناہوں کے ساتھ مرزا کی سخت گیریوں کا شکار ہوئے۔

مرزا نے مولانا ابراہیم اور ان کے بیٹے مولانا سعد اللہ کو بیڑیاں ڈالیں اور ان کا تمام اثاث البیت صرف اس جرم میں کہ وہ مالدار تھے، ضبط کر لیا۔ کچھ عرصہ بعد جب مرزا کو مولانا کے علم و فضل کا علم ہوا تو بہت ندامت ظاہر کی۔ ان کا تمام ضبط شدہ مال واپس کر دیا اور مولانا سے باصرار کہا کہ آپ میری ہمراہی اور مصاحبت قبول فرمائیں گے تو میری اس سے عزت افزائی ہو گی۔

مولانا نے فرمایا، اب حیات مستعار اپنے آخری لمحوں پر ہے۔ یہ وقت آخرت کے سفر کا ہے نہ بادشاہوں کی ہمراہی کا۔ یہ زمانہ آغوش لحد میں جانے کا ہے نہ بادشاہوں سے بغل گیر ہونے کا۔ اس لئے مجھے معاف فرمایا جائے۔

(تذکرۃ العلماء والمشائخ ص ۱۰) (تاریخ اسلام کے ناقابل فراموش واقعات: ۳۴۶)

مصائب قبول کیے مگر بادشاہ کو سجدہ نہ کیا

مولانا شیخ حسین اجمیری بقول بعض حضرت معین الدین چشتیؒ کی اولاد میں سے تھے اور ان کی درگاہ کے متولی اور شاہانہ زندگی بسر کرتے تھے۔ دشمنوں نے بادشاہ تک رپورٹ پہنچائی کہ حضرت خواجگان کی کوئی اولاد نہ تھی، یہ بغیر استحقاق کے کس طرح متولی بن گئے۔ کچھ اور بھی حاشیے چڑھائے۔ بادشاہ نے ان کو مکہ کی طرف بھجوا دیا۔

جب وہ حج کر کے واپس آئے تو یہاں کے دربار کا آئین اکبر کے دین الٰہی کے اجراء کے باعث بالکل بدل چکا تھا۔ چنانچہ شیخ وہ شرائط آداب جو ایجاد ہوئی تھیں اور جن کو وہ اسلام کے خلاف سمجھتے تھے، بجا نہ لائے۔ بادشاہ نے ناراض ہو کر قید کر دیا۔

چند سال کے بعد بعض سفارشوں سے بعض دوسرے قیدیوں کے ساتھ ان کو بھی رہائی ملی۔

Marfat.com

سب قیدی بادشاہ کے روبرو آئے اور سجدہ بجالا کر رخصت ہوتے رہے مگر شیخ نے بوضع قدیم تعظیم و تسلیم کی اور سجدہ نہ کیا۔ بادشاہ نے ناراض ہو کر بھکر میں چوکی پہرہ کے ساتھ بھجوا دیا اور معمولی معاش مقرر کر دی۔ (تاریخ ہند ذکاء اللہ مرحوم) (تاریخ اسلام کے ناقابل فراموش واقعات:۳۴۹)

اظہار حق کے لئے جلاوطنی

مولانا عبداللہ سلطان پوری انصاری جو شیر شاہ سوری کے زمانہ سے مخدوم الملک کے خطاب سے ممتاز رہے، ہند کے اکابر سے تھے۔ جب اکبر نے نیا مذہب دین الٰہی اکبر شاہی ایجاد کر کے آفتاب پرستی وغیرہ کے احکام اور نیا کلمہ لا الہ الا اللہ اکبر خلیفۃ اللہ جاری کیا اور اکثر زر پرست اور جاہ طلب مولویوں اور عالموں نے اکبر کی ہاں میں ہاں ملائی اور غیرت دینی اور حمیت ملی سے مطلق کام نہ لیا تو مولانا انصاری نے جرأت کر کے اکبر کو اس کفر و ضلالت سے روکا۔

اکبر نے حکم دیا کہ آپ میرے ملک سے باہر نکل جائیں۔ سارے ہندوستان میں اکبر کی حکومت تھی، کچھ ریاستیں آزاد تھیں لیکن وہ اس کے زیر اثر تھیں۔ اس لئے مولانا کہاں جا سکتے تھے؟ آخر ایک مسجد میں معتکف ہو گئے کہ خدا کے گھر سے کون نکالے گا۔

اکبر کو خبر ہوئی، اس نے وہاں سے بھی نکلوا دیا۔ آخر آپ حج کو چلے گئے۔ جب واپس آئے تو بقول بعض بادشاہ کے حکم سے ۱۰۰۶ھ میں آپ کو کھانے میں زہر دیا گیا جس سے آپ کا انتقال ہو گیا۔ کئی کتابیں مثلاً دافع کفر و ضلالت اور محی السنۃ والتوحید وغیرہ آپ کی تصانیف ہیں۔ (تاریخ اسلام کے ناقابل فراموش واقعات:۳۵۴)

میری عملداری میں ایسا نہ ہو

امانت خان نے صوبیداریٔ دکن کے دنوں میں اورنگ آباد کو اپنا مستقر بنایا تھا۔ ایک مرتبہ شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر کے عہد میں معزالدین ایک تیموری شہزادہ نے اورنگ آباد میں بہت سے کارخانے کھول رکھے تھے۔ بادشاہ کی خدمت میں عرضی پیش کی کہ میرے کارخانے قلت مکانات کی وجہ سے شہر سے باہر ہیں، موسم برسات کا ہے، مکانات بوسیدہ اور خراب اور اسباب

Marfat.com

زیادہ۔ اگر حکم ہو تو سنجر بیگ متوفی کی حویلیوں میں کہ بالکل محفوظ ہیں، اپنا اسباب رکھ لوں۔

بادشاہ نے امانت خان کے نام حکم دیا لیکن اس نے تعمیل نہ کی۔ شہزادہ نے پھر عرضی دی۔ بادشاہ نے محمد علی خانساماں کو (جسے نہایت قرب و اعتبار حاصل تھا) حکم دیا کہ امانت خان سے کہہ کر وہ مکان شہزادہ کو دلوایا جائے لیکن اس حق پرست وحق آگاہ نے پھر بھی مکان نہ دیا۔

ایک دن بادشاہ کی سواری جارہی تھی۔ محمد علی خان، شہزادہ معزالدین اور امانت علی خان سب لوگ جلو میں تھے۔ محمد علی خان نے بادشاہ سے کہا، مرشد زادہ (شہزادہ معزالدین) کو حویلی سنجر بیگ عطا فرمانے کے لئے حضور نے کئی احکام صادر فرمائے ہیں مگر صوبیدار صاحب نے ابھی تک حویلی نہیں دی۔ بادشاہ نے امانت خان سے سبب پوچھا۔ اس نے بے محابا اور بے دھڑک جواب دیا:

> حضور! غور فرمائیں، جب اس برق و باراں کے موسم میں شہزادہ کو حسب خواہش مکان نہیں مل سکتا تو سنجر بیگ کے وارثوں اور لواحقین کو جو اس وقت بے سرو سرمایہ ہیں، کہاں سر چھپانے کو جگہ ملے گی؟ آج جو اوروں کو تکلیف دیتے ہیں، کل انہیں بھی مصائب برداشت کرنے کے لئے تیار رہنا چاہئے۔ اگر بڑے بڑے آدمیوں اور شہزادوں نے اس طرح بے وسیلہ اور مصیبت زدہ لوگوں کے مکانات چھین لینے ہیں تو کم سے کم میری عملداری میں ایسا نہ ہو۔ اور اگر حضور کو پاس خاطر منظور ہے تو میرا استعفیٰ قبول فرمایئے اور یہ کام اس کے سپرد کیجئے جس کا جگر لوہے اور دل پتھر کا ہو۔

بادشاہ نے امانت خان کا یہ جواب سن کر سر نیچے کر لیا اور خاموشی کے سوا کوئی جواب نہ دیا۔

(ماثر الامراء جلد اول ص ۳۶۶) (تاریخ اسلام کے ناقابل فراموش واقعات: ۳۷۶)

بادشاہ خاموش ہو گیا

اورنگزیب عالمگیر کے زمانہ میں ایک صوفی اور درویش شیخ محب اللہ الٰہ آبادی کے نام سے گزرے ہیں۔ انہوں نے ایک کتاب تسویہ کے نام سے لکھی جس میں علاوہ اور امور کے جرائیل

اور وحی کی حقیقت کا اظہار ان الفاظ میں کیا گیا ہے:

جبرائیل محمد در ذات محمد بود ﷺ و ہم چنیں جبرئیل باہر پیغمبرے در ذات وے بود و آں قوت باطنی ایشان بود کہ در غلبہ آں قوت وحی بر ایشاں نازل می گردید، لہذا جبرئیل باہر پیغمبرے بزبان وے سخن گفتہ۔

جب یہ رسالہ شاہ اورنگ زیب کی نظر سے گزرا تو شدید انکار کیا۔ شیخ اس زمانہ میں رحلت کر چکے تھے لیکن ان کے نامور مریدوں میں سے دو شخص پایہ تخت میں موجود تھے۔ ایک میر سید محمد جو ملازم شاہی اور امرائے دربار میں سے تھے۔ دوسرے شیخ محمدی جو لباس درویشی و زہد میں تھے۔ اول بادشاہ نے میر سید محمد سے تسویہ کی اس عبادت کی شرح دریافت کی۔ سید نے شیخ کی مریدی سے انکار کر کے اپنی جان و آبرو بچالی۔ بعد ازاں بادشاہ نے شیخ محمدی کے پاس پیغام بھیجا کہ اگر تمہیں شیخ کی مریدی کا اقرار ہے تو احکام شرع شریف سے اس رسالہ کے مقدمات کے مطابق کر کے بتاؤ۔ اور اگر مطابق نہیں کر سکتے تو ان کی مریدی سے استغنا کرو اور کتاب کو آگ میں ڈال دو۔

شیخ محمدی نے جواب دیا کہ مجھے نہ ان کی مریدی سے انکار ہے، نہ استغنا کی ضرورت۔ لیکن جس مقام سے کہ شیخ نے گفتگو کی ہے، مجھے وہاں تک رسائی حاصل نہیں ہے۔ جس وقت میں اس رتبہ کو پہنچ جاؤں گا تو آپ کی درخواست کے بموجب اس کی شرح لکھ کر بھیجوں گا اور اگر بادشاہ نے اس کا جلانا ٹھان لیا ہے تو اس فقیر متوکل کے گھر سے کہیں زیادہ شاہی مطبخ میں آگ موجود ہے، حکم دیا جائے کہ یہ رسالہ اور جس قدر اس کی نقلیں دستیاب ہوں، آگ میں جھونک دی جائیں۔

بادشاہ اس جواب کو سن کر ساکت رہ گیا (ماثر الکرم مصنفہ مولانا آزاد بلگرامی مرحوم ص ۱۵)

(تاریخ اسلام کے ناقابل فراموش واقعات: ۳۷۸)

شہادت کی آرزو باقی ہے

بہادر شاہ کے زمانہ (۱۱۲۱ھ) اور اس کے چوتھے سال جلوس کا ذکر ہے کہ کسی مذہبی معاملہ پر فضلائے لاہور نے شورش کی۔ بادشاہ نے ان کو بلوایا۔ حاجی یار محمد اور محمد مراد تین چار مشہور فاضلوں کے ساتھ بادشاہ کے پاس گئے۔ بادشاہ نے رعب دکھا کر اور آنکھیں غصہ سے لال پیلی

Marfat.com

کر کے ایک سوال کیا۔ دربار کو توقع تھی کہ علمائے لاہور اپنے دعویٰ سے دستبردار ہو کر عفو تقصیرات کے خواہشمند ہوں گے لیکن حاجی یار محمد نے بادشاہ کے قول کا ایسا رد کیا کہ اس کا جواب نہ ہو سکا۔ بادشاہ نے برآشفتہ ہو کر فرمایا کہ بادشاہوں کے غضب سے نہیں ڈرتا۔ حاجی یار محمد نے جواب دیا:

> مجھے اپنے خداوند کریم سے ہمیشہ چار چیزوں کی خواہش رہی۔ اول تحصیل علم، دوم حفظ کلام اللہ، سوم حج اور چہارم شہادت۔ الحمدللہ کہ اللہ تعالیٰ نے تین نعمتیں عطا کیں، اب شہادت کی آرزو باقی ہے۔ بادشاہ کی توجہ سے ممکن ہے اس میں بھی کامیاب ہو جاؤں۔

تاریخ میں لکھا ہے کہ حاجی یار محمد کا یہ استقلال اور حوصلہ دیکھ کر تقریباً ایک لاکھ آدمی اس کے ساتھ متفق ہو گئے۔

واقعہ یہ تھا کہ بہادر شاہ بعض شیعہ علماء کے ایماء سے خطبہ میں کچھ الفاظ بڑھانا چاہتا تھا اور علمائے اہل سنت اس سے انکار کرتے تھے۔ آخر بادشاہ کو ہار ماننی پڑی اور خطبہ وہی رہا جو عالمگیر کے زمانہ میں پڑھا جاتا تھا۔ بادشاہ نے دل میں کدورت رکھی اور آخر کسی بہانہ سے حاجی یار محمد اور اس کے دو ہمراہیوں کو قلعہ میں بند کر دیا۔ لیکن ان تکلیفوں اور نظر بندیوں پر بھی انہوں نے ضمیر فروشی سے کام نہ لیا۔ (تاریخ اسلام کے ناقابل فراموش واقعات: ۳۸۴)

فرخ سیر کے زمانہ کا ایک حق گو واعظ

فرخ سیر بادشاہ دہلی کے تیسرے سال جلوس ۱۱۲۵ھ مطابق ۱۷۱۳ء میں ملتان سے ایک واعظ شیخ عبداللہ نام دارالخلافہ میں آیا۔ خواجہ محمد جعفر خان دوران خان بخشی کا بھائی تھا۔ شیخ عبداللہ ایک دن اس سے ملنے آیا، دیکھا کہ لوگ سلام کی بجائے آداب زمین بوس بجالا رہے ہیں۔ شیخ نے خواجہ کو نصیحتیں کیں اور کہا، سجدہ سوائے معبود برحق کے کسی کو سزاوار نہیں ہے اور سرود کا سننا بھی (قوال خواجہ کے ہاں گا رہے تھے) شریعت کے خلاف ہے۔ خواجہ نے اپنی امارت و ریاست کے زعم پر دونوں باتوں کی پرواہ نہ کی۔ بات بڑھ گئی۔ ادھر ادھر سے سوال جواب ہوتے رہے، یہاں تک کہ دنگہ فساد بھی ہوا اور ایک آدمی بھی مارا گیا۔ بادشاہ کو خبر ہوئی، اس نے دونوں کو

Marfat.com

شہر سے باہر نکلوا دیا۔ (تاریخ ہندوستان جلد نہم ص ۱۳۰ از مولوی ذکاء اللہ مرحوم)

مفتی عبدالغنی کا جلال

نواب علی محمد خان حاکم روہیل کھنڈ کے صاحبزادہ نواب سعداللہ خان نے ایک دن حجامت بنوانا شروع کی۔ مولانا مفتی عبدالغنی جن کی درسگاہ سے شاہان مغلیہ، نوابان اودھ اور امرایان روہیل کھنڈ تک بعض اوقات ضروری فتاویٰ طلب کرتے تھے، اتفاق سے پاس ہی بیٹھے تھے اور بمقام آنولہ (ضلع بانس بریلی) جوان دنوں حکومت روہیلہ کا دارالخلافہ تھا، والئی روہیل کھنڈ کے ہاں فروکش تھے۔ نواب زادہ نے حلق راس سے فارغ ہونے کے بعد حجام کو داڑھی کترنے کا حکم دیا اور اپنی حکومت وریاست کے گھمنڈ میں مولانا کا مطلق پاس نہ کیا۔

حجام نے نواب زادہ کی داڑھی کترنے کو ہاتھ بڑھایا ہی تھا کہ مفتی صاحب کو ہتک شریعت پر کمال غصہ آیا اور آپ نے ایک طمانچہ حجام کو مارا جس کا اثر نوابزادہ کے چہرہ تک پہنچا۔ نوابزادہ کو غصہ آیا تو بہت مگر ہیبت حق اور کچھ اس لحاظ سے کہ وہ میرے باپ کا جلیل القدر مہمان ہیں، خاموش ہو گیا۔

جب نواب علی محمد خان کا انتقال ہو گیا اور نواب سعداللہ خان کا دور دورہ ہوا تو اس نے بدلہ لینے کے لئے ان پر ایک قتل کا اتہام لگایا اور ان کو بدایوں سے آنولہ طلب کیا۔

مفتی صاحب نے کہا، بلا دعویٰ وحضوریٔ فریقین وگواہان محض آپ کا کہنا خواہ آپ حاکم وقت ہی ہیں، کیا اصل رکھتا ہے۔ البتہ اگر قضاۃ اور مفتیان اسلام حکم شرعی فرمائیں تو مجھے بدل وجان منظور ہے۔

نواب کو اس صاف گوئی پر بہت طیش آیا اور کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ دفعتاً فالج گرا۔ امراء ووزراء اور متعلقین نے مولانا کے قدم پکڑے کہ نواب کو آپ کی اور شریعت کی بے ادبی کی پوری سزا مل گئی۔ اب للہ دعا فرمایئے۔

اکمل التاریخ جلد دوم ص ۳۶ پر لکھا ہے کہ آپ کی دعا سے مرض بالکل زائل ہو گیا اور اسی وقت سے حافظ الملک حافظ رحمت خان روہیلہ وغیرہ تمام امرائے روہیلہ آپ کا احترام کرنے

Marfat.com

لگے۔ آج کتنے پیر، کتنے سجادہ نشین، کتنے مولوی و مفتی اور کتنے عالم و امام ہیں جو شریعت اسلام کی اعلانیہ ہتک دیکھتے ہیں اور اپنے مریدوں، عقیدتمندوں اور زیر اثر لوگوں کو اس سے منع کرنے کی جرأت اور طاقت رکھتے ہیں۔ (تاریخ اسلام کے ناقابل فراموش واقعات:۳۹۱)

ایک درویش کی گورنر کے سامنے حق گوئی و سرفروشی

نواب زکریا خان، خان بہادر ناظم لاہور کا بیٹا (نواب شاہنواز خان) محمد شاہ بادشاہ دہلی کے زمانہ میں لاہور کا صوبیدار تھا۔ چونکہ اس نے صوبیداری اپنے بڑے بھائی نواب یحییٰ خان سے بلا اجازت بادشاہ زبردستی چھین لی تھی، اس لئے نواب شاہنواز خان نے بادشاہ دہلی کے خوف سے احمد شاہ ابدالی کو فتح پنجاب کی دعوت دی۔ احمد شاہ نے پشاور پہنچ کر اپنا وکیل شاہنواز خان کے پاس بمقام لاہور بھیجا لیکن جب وکیل نے دیکھا کہ اس کی خاطر داری بھی اچھی طرح نہیں ہوئی اور نواب نے بھی شاہ دہلی سے معافی مانگ لی ہے تو وہ بے تحریر و تقریر ہی واپس چلا گیا۔

جب احمد شاہ ابدالی نے اپنے وکیل سے دربار لاہور کے حالات سنے تو اس کو نواب کی اس بدعہدی اور تکلیف دہی پر رنج ہوا اور وہ بے تحاشا آگے بڑھا اور رہتاس پہنچ کر اپنے مرشد کے بیٹے صابر شاہ کو، جس کی وہ عزت کرتا تھا، نواب کے پاس بھیجا کہ وہ اسے اس کا وعدہ اور دعوت نامہ یاد کرائے۔

صابر شاہ نے نواب کو اس کی بدعہدی پر شرمندہ کیا اور کہا، بیٹھے بٹھائے تم نے بادشاہ کابل کو تکلیف دی ہے، کہاں کابل، کہاں لاہور۔ اس کو مدد دینے کی بجائے الٹا نقصان پہنچانے کا ارادہ رکھتے ہو، کیا یہی اسلام ہے؟ اور انہیں بدعہدیوں اور بدزبانیوں پر دعوائے بادشاہت ہے۔ اول تو اپنے بادشاہ سے سرگردانی کی ضرورت نہ تھی اور اگر کوئی وجہ ہو بھی گئی تھی تو ملک سے باہر غیر بادشاہ کو بلانا کیا معنی رکھتا تھا اور اگر بلایا تھا تو زبان پر قائم رہنا تھا اور جو کہا تھا اسے کر دکھانا تھا۔

نواب شاہنواز خان کو یہ کھری کھری باتیں سن کر نہایت غصہ آیا۔ چنانچہ سر دربار نواب کے حکم سے جلاد نے صابر شاہ کا سر تن سے جدا کر دیا۔ (صابر شاہ کا مقبرہ لاہور میں متصل قلعہ و شاہی مسجد اب تک موجود ہے)۔

Marfat.com

جب ان حالات کا احمد شاہ کو علم ہوا تو اس نے غضبناک ہو کر لاہور پر حملہ کر دیا۔ شاہنواز خان کو شکست ہوئی اور وہ جان بچا کر بھاگ گیا۔ (تاریخ پنجاب مصنفہ کنہیا لال و تحقیقات چشتی مصنفہ نور احمد چشتی مرحوم) (تاریخ اسلام کے ناقابل فراموش واقعات:۳۹۶)

مجتہد اعظم کی صاف گوئی نادر شاہ سے

شاہ طہماسپ کی معزولی اور اس کے ہشت ماہہ بچہ عباس ثالث کے انتقال کے بعد تخت ایران خالی تھا۔ چنانچہ وسط جنوری ۱۷۳۵ء میں نادر قلی نادر شاہ بن گیا۔ ملکی مصلحتوں نے اسے مجبور کیا کہ وہ ترکی سے رابطۂ اتحاد رکھنے کے لئے شیعہ مذہب کو ترک کر کے اہل سنت والجماعت ہو جائے۔ چنانچہ جب اس نے اپنے تبدیلی مذہب کا اعلان کیا، اکثر علماء کا تو خاموش ہو گئے۔ بعض نے زبان تو کھولی مگر نادر شاہ کی مرضی کے مطابق مجتہد اعظم ابھی تک خاموش تھے، ان کو مجبور کیا گیا تو انہوں نے کہا:

> مذہب کی رہنمائی کے لئے ہمارے پاس قرآن کریم (احکام الٰہی) اور احادیث رسالت پناہی موجود ہیں۔ مذہب میں ایجاد و اختراع اور تغیر و تبدل کرنا دنیاوی بادشاہوں کا کام نہیں ہے۔ مجھے امید ہے کہ جلالت مآب اپنے دور حکومت کو ایک قائم شدہ مذہب کے بیخ و بنیاد سے اکھیڑنے کی کوشش سے شروع نہ کریں گے ورنہ نتیجہ نہایت خوفناک ہوگا۔

مجتہد اعظم نادر شاہ کی ہیبت و عظمت کو خوب جانتا تھا۔ اس کو یہ بھی علم تھا کہ میری صاف گوئی اور صدائے حریت میرے لئے کس قدر خوفناک ثابت ہوگی۔ اس کو یہ بھی معلوم تھا کہ شہنشاہ ایران کو یہ کہنا کہ پولیٹکل مصلحتوں سے نہیں بلکہ بحث و مباحثہ سے مذہب میں تبدیلی مناسب ہے۔ اپنی موت کی بے خطا پیشین گوئی کرنا ہے۔ وہ اس امر سے بھی ناواقف نہیں تھا کہ خلاف رائے سلطان رائے جستن، بخون خویش باید دست شستن۔

مگر اس نے یہ کچھ جانتے ہوئے اپنے ضمیر کی پیروی کی۔ نادر کے حکم سے مجتہد کا گلا سر دربار گھونٹ دیا گیا۔ یہ پہلا قدم تھا جو نادر نے اپنی تباہی کی طرف اٹھایا تھا۔ (تاریخ اسلام کے

Marfat.com

نا قابل فراموش واقعات: ۴۱۳)

ایک فتویٰ کے اثر سے شہنشاہ ایران کی مجبوری

شاہ مظفر الدین قاچار فرمانروائے ایران نے ۸ مارچ ۱۸۹۰ء کو ئی لاکھ پونڈ کے عوض ایک انگریزی کمپنی کو تمباکو کا ٹھیکہ دے دیا تھا۔ اس ٹھیکہ کی رو سے سوائے اس انگریزی کمپنی کے ایران کی وسیع مملکت میں کوئی متنفس تمباکو کی خرید وفروخت نہ کرسکتا تھا۔ سید جمال الدین افغانی ایرانی کی یہ کمزوریاں اور ڈول ہائے یورپ کی یہ دراز دستیاں دیکھ دیکھ کر اندر ہی اندر کڑھتے تھے مگر ملک وملت کے یہ دشمن اراکین سلطنت کے سامنے ان کی پیش نہ جاتی تھی۔ چنانچہ سید صاحب نے رفتہ رفتہ ایران کے مجتہد اعظم حاجی مرزا حسن شیرازی پر اثر ڈالا اور انہیں اسلامی ممالک خصوصاً ایران کی غفلت اور بے دست و پائی پر توجہ دلائی۔

حاجی صاحب نے سید صاحب کی تحریک سے ایک فتویٰ سرے سے تمباکو کے استعمال کو ہی حرام قرار دیئے جانے کے متعلق جاری کیا۔ اس فتویٰ نے تمام ملک میں وہ آگ لگائی کہ شاہ مظفر الدین قاچار کو پہلی مرتبہ معلوم ہوا کہ مطلق العنان بادشاہ کو بھی ماتحت رعایا کی طاقت مجبور کرسکتی ہے اور ان قراردادوں اور فیصلوں کو جو رعایا کی مرضی کے خلاف کسی سے کئے گئے ہوں مسترد کراسکتی ہے۔

لوگوں نے اس فتویٰ کی تعمیل میں اس حد تک گردنیں جھکائیں کہ جب شہنشاہ نے ایک دن محل شاہی میں قلیان (حقہ) طلب کیا تو خدام نے عرض کیا کہ محل شاہی تمباکو مطلق نہیں ہے جو تھا وہ ضائع کردیا گیا ہے۔

بادشاہ نے حیران ہوکر پوچھا، کیوں اور کس کے حکم سے؟

جواب دیا گیا کہ حجۃ الاسلام حاجی مرزا حسن شیرازی مجتہد کے فتویٰ کی وجہ سے بادشاہ نے کہا، مجھ سے اجازت لے لینی تھی، میری اجازت واطلاع کے بغیر اس جسارت کے کیا معنی؟

خدام نے جواب دیا، یہ مذہبی مسئلہ ہے۔ اس کے متعلق حضور کی نہیں بلکہ حجۃ الاسلام کی اجازت کی ضرورت ہے اور وہ فتویٰ کے ذریعے حاصل کرلی گئی ہے۔

Marfat.com

بادشاہ کو جب معلوم ہوا کہ سارا ملک اس اجارہ کے خلاف ہے اور جن لوگوں کے مشورہ سے میں غیر ملکی کمپنی سے یہ معاملہ کیا ہے، وہ سب خود غرض ہیں تو ٹھیکہ کو منسوخ کر دیا اور پانچ لاکھ پاؤنڈ بطور ہرجانہ کمپنی کو دے دیئے۔ (تاریخ اسلام کے ناقابل فراموش واقعات:۴۱۶)

بادشاہ کو خلاف شرع امور سے منع کرنا

۷۸۱ھ میں امیر کبیر سید علی ہمدانی بار دوم کشمیر میں آئے۔ قطب الدین حسن عقیدت سے پیش آیا اور اکثر اوقات ان کی خدمت میں حاضر بھی ہوتا۔ حضرت امیر کو معلوم ہوا کہ سلطان کے عقد میں دو سگی بہنیں ہیں۔ انہوں نے نہایت تعجب ظاہر کیا اور ان مفتیوں اور عالمان دین کی حمیت دینی پر رنج وافسوس کیا جنہوں نے بادشاہ کا نکاح دو سگی بہنوں سے کرایا اور بادشاہ کی حرکت پر اس کو چشم نمائی نہ کی۔

حضرت امیر نے خود سلطان سے کہا کہ شریعت اسلامیہ ایک ہی وقت میں دو حقیقی بہنوں کے نکاح کی ایک ہی شخص کے ساتھ اجازت نہیں دیتی۔ آپ بادشاہ اسلام ہو کر یہ کیا ظلم کر رہے ہیں؟

سلطان نے ایک کو طلاق دے دی اور کہا، حضرت کے سوا مجھے اس حرکت سے آج تک کسی نے نہیں ٹوکا۔ (تاریخ اسلام کے ناقابل فراموش واقعات:۴۲۴)

قاضی موسیٰ کی شہادت اور اس کی ماں کے حیرت انگیز کلمات

شاہان چک عقائد کے لحاظ سے شیعہ تھے۔ ان کے ۳۳ سالہ عہد حکومت میں اہل سنت والجماعت سخت مصائب کا شکار رہے۔ یعقوب شاہ چک آخری بادشاہ چکاں کے زمانہ کا ذکر ہے کہ بادشاہ اور وزیر (محمد بٹ) دونوں اہل سنت کی بربادیوں کے درپے تھے۔

جامع مسجد کی تجدید ومرمت کے لئے قاضی موسیٰ نے جو کشمیر کے قاضی القضاۃ تھے اور علوم و فنون میں ماہر، مسلمانوں کو تحریک کی۔ حکومت چونکہ شیعہ تھی، اس کو یہ بات سخت ناگوار گزری۔ مختلف طریقوں سے قاضی پر ناراضگی کا اظہار بھی ہوا مگر وہ اپنے ارادے سے نہ رکے۔

آخر حکومت نے قاضی کو حکم دیا کہ وہ اس امر کا فتویٰ لکھدیں کہ مؤذن لوگ اذان کے ساتھ

Marfat.com

کلمہ علی ولی اللہ شامل کر کے پڑھیں۔ قاضی نے اس قسم کا فتویٰ لکھنے سے انکار کر دیا۔ دربار کی نظروں میں یہ حق گوئی و جسارت صادقہ بڑا جرم تھا۔ آخر قاضی موسیٰ ایک باغی کے ساتھ رابطہ رکھنے کے مصنوعی جرم میں برسر دربار شہید کر دیئے گئے۔ وزیر اور بادشاہ کا کلیجہ اس پر بھی ٹھنڈا نہ ہوا تو ایسے عالم و فاضل، یگانہ روزگار شیخ الاسلام کی لاش ہاتھی کی دم سے بندھوا کر تمام شہر میں پھرائی گئی۔

جب لاش اس کے گھر پہنچی تو جانتے ہو اس کی درد رسیدہ اور زخم خوردہ شیر دل ماں نے بیٹے کا یہ حال دیکھ کر کیا کہا؟ وہ نہ روئی نہ چلائی، نہ اس نے بین کیے، نہ نالہ وزاری سے کام لیا بلکہ اس نے اپنے عقلمند بیٹے کی ننگی لاش کو اپنے سر کے کپڑے سے ڈھانپ دیا اور کہا:

> الحمد للہ میرا بیٹا عالم باعمل نکلا۔ اس نے دین بیچنے کے لئے نہیں پڑھا تھا۔ میں خدا کا شکر ادا کرتی ہوں کہ وہ خدا کی راہ میں شہید ہوا ہے۔

جس کشمیر میں اس دل و دماغ کی عورتیں گزر چکی ہوں، ایسی ایمانی و روحانی ترقیاں رہی ہوں، ایسی حریت وحق گوئی اور مصائب وتکالیف بلکہ تشدد آمیز موت کی برداشت کا دور دورہ رہا ہو، آج وہاں نہ علم ہے نہ عمل، نہ حریت نہ حق بیانی۔ مسلمانوں کے دلوں میں نور ایمان اور نعرہ حق کی جگہ ایک ہو کا عالم نظر آرہا ہے۔ (تاریخ اسلام کے ناقابل فراموش واقعات: ۴۲۸)

خواجہ احمد شاہ کا منصب قضاء سے انکار

تیرہویں صدی کے ابتدائی دور میں کشمیر کے مشہور نقشبندی خاندان میں خواجہ احمد شاہ ایک روحانی بزرگ گزرے ہیں۔ جنہوں نے آج کل کے اہل کشمیر کی طرح کشمیر کے چھوٹے سے ملک ہی کو سارے جہاں کا خلاصہ نہیں سمجھ رکھا تھا اور نہ حب وطن کے یہ معنی سمجھ رکھے تھے کہ کشمیر سے باہر قدم نکالنے ہی کی ممانعت ہے۔

یہ بزرگ سیر وافی الارض کے پورے پورے عالم تھے۔ لداخ، یارقند، تاشقند، فوقند، کاشغر، ترکستان اور بخارا کا دو مرتبہ سفر کیا۔ قدرتی نظاروں، کوہستانی سبزہ زاروں، شاہی آثار قدیمہ، اسلامی زیارت گاہوں، آباد اور غیر آباد زمینوں اور راستے کی صعوبتوں اور سیاحت کے مشاہدوں

Marfat.com

نے جو اثر آپ کی طبیعت پر کیا اس کو آپ نے ایک کتاب کی صورت میں قلمبند کیا ہے۔ جہاں جاتے تھے، اپنی خاندانی وجاہت اور اپنے بے نظیر تزکیہ نفس کی وجہ سے خاص و عام کو اپنا ارادت مند پاتے تھے۔ سنت رسول اللہ ﷺ کی پیروی کا یہی ادنیٰ کرشمہ ہے۔

جب آپ بخارا پہنچے تو حکومت کی طرف سے آپ کو منصب احتساب قبول کرنے کی تکلیف دی گئی۔ پیغام پہنچانے والوں نے یہ بھی کہا کہ بادشاہ بضد ہے اور اصرار کرتا ہے کہ قبولیت عہدہ کا اقرار لے کر آؤ، اس لئے انکار مناسب نہ ہوگا۔

> خواجہ نے کہا کہ میرے جسم پر، میری ظاہری صورت پر جبر ہو سکتا ہے لیکن میرے دل پر، میرے ضمیر پر بادشاہ کا کوئی اختیار نہیں ہے۔ اس لئے جاؤ اور اس سے کہہ دو کہ کشمیر کا وہ درویش جس کو تم اپنے شاہانہ تکبر سے ایک ایسی جگہ بٹھانا چاہتے ہو جس کا وہ اہل نہیں، اس عہدہ کے قبول کرنے سے انکار کرتا ہے۔

بادشاہ کو جب یہ جواب پہنچا تو دوبارہ کہلا بھیجا کہ اس عہدہ کے لئے آپ سے بہتر کوئی نظر نہیں آتا۔

خواجہ اس تکرار و اصرار سے پہلے تو کچھ گھبرائے مگر تھوڑی دیر کی خاموشی کے بعد یہ جواب اپنے ہاتھ سے لکھ کر ارسال کیا:

ما ہنوز از احتساب نفس خود فارغ نہ شدہ ایم۔ بہ احتساب دیگراں چہ پردازیم۔

جواب لکھنے کے بعد اپنا بوریہ بستر اٹھایا اور بخارہ سے روانہ ہو گئے۔

(تاریخ اسلام کے ناقابل فراموش واقعات: ۴۳۰)

ما محمد یا نیم موسوی و عیسوی را نمی دانیم

حضرت اخوند ملا شاہ (اصل نام شاہ محمد بدخشانی تھا) حضرت شاہ میاں میر لاہوری کے مرید اور علوم ظاہری و باطنی میں صاحب کمال تھے۔ طبیعت پر قلندری و سیلانی رنگ زیادہ تھا۔ اسی عالم میں ایک مرتبہ کشمیر بھی آ نکلے۔ کوہ ماران کو معبد و مسکن بنایا۔ دارا شکوہ نے مع اپنی بیگم کے اسی جگہ

آپ سے بیعت کی۔ کچھ بیٹے کی وجہ سے اور کچھ حضرت ملا شاہ کے حقائق و معارف کی وجہ سے شاہجہاں نے بھی ملاقات کا ارادہ ظاہر کیا اور اپنے ایک معتبر موسوی خان کو ملا شاہ کی آمائش کے لئے پہلے روانہ کیا۔ موسیٰ خاں نے چاہا کہ ملا شاہ میرے عہدے اور اس اعتبار و وقار کے لحاظ سے جو شہنشاہ کی نظروں میں مجھے حاصل ہے، میرا استقبال کریں۔ لیکن ملا شاہ نے کوئی پرواہ نہ کی۔ آخر جب ان کے پاس آیا تو غضبناک ہو کر کہا:

آپ کو شاید معلوم نہیں ہے کہ میں کون ہوں ورنہ آپ ضرور میری تعظیم کرتے، اس لئے آپ کی اطلاع کے لئے مجھے خود ہی کہنا پڑ رہا ہے کہ من موسوی خانم۔

ملا شاہ نے جواب دیا:

ما محمد یانیم موسوی وعیسوی رانمی دانیم۔

یہ سن کو موسوی خان خاموش ہو گیا۔ (تاریخ اسلام کے ناقابل فراموش واقعات:۴۳۳)

ایک طالب علم کی حق گوئی

فرخ سیر کے پانچویں سال جلوس (۱۱۲۸ھ) میں سندھ کی نظامت نواب اعظم خان کے سپرد تھی۔ اسی زمانہ میں ایک شخص حق شناس شاہ عنایت اللہ کا سندھ میں بڑا چرچا تھا۔ بعض سادات (ناظم مذکور خود بھی سادات خانی تھا) اور زمینداروں کی ترغیب سے نواب اعظم خان نے ان گدڑی پوشوں کو تکلیفیں دینا شروع کیں۔ آخر نوبت کشت و خون تک پہنچی اور شاہ عنایت اللہ شہید ہو گئے۔ یہ واقعہ ۱۱۳۸ھ کا ہے۔

نواب نے بطور تاوان جنگ تاجروں، زمینداروں اور دوسرے لوگوں پر محصولات اضافہ کیے۔ شاہ شہید کی درسگاہ کا ایک طالب علم مخدوم رحمت اللہ نامی تھا، اس نے ناظم کو رعایا کی اس دل آزاری اور سخت گیری سے منع کیا اور جو ہولناک نتائج اس قسم کے تشدد و ستم آرائیوں کے ہوتے ہیں، ان سے آگاہ کیا لیکن ناظم پر کوئی اثر نہ ہوا۔

مخدوم رحمت اللہ یہ کہہ کر ٹھٹھہ (دارالریاست سندھ) سے باہر نکل آئے کہ ایسے جابر و ظالم حاکم کی عملداری میں رہنا اپنے ضمیر کا خون کرنا ہے۔ ناظم کو خبر ہوئی تو اس نے اس جامع العلوم کو

Marfat.com

قید زنجیر میں ڈال دیا۔ اس سوئے ادبی سے تمام لوگ بھڑک اٹھے۔ جب ناظم نے دیکھا کہ آگ کے شعلے بہت دور تک پھیلتے جاتے ہیں تو آخران کو رہا کر دیا مگر رہا ہو کر بھی طالب علم مذکور جو نقص ناظم میں دیکھتا برملا اس کا اظہار کرتا (تاریخ سندھ ص ۲۴۷)

حضرت سید محمد غوث گوالیاری کی حق گوئی

شیخ وجیہہ الدین علوی گجراتی جامع کمالات ظاہری و باطنی تھے۔ ۹۸۱ھ میں قصبہ جاپانیر (محمد آباد) میں پیدا ہوئے۔ بہت سی کتابوں پر آپ نے حاشیے لکھے اور ان کی شرحیں کی ہیں۔ سلاطین وقت اور علماء وفضلاء کے نزدیک آپ کا مرتبہ بہت بلند تھا۔

حضرت سید محمد غوث صاحب مصنف جواہر الخمسہ جب شیر شاہ سوری کے خوف سے گوالیار سے نکل کر گجرات بھاگے ہیں تو وہاں کے علماء ان کے رسالہ معراج نامہ پر معترض ہوئے، یہاں تک کہ حضرت شیخ علی متقی نے بھی جو صاحب علوم ظاہری و باطنی تھے اور سلطان مظفر شاہ والی گجرات جن کا تا حد کمال ادب کرتا تھا، آپ کے قتل کا فتویٰ صادر کر دیا۔

بادشاہ نے فتویٰ دیکھ کر کہا کہ شیخ وجیہہ الدین علوی کے اس پر دستخط نہیں ہیں، جب تک ان کی مہر ثبت نہ ہوگی، قتل کا حکم نہ دیا جائے گا۔

شیخ کو لوگوں نے بہت ڈرایا کہ شیخ علی متقی کے جب دستخط ہو گئے تو آپ کا انکار بادشاہ کی ناراضگی کا باعث ہوگا۔ چنانچہ محضر آپ کے پاس بھی آیا۔ آپ دریافت حالات اور بحث ومباحثہ کے لئے خود سید محمد غوث کے پاس گئے اور جب آپ کا اطمینان ہو گیا کہ وہ بالکل بے قصور ہیں اور عوام اپنی نافہمی اور علماء بھیڑ چال اور حضرت شیخ علی متقی کے زیر اثر آکر بغیر تحقیقات کاملہ کے غریب سید کے قتل نامہ پر دستخط کر رہے ہیں تو آپ نے دستخط کرنے سے صاف انکار کر دیا۔

وفات آپ کی ۹۷۷ھ میں بزمانہ شہنشاہ اکبر ہوئی۔ قبر احمد آباد میں زیارت گاہ عام ہے۔
(حدائق الحنفیہ حدیقہ دہم ص ۴۱۱)

Marfat.com

اسلاف کی غیرت وخودداری

تاریخ دکن میں (بعہد سلطان علاء الدین بہمنی) مسلمانوں کی خودداری کا عجیب واقعہ درج ہے۔لکھا ہے کہ بے جانگر کے راجے سلاطین بہمنیہ کے باج گزار چلے آتے تھے اور جب کبھی وہ سراٹھاتے تو مسلمان ان کو وہیں کچل دیتے تھے۔۸۴۱ھ سے ۸۴۷ھ تک کے درمیان کا ذکر ہے کہ دیورائے راجہ بے جانگر نے اس خیال سے کہ مسلمان فن سپہ گری اور تیر اندازکو خوب جانتے ہیں، مسلمان نوکر رکھنے کی تجویز کی لیکن یہ وہ زمانہ تھا کہ مسلمان اپنے عروج واقبال کی وجہ سے دوسروں کی نوکری پسند نہیں کرتے تھے۔

راجہ نے تالیف قلوب کے لئے یہ تجویز کی کہ بے جانگر میں ایک عالی شان مسجد بنوائی۔شعار اسلام میں جو رکاوٹیں تھیں وہ دور کردیں اور مسلمانوں کو اچھی اچھی جاگیریں دیں۔راجہ کے لئے ابھی ایک اور دقت باقی تھی اور وہ یہ کہ مسلمان نہ دربار میں آتے تھے اور نہ اس کو سلام کرتے تھے۔

راجہ نے اس کی تجویز یہ سوچی کہ دربار میں قرآن کریم کو اپنے برابر رحل پر رکھوادیا تاکہ جب مسلمان سلام کریں تو مسلمانوں کے نزدیک قرآن کریم اور راجہ کی عظمت کے لئے راجہ کوسلام تصور کیا جائے۔

اللہ اکبر،مسلمانوں کی عظمت وشوکت کا ایک وہ دن تھا کہ وہ اپنے آپ کو ایسا بڑا سمجھتے تھے کہ اول تو کسی غیر مسلم کی نوکری نہ کرتے اور کرتے تو سلام کے روادار نہ ہوتے۔ (تاریخ اسلام کے ناقابل فراموش واقعات:۴۴۸)

اوراب دنیاء اسلام کے مسلمانوں اور خصوصاً حکمرانوں کی پستی اور ذلت وغلامی کا یہ عالم ہے کہ مغرب اور امریکہ کی غلامی پر فخر کرتے ہیں،ان کی تہذیب وکلچر کو آسمانی تحفہ سمجھتے ہیں اوران کے احکامات کی پیروی کو اپنے لئے سعادت سمجھتے ہیں اور ایک ٹیلی فون کال پر اپنا سب کچھ کفار کے حوالے کرنے میں اپنی نجات سمجھتے ہیں۔اور ہمارے ملک کی سیاسی پارٹیاں اوران کے قائدین انہی کفار یورپ اور امریکہ کے سامنے کاسہ گدائی پھیلا کر ملک کے اندر اقتدار حاصل کرنے کے لئے ان کی منتیں اور سماجتیں کرنے میں ذرہ بھر شرم محسوس نہیں کرتے۔

Marfat.com

۱۱ ستمبر ۲۰۰۱ء کے بعد کس طرح ہمارے جرنیل حکمرانوں نے امریکہ کے ایک فون پر اپنی تمام تر پالیسیاں یکسر تبدیل کر کے افغانستان کے مسلمانوں اور طالبان کو بے یارومددگار چھوڑ کر بلکہ ان کے خلاف اپنی قوت استعمال کر کے جو شرمناک کردار ادا کیا ہے، تاریخ اسلام میں اس کی مثال ملنا مشکل ہے۔ مگر اس کے باوجود ہم ہر سال 14 اگست یوم آزادی بڑے دھوم دھام سے منا کر اپنے آپ کو فریب دینے کی کوشش کرتے ہیں کہ ہم آزاد ہو چکے ہیں۔ حقیقتاً ہم آج بھی انگریز کے ذہناً اور عملاً غلام ہیں۔ اس غلامی سے نجات حاصل کرنے کے لئے ہمیں صدیوں محنت کرنی پڑے گی۔ بقول علامہ اقبال:

اے لا الٰہی کے وارث باقی نہیں ہے تجھ میں
گفتار دلبرانہ کردار قاہرانہ
تیری نگاہ سے دل سینوں میں کانپتے تھے
کھویا گیا ہے تیرا جذب قلندرانہ

بادشاہ دکن کو خطبہ پڑھتے ہوئے ایک حق پرست کا ٹوکنا

سلطان علاء الدین بہمنی ۸۶۲ھ میں مرنے سے کچھ عرصہ بیشتر ایک روز مسجد جمعہ میں جا کر خود خطبہ پڑھ رہا تھا۔ جب اس نے اپنے نام کے ساتھ لفظ عادل کا استعمال کیا تو ایک عرب جس کے گھوڑے سرکار میں خریدے گئے تھے اور اہلکار اپنی خود غرضیوں کی وجہ سے قیمت دینے میں تساہل کر رہے تھے، اسی وقت اٹھ کر کہنے لگا:

> اے بادشاہ! جب تو عدل نہیں کرتا تو اپنے آپ کو عادل کیوں کہتا ہے؟ تو نے سادات کو بے دریغ قتل کرایا ہے، تو نے گھوڑے خریدے ہیں اور قیمت دینے میں تساہل کر رہا ہے اور پھر بھی اپنے آپ کو عادل کہتا ہے؟

بادشاہ پر بھری جماعت میں اس کلام کا بڑا اثر ہوا، اس کی آنکھوں سے آنسو نکل آئے۔ گھوڑی کی قیمت دلوادی اور کہا، کم بختوں نے مجھ سے سادات کو قتل کرا کے یزید کی طرح مجھ کو بدنام کرا دیا ہے۔

Marfat.com

تاریخ دکن میں لکھا ہے کہ بادشاہ اس واقعہ سے ایسا نادم ہوا کہ مرتے دم تک مکان سے باہر نہ نکلا۔ (تاریخ اسلام کے ناقابل فراموش واقعات:۴۵۲)

شاہ صبغۃ اللہ کا بادشاہ کو دیوی کی پرستش سے منع کرنا

ہندی گویوں کا خیال ہے کہ وہ اپنی خوش آوازی کے لئے سارستی دیوی سے استمداد کرتے ہیں۔ ابراہیم عادل شاہ کو بھی اپنی آواز کے اچھا ہونے کی خواہش تھی اور خوشامدیوں نے اس کو خوش آواز بنانے کے لئے اس دیوی کا معتقد بنا دیا۔ یہ بت پرستانہ خیال لوگوں کو ناگوار تھا۔

۱۰۰۰ھ کا زمانہ تھا، شاہ صبغۃ اللہ حسینی جو حضرت شاہ وجیہہ الدین احمد آبادی کے خلیفہ تھے، مدینہ منورہ سے بے جاپور آئے۔ جب یہ سنا کہ بادشاہ سارستی کی پرستش کرتا ہے اور مسلمان اپنے دین میں سست ہو رہے ہیں، انہوں نے نہایت ملائمت کے ساتھ بادشاہ کو اس بت پرستی سے منع کیا۔ بادشاہ نے کہا، مجھے صرف خوش آوازی کی خواہش ہے، ورنہ میرا اعتقاد وہی ہے جو اور مسلمانوں کے اعتقادات ہیں۔

شاہ صاحب نے کہا، لیکن اس کا اثر عام مسلمانوں کے اعتقادات پر بہت برا پڑ رہا ہے۔ آپ خداوند کریم کی جناب میں اس کے جوابدہ ہوں گے۔ اور اگر آپ اس دیوی کی پوجا کو ترک کر دیں گے تو آپ کی خوش آوازی میں اس سے کوئی نقص پیدا نہیں ہوگا۔

چنانچہ بادشاہ نے آخر شاہ صاحب کے کہنے پر عمل کیا۔ (تاریخ دکن و تاریخ فرشتہ) (تاریخ اسلام کے ناقابل فراموش واقعات:۴۵۲)

ایک حقیقی نمک خوار کی جرأت

دیوان شیر خان نے اپنے باپ سلیم خان کے انتقال ۱۲۰۰ھ مطابق ۱۷۸۵ء میں جب تخت جاپور (پالن پور) پر قبضہ کیا تو سب سے پہلے اس نے اپنے سوتیلے بھائی بایزید خان کو جس کی عمر اس وقت بارہ سال کی تھی، قتل کرنے کا ارادہ کیا۔ امراء و وزراء کی خواہش تھی کہ یہ بے گناہ کہیں نظر بند ہو جائے تو اچھا ہے، اس کو ہلاکت سے بچانا چاہئے۔ لیکن شیر خان کے سامنے کسی کو لب ہلانے

Marfat.com

کی جرأت نہ تھی۔

تاریخ ریاست پالن پور میں لکھا ہے کہ شیر خان کی سیاست کو جبر و تشدد نے خوفناک بنادیا تھا۔ اور اس کے رعب و داب میں ظلم و ستم کی جھلک نمایاں تھی۔ ان حالات میں ایک پٹھان نے اپنی جان سے ہاتھ دھوئے۔ اس کا نام سالم خان تھا۔ اس نے ہاتھ باندھ کر عرض کیا:

خداوند نعمت! ملازم کو آقا کے کاموں میں دخل دینا گستاخی کے علاوہ نازیبا بھی ہے لیکن پاس نمک اور جوش خیر خواہی سے مجبور ہوں۔ اس لئے جان کی امان مانگ کر عرض کرتا ہوں کہ بایزید خاں کے بارے میں جو کچھ حضور کا ارادہ ہے، وہ مصلحت وقت اور دور اندیشی کے خلاف ہے۔ اول تو اس خون ناحق کا سیاہ داغ آپ کے دامن سے قیامت تک مٹائے نہ مٹے گا، دوسرے اس وقت جو خیالات آپ کی نسبت خاص لوگوں کے دلوں میں جاگزیں ہیں، عام زبانوں پر آکر ایک عام شورش پیدا کردیں گے۔ بہتر اور مناسب یہ ہے کہ حضور کوئی اور ایسی سزا دیں جو دوسرے مدعیوں کے لئے سبق عبرت اور آئندہ کے فتنہ و فساد کا سد باب ہو جائے لیکن خدا کے لئے جہاں تک ممکن ہو خون ناحق سے بچیے۔

(تاریخ ریاست پالن پور حصہ دوم ص ۸۲)

ایک طالب علم کا نواب رامپور کی ملاقات سے انکار

حضرت خواجہ محمد سلیمان تونسویؒ کے خلفاء میں حافظ سید محرم علی عرف حافظ محمد علی ایک بلند مرتبہ خلیفہ گزرے ہیں۔ وطن ان کا خیر آباد (نواح لکھنؤ) تھا۔ بچپن ہی میں یتیم ہو گئے۔ آٹھ سال کی عمر تھی کہ تحصیل علم کے شوق میں والدہ ماجدہ سے ترک وطن کی اجازت طلب کی۔ بیوہ ماں نے جگر کے ٹکڑے کو حصول علم کی خاطر جدا کیا۔

آپ رام پور آئے۔ وہاں ان دنوں علم و فضل اور درس و تدریس کا بڑا چرچا تھا۔ چودہ سال کی عمر میں شرح ملا جامی، قطبی منطق پر عبور ہو گیا۔ علاوہ ازیں قرآن کریم حفظ کر لیا۔ مولوی صاحب جن کے مدرسہ میں حافظ محمد علی تعلیم پا رہے تھے، رام پور میں اپنے علم و فضل کی وجہ سے بہت

Marfat.com

باوقعت تھے۔نواب رام پور ایک دن ان کی ملاقات کو خود مدرسہ آئے۔ برسبیل تذکرہ مولوی صاحب نے ذکر کیا کہ ہمارے شاگردوں میں ایک صاحبزادے نے صرف چودہ سال کی عمر میں شرح ملا جامی اور قطبی منطق پر عبور حاصل کرلیا ہے۔قرآن کریم کا حافظ بھی ہے،نماز تہجد واشراق اور چاشت تک قضانہیں کرتا۔

نواب صاحب نے اس کے دیکھنے کی خواہش ظاہر کی مگر حافظ صاحب اس وقت مدرسہ سے باہر تھے۔نواب صاحب نے مولوی صاحب سے کہا کہ میں کل صرف اس صاحبزادہ سے ملاقات کے لئے آؤں گا،آپ ان کو اطلاع کردیں کہ کسی جگہ تشریف نہ لے جائیں۔حافظ صاحب نے اس چھوٹی سی عمر میں جس حریت وحق گوئی اور صحبت اغنیا سے بے پروائی کا ثبوت دیا اس کی مثالیں بہت کم ملتی ہیں،آپ نے کہا:

> نواب کون ہے کہ میری ملاقات کو آتا ہے اور یہ ملاقات میرے لئے باعث خوشی وفخر کس طرح ہوسکتی ہے؟ پیشتر اس کے کہ یہ بلا میرے سر پر نازل ہو،آپ مجھے اجازت دیں کہ میں کسی جگہ چلا جاؤں۔

چنانچہ آپ اسی وقت رام پور سے روانہ ہوگئے اور دہلی وحیدرآباد وغیرہ سے ہوکر تونسہ شریف میں حضرت خواجہ سلیمان کے مریدوں میں داخل ہوگئے۔ بہت بڑے سیاح تھے۔آخر میں حج بھی کر آئے تھے۔کسی امیر کی دروازہ گیری اور کسی رئیس کی درباداری نہیں کی۔ساٹھ سال سے زیادہ کی عمر پائی۔ (تاریخ اسلام کے ناقابل فراموش واقعات:۴۶۱)

قال اللہ وقال الرسول کی جگہ محفل رقص نہیں ہوسکتی

شریف مرتضیٰ ابوالمعالی حسینی سمرقند کے باشندہ تھے۔خداوند کریم نے علم وفضل کے ساتھ دولت ونعمت سے بھی سرفراز کیا تھا۔ایک دفعہ امیر ترکستان نے ان کو پیغام بھیجا کہ اپنے باغ میں وہ اس کی دعوت کا سامان کریں،وہ خود اس جشن میں شریک ہوں۔

شریک نے کہلا بھیجا کہ یہ ناممکن ہے کہ جہاں قال اللہ وقال الرسول کے ترانے بلند ہوں وہاں امیر کے لئے رقص وسرود کی محفل برپا کی جائے۔

امیر یہ سن کر چراغ پا ہو گیا اور دھوکے سے ان کو گرفتار کر لیا۔ قید خانہ میں یہ احتیاط کی گئی کہ قوت انسانی کا کوئی سرمایہ ان کے پاس نہ پہنچنے پائے۔ اسی بھوک کی حالت میں روح نے تن کو الوداع کہا اور صداقت وراستی کا فرشتہ ہماری زمین سے آسمان پر چلا گیا۔ (معارف بحوالہ تذکرہ ذہبی) (تاریخ اسلام کے ناقابل فراموش واقعات: ۴۶۸)

شیخ الاسلام عبدالغنی حق گوئی کی وجہ سے مصائب میں

شیخ الاسلام عبدالغنی مصر کے امام تھے۔ بڑے بڑے سلاطین کے درباروں میں وہ اپنی راست گوئی اور قول حق سے زلزلہ پیدا کر دیتے تھے۔ ایک دن بازار میں جا رہے تھے کہ ایک شخص کو دیکھا کہ اس کے ہاتھ میں تلوار اور دوسرے میں شراب کا مشکیزہ ہے۔ امام نے دوڑ کر مشکیزہ اس کے ہاتھ سے چھین لیا۔ اس نے تلوار نیام سے کھینچ لی لیکن انہوں نے پرواہ نہ کی اور شراب زمین پر گرادی اور فتویٰ دیا کہ گانا بجانا جائز نہیں ہے۔

قاضی نے پیادہ بھیجا کہ تمہارے فتویٰ سے سلطان کی بزم عشرت سرد ہو گئی، تم آکر اس باب میں مجھ سے مناظرہ کر جاؤ۔

جواب دیا کہ خدا تمہاری اور تمہارے بادشاہ دونوں کی گردنیں مارے، مجھے مناظرہ کی ضرورت نہیں، خدا اور اس کے رسول کا حکم سامنے ہے۔

موصل میں اس بنا پر ان کو قید کیا گیا کہ انہوں نے حدیث کے ایک راوی کو ضعیف کہا تھا۔ دوسری جگہ ان کو اس لئے روپوش ہو کر صرف ایک تہبند باندھ کر جلاوطن ہونا پڑا کہ ایک قدیم مصنف کی ۲۹ غلطیاں انہوں نے ظاہر کی تھیں۔ دمشق میں فتنہ گروں نے ان کو جامع مسجد جانے سے روک دیا۔ مصر میں ملک الکامل نے ان کو جلاوطن کرنا چاہا۔ پھر ایوان شاہی میں قید کر دیا۔ ایک امیر کی سفارش پر رہا ہوئے۔ غرض تمام عمر اسی بے اطمینانی میں گزری، تاہم جو فرض تھا وہ کبھی متروک نہ ہوا۔ (معارف بحوالہ تذکرہ ذہبی' تاریخ اسلام کے ناقابل فراموش واقعات: ۴۶۸)

Marfat.com

تارک جماعت کی شہادت

مولانا شمس الدین رومی کی عدالت میں ایک معاملہ میں سلطان بایزید (ترکی) نے شہادت دی تو شہادت سلطانی کو مولانا نے قبول نہ کیا۔ جب سلطان نے وجہ پوچھی تو مولانا نے جواب دیا کہ سلطان نماز میں جماعت کا پابند نہیں اور تارک جماعت کی شہادت مردود ہے۔ (علمائے سلف) (تاریخ اسلام کے ناقابل فراموش واقعات: ۴۷۴)

مولانا شمس الدین کی حق گوئی

سلطان محمد خان (ترکی) نے ایک بار اپنا مراسلہ قاضی بروصہ مولانا شمس الدین کورانی کے پاس بھیجا۔ اس میں کوئی بات خلاف شرع درج تھی۔ مولانا نے اس کو دیکھ کر اس قدر برافروختہ ہوئے کہ سلطانی فرمان پھاڑ ڈالا اور لانے والے کو باہر کر دیا۔

سلطان کو ان کی یہ حرکت بہت ناگوار گزری اور غضب سلطانی کا نتیجہ یہ ہوا کہ مولانا کو عہدہ قضا کے ساتھ روم کی سلطنت بھی چھوڑنی پڑی۔ (تاریخ اسلام کے ناقابل فراموش واقعات: ۴۷۴)

قاضی قسطنطنیہ کی حق گوئی

مولانا یوسف قاضی قسطنطنیہ ایک دن مسجد سے نماز پڑھ کر نکلے تو دروازے پر صدر اعظم کے چوبدار کو حاضر پایا جو کہ ان کے بلانے کو آیا تھا۔ اس وقت مولانا کے سر پر چھوٹا سا عمامہ تھا۔ اس عمامہ کے ساتھ بارگاہ وزارت میں جانا خلاف ادب تھا مگر خدا پرست مولانا کے دل نے گوارا نہ کیا کہ رب العزت سے زیادہ ادب اس کے ایک بندے کا کریں۔ اسی عمامے کو باندھے صدر اعظم کے حضور میں چلے گئے۔ وہاں پہنچے تو اعتراض ہوا۔ انہوں نے راست بازی سے اپنا خیال صاف ظاہر کر دیا۔ جس کو سن کر وزیر اعظم نے بہت پسند کیا اور حضور سلطانی میں اس کو نقل کیا۔ (تذکرہ علمائے سلف ص ۷۰) (تاریخ اسلام کے ناقابل فراموش واقعات: ۴۷۵)

Marfat.com

حضرت خواجہ معین الدین چشتی کی حق گوئی

حضرت خواجہ معین الدین چشتی ہندوستان آرہے تھے کہ راستے میں چند دنوں کے لئے ہرات میں ٹھہر گئے۔ ہرات کا حاکم (محمد یادگار نام) نہات متعصب تھا۔اس کے ملک میں کسی سنی کی طاقت نہ تھی کہ وہ اپنا نام ابوبکر،عمر یا عثمان رکھ سکتا۔

حضرت خواجہ خواجگان کا جہاں قیام تھا، اتفاق سے اسی جگہ حاکم ہرات بھی سیر کرتا ہوا آنکلا۔ حضرتؒ نے اس کو بہت سی نصیحتیں کیں اور کہا کہ ان افعال سے توبہ کرو (کہ یہ افعال خدا، رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور آل رسول کی ناراضگی کا باعث ہیں)۔

حاکم ہرات نے توبہ کی اور ان کے اخراجات کے لیے مال وخزانہ پیش کیا۔آپ نے فرمایا، یہ مال نہ تیری ملک ہے نہ میری۔ جن لوگوں پر ظلم کر کے تم نے حاصل کیا ہے ان کو واپس دے دو یا اگر واپس نہیں دے سکتے تو خیرات کردو۔

چنانچہ حاکم ہرات نے آپ کے ارشاد کی پوری تعمیل کی (ہشت بہشت اقوال خواجگان چشت) (تاریخ اسلام کے ناقابل فراموش واقعات:۴۷۵)

Marfat.com

کایا پلٹ جملہ

شیخ حمید الدین ابو حاکم قریشی (۵۵۱ھ/۷۴۳) ایک ایسے خاندان میں پیدا ہوئے جو کیچ اور مکران کے علاقہ پر حکومت کر رہا تھا۔اپنے والد سلطان بہاؤ الدین کے انتقال کے بعد وہ تخت سلطنت پر بیٹھے اور ۲۱ سال تک شان وشوکت کے ساتھ حکومت کی۔ ''ذکر کرام'' میں ان کے واقعات کے ذیل میں لکھا ہے کہ شیخ حمید الدین کے ساتھ ایک چھوٹا سا واقعہ پیش آیا جس نے ان کی زندگی کا رخ بدل دیا اور سلطان کی بجائے ان کو شیخ بنادیا۔

شیخ حمید الدین اپنی حکومت کے زمانے میں دوپہر کو اپنے باغ میں قیلولہ کیا کرتے تھے۔اس باغ میں ان کا ایک محل تھا۔اس محل کی نگرانی زینت نامی ایک خادمہ کے سپرد تھی۔اس خادمہ کے ذمہ یہ کام تھا کہ ہرروز وقت پر بستر بچھادے تا کہ شیخ حمید الدین آکر اس پر آرام کرسکیں۔

بیان کیا جاتا ہے کہ ایک روز شیخ حمید الدین کے آنے سے پہلے خادمہ نے بستر بچھایا تو اس کو بستر بہت اچھا لگا، وہ اس پر کچھ دیر کے لئے لیٹ گئی۔ ابھی وہ بستر سے اٹھی نہیں تھی کہ اس کو نیند آ گئی۔ شیخ حمید الدین جب معمول کے مطابق آرام کرنے کے لئے محل پہنچے تو دیکھا کہ خادمہ زینت بستر پر پڑی سو رہی ہے۔ سلطان کے بستر پر خادمہ کو سویا ہوا دیکھ کر انہیں غصہ آ گیا، انہوں نے حکم دیا کہ اس گستاخی پر خادمہ کو سو کوڑوں کی سزا دی جائے۔

حکم کی فوراً تعمیل کی گئی اور خادمہ کو کوڑے مارے جانے لگے۔ مگر شیخ حمید الدین کو یہ دیکھ کر تعجب ہوا کہ خادمہ آہ وواویلا نہیں کر رہی ہے بلکہ ہر کوڑے پر ہنس پڑتی ہے۔ انہوں نے سزا روک کر خادمہ کو بلایا اور اسے خلاف معمول ہنسنے کی وجہ پوچھی۔ خادمہ نے نہایت سنجیدگی کے ساتھ جواب دیا:

> مجھے خیال آیا کہ جب اس نرم بستر پر ایک بے اختیارانہ نیند کی یہ سزا ہے تو ان لوگوں کا کیا انجام ہوگا جو روزانہ اس نرم بستر پر آرام کرتے ہیں۔

خادمہ کے اس جواب کا شیخ حمید الدین پر اتنا اثر ہوا کہ ان کی زندگی بالکل بدل گئی۔ وہ دنیا اور اس کی لذتوں سے بے رغبت ہو گئے۔ یہاں تک کہ درویشی کی زندگی اختیار کر لی۔ سلطنت چھوڑ کر شیخ حمید الدین لاہور آئے۔ یہاں حضرت سید احمد توختہ (جو ان کے نانا بھی ہوتے تھے) کی خدمت میں حاضر ہو کر ان کے ہاتھ پر طریقہ شطاریہ میں بیعت کی اور ریاضتوں اور مجاہدوں کے بعد ان کی خلافت حاصل کی۔ شیخ حمید الدین نے ۱۶۷ سال کی عمر پائی۔ آخر عمر میں وہ اچ اور سکھر کے درمیانی علاقہ میں تبلیغ وارشاد کا کام کرتے رہے۔ اس علاقہ میں بہت سے لوگ ان کے ہاتھ پر ایمان لائے۔ (تذکرہ صوفیائے پنجاب از اعجاز الحق قدوسی، خزینہ ۱۲۷)

بندہ اور نوکر

طغرل بادشاہ نے اپنے معتمد وزیر ابو منصور کو صبح ہی صبح بلا بھیجا لیکن نماز فجر کے بعد ابو منصور کا معمول تلاوت اور اوراد واذکار کا تھا۔ چنانچہ وہ اپنے معمولات پورے کرنے کے بعد دربار میں پہنچے تو بہت دیر ہو چکی تھی۔ طغرل غصے سے بھرا بیٹھا تھا۔ درباری کاسہ لیسوں اور حاسدوں کی

Marfat.com

باتوں نے جلتی پر تیل کا کام کیا تھا۔ بادشاہ نے انتہائی غضب ناک لہجے میں سوال کیا کہ تم نے ہمارے حکم کی فوراً تعمیل کیوں نہیں کی اور اتنی تاخیر کیوں کی؟ ابو منصور نے انتہائی تحمل اور بے خوفی سے جواب دیا:

بادشاہ معظم! میں خدا کا بندہ ہوں اور تیرا نوکر۔ جب تک
میں اپنے پیدا کرنے والے کی بندگی سے فارغ نہ ہو جاؤں
تیری نوکری پر نہیں آسکتا۔

حاسدوں کا خیال تھا کہ اس گستاخانہ جواب پر ابو منصور کی گردن اڑانے کا حکم دیا جائے لیکن اس وقت ان کی امیدوں پر اوس پڑ گئی جب انہوں نے دیکھا کہ بادشاہ کے چہرے پر ندامت کے آثار تھے اور وہ کہہ رہا تھا:

ابو منصور خدا تمہیں خوش رکھے، اللہ کی بندگی کو ہمیشہ میری نوکری پر ترجیح دینا، انشاء اللہ تمہاری عبادت اور بندگی کی برکت سے ہمارے سب کام درست ہو جائیں گے۔ (خزینہ: ۱۶۹)

شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی حق گوئی

صاحب قلائد الجواہر لکھتے ہیں کہ جب خلیفہ مقتفی لامر اللہ نے قاضی ابوالوفاء یحییٰ بن سعید بن یحییٰ بن المظفر کو قاضی بنایا جو ابن المرجم الظالم کے لقب سے مشہور تھا تو حضرت نے بر سر منبر خلیفہ کو مخاطب کر کے فرمایا:

ولیت علی المسلمین اظلم الظالمین ما جوابك
غداً عند رب العالمین ارحم الراحمین۔

''تم نے مسلمانوں پر ایک ایسے شخص کو حاکم بنایا ہے جو اظلم
الظالمین ہے، کل قیامت کے دن تم اس رب العالمین کو جو
ارحم الراحمین ہے، کیا جواب دو گے؟

مورخ موصوف کا بیان ہے کہ خلیفہ یہ سن کر لرزہ براندام ہو گیا اور اس پر گریہ طاری ہو گیا اور اس نے اسی وقت قاضی کو اس عہدہ سے ہٹا دیا۔ (قلائد الجواہر: ۸ بحوالہ تاریخ دعوت و عزیمت: ۲۱۶)

Marfat.com

شیخ عزالدین بن عبدالسلام کی حق گوئی اور بے باکی کا بے مثال واقعہ

شیخ کی زندگی کا سب سے زیادہ حیرت انگیز اور اہم واقعہ یہ ہے کہ انہوں نے ان امراء سلطنت کو نیلام کیا جو ان کے نزدیک مسلمانوں کے بیت المال کی ملکیت تھے اور شرعی طریقہ پر آزاد نہیں کیئے گئے تھے۔ یہ امراء سلطنت نسلاً ترک تھے اور سلطنت مصر پر بڑے حاوی تھے۔ ان میں سے ایک نائب السلطنت تھا۔ شیخ نے فتویٰ دیا کہ جب تک یہ امراء شرعی طریقہ پر آزاد نہ ہوں، ان کے معاملات شرعاً صحیح نہیں ہیں اور وہ عام غلاموں کے حکم میں ہیں۔ ان کے فتویٰ کا اثر یہ ہوا کہ لوگوں نے ان کے ساتھ معاملہ کرنے میں احتیاط شروع کر دی اور وہ بڑی دقت میں پڑ گئے۔

یہ دیکھ کر ان امراء کے حلقہ میں بڑی برہمی اور تشویش پیدا ہوئی۔ انہوں نے ایک دن جمع ہو کر شیخ کو طلب کیا اور کہا کہ آپ کیا چاہتے ہیں؟ شیخ نے فرمایا کہ ہم ایک مجلس طلب کریں گے اور بیت المال کی طرف سے آپ کا نیلام کریں گے اور شرعی طریقہ پر آپ کو آزادی کا پروانہ دیا جائے گا۔

انہوں نے سلطان سے عرض کیا کہ شیخ ہم کو ذلیل کرنا چاہتے ہیں اور سر بازار نیلام کرنے کو کہتے ہیں۔ بادشاہ نے شیخ کو راضی کرنا چاہا مگر انہوں نے اپنی رائے سے رجوع نہیں کیا۔ اس گفت وشنید میں بادشاہ کی زبان سے کوئی ایسا کلمہ نکل گیا جو شیخ کے خلاف شان تھا۔ بادشاہ نے اس کا بھی اظہار کیا کہ شیخ کو اس معاملہ سے کیا تعلق، اور وہ امراء کے قضیہ میں کیوں پڑتے ہیں؟ شیخ یہ سن کر ناراض ہوئے اور انہوں نے مصر سے چلے جانے کا عزم کر لیا۔ اپنا سامان جانور پر بار کیا اور گھر والوں کو سوار کیا اور روانہ ہو گئے۔

ان کی روانگی کی خبر سن کر قاہرہ میں کھلبلی مچ گئی، شہر کی مسلمان آبادی کا بڑا حصہ ان کے پیچھے ہو لیا۔ علماء، صلحاء، تجار سب ان کے پیچھے پیچھے روانہ ہو گئے۔ سلطان کو اطلاع ہوئی اور کسی نے اس

Marfat.com

سے کہا کہ شیخ عزالدین چلے گئے تو تمہاری سلطنت جاتی رہے گی۔ سلطان خود سوار ہو کر ان کے پاس پہنچا اور ان کو منا کر شہر واپس لایا اور طے ہوا کہ امراء سلطنت کا وہ خود نیلام کریں۔

یہ سن کر نائب السلطنت نے بڑے خوشامدانہ لہجہ میں ان کو اس ارادہ سے باز رکھنا چاہا لیکن وہ اپنی رائے پر قائم رہے۔ نائب کو غصہ آ گیا۔ اس نے کہا کہ یہ شیخ کیسے ہمارا نیلام کرے گا، ہم ملک کے حاکم ہیں؟ خدا کی قسم! میں اس تلوار سے اس کی گردن اڑا دوں گا۔ چنانچہ وہ اپنے عملہ کے ساتھ سوار ہو کر شیخ کے دروازہ پر پہنچا، ننگی تلوار اس کے ہاتھ میں تھی، دروازہ کھٹکھٹایا، شیخ کے صاحبزادہ باہر نکلے تو یہ حال دیکھا کہ نائب السلطنت شمشیر برہنہ لئے دروازہ پر کھڑا ہے۔ انہوں نے اندر جا کر شیخ سے یہ حال کہا۔ شیخ نے بے پرواہی سے جواب دیا کہ بیٹا! تمہارے والد کا یہ رتبہ کہاں کہ اللہ کے راستہ میں شہید ہو۔

یہ کہہ کر وہ باہر نکلے۔ ان کا نکلنا تھا کہ تلوار نائب السلطنت کے ہاتھ سے چھوٹ گئی اور اس کے جسم پر رعشہ طاری ہو گیا۔ اس نے رو کر شیخ سے دعا کی درخواست کی اور کہا کہ میرے آقا! آپ کیا کرنا چاہتے ہیں؟ فرمایا، میں تمہارا نیلام کروں گا اور تمہیں فروخت کروں گا۔ اس نے کہا کہ ہماری قیمت آپ کس مد میں صرف کریں گے؟ فرمایا، مسلمانوں کے کاموں میں۔ اس نے عرض کیا کہ قیمت وصول کون کرے گا؟ فرمایا، میں خود۔ اس نے کہا، بہت اچھا۔

چنانچہ شیخ نے ایک ایک کر کے سب امراء کو نیلام کیا، ہر ایک پر بولی بولی گئی۔ شیخ نے (ان کے اعزاز کے طور پر) ان کے دام بہت لگائے اور بہت بڑی بولی پر ان کو فروخت کیا اور قیمت وصول کر کے خیر کے کاموں میں صرف کی اور وہ آزاد ہو کر اپنے اپنے گھر گئے۔

ابن السبکی لکھتے ہیں کہ یہ واقعہ کسی اور کے متعلق سننے میں نہیں آیا۔ ایک عالم کی عظمت اور اس کے رعب وداب کی یہ انتہائی مثال ہے۔

(طبقات الشافعیۃ الکبریٰ ص ۸۴، ۸۵ جلد ۵، بحوالہ تاریخ دعوت وعزیمت ۲۹۶/۱)

بادشاہ کو تنبیہ

ان کی جرأت کا اس سے زیادہ حیرت انگیز واقعہ یہ ہے کہ عید کے دن قلعہ میں دربار شاہی

تھا۔ بادشاہ اپنے تزک و احتشام کے ساتھ سریر آراء تھا، دورویہ افواج شاہی دست بستہ کھڑی تھیں، امراء حاضر ہو ہو کر آداب و تسلیمات بجالاتے تھے اور زمین بوس ہوتے تھے۔ اس بھرے دربار میں دفعتاً شیخ نے بادشاہ کو نام لے کر خطاب کیا اور کہا کہ:

ایوب! تم خدا کو کیا جواب دو گے جب پوچھا جائے گا کہ ہم نے تم کو مصر کی سلطنت اس لئے دی تھی کہ شراب آزادی سے پی جائے؟

بادشاہ نے کہا کہ یہ کیا واقعہ ہے؟ شیخ نے بلند آواز سے فرمایا:

ہاں! فلاں میخانہ میں شراب آزادی سے بک رہی ہے اور دوسرے ناگفتنی کام ہو رہے ہیں اور تم یہاں بیٹھے داد عیش دے رہے ہو۔

بادشاہ نے کہا، جناب والا مجھے اس میں کچھ دخل نہیں، یہ میرے والد کے زمانہ سے ہو رہا ہے۔ شیخ نے فرمایا:

پھر تم بھی انہی لوگوں میں سے ہو جن کا جواب یہ ہوتا ہے انا وجدنا اباء نا علی امة۔ "یہ ہمارے باپ دادا کے زمانہ سے چلا آیا ہے۔"

سلطان نے فوراً اس شراب خانہ کی بندش کا حکم جاری کیا۔

شیخ کے ایک شاگرد کہتے ہیں کہ دربار سے واپسی پر میں نے عرض کیا کہ حضرت! کیا واقعہ ہے؟ فرمایا کہ:

میں نے بادشاہ کو جب اس شان و شوکت کے ساتھ اجلاس کرتا ہوا دیکھا تو مجھے اندیشہ ہوا کہ کہیں یہ منظر دیکھ کر اس پر تکبر کا حملہ ہو اور وہ اپنے نفس کا شکار ہو جائے۔ میں نے اس کی اصلاح کے لئے یہ بات کہی۔

میں نے کہا کہ کچھ خوف معلوم نہیں ہوا؟ فرمایا:

اللہ تعالیٰ کی ہیبت و جلال اس وقت ایسا مستحضر اور پیش نظر تھا کہ وہ مجھے اس کے مقابلہ میں ایک بلے کی طرح معلوم ہوتا تھا۔

(طبقات الشافعیہ:۸۲، تاریخ دعوت و عزیمت:۲۹۸)

حضرت مجدد الف ثانیؒ کا جہانگیر کو سجدہ کرنے سے انکار

حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے حاسدوں نے ایک مرتبہ آپ کا ایک مکتوب جس میں آپ نے مقامات سلوک کے عروج وسیر کا ذکر کیا ہے، اس بنا پر جہانگیر کے حضور میں پیش کیا کہ اس مکتوب میں انہوں نے اپنے آپ کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے افضل وبرتر ظاہر کیا ہے۔

بادشاہ نے بلوایا اور پوچھا کہ کیا یہ صحیح ہے کہ آپ اپنے آپ کو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے افضل جانتے ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ ہم اہل سنت والجماعت جب حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو جو خلیفہ چہارم ہیں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر ترجیح نہیں دیتے تو اپنے آپ کو کس طرح ان سے افضل سمجھ سکتے ہیں؟

بادشاہ نے مکتوب کا ذکر کیا اور کہا، اس کا کیا مطلب ہے؟ آپ نے فرمایا، سیر وسلوک اور عروج مقامات کا اثر لحظہ بھر کا ہوتا ہے جیسے بادشاہ کسی شخص کو اپنے پاس بلائے اور ہمکلامی کی عزت بخشے۔ تو ضرور ہے کہ وہ مقامات پنجہزاری او ہفت ہزاری کو طے کرتا ہوا آئے گا۔ مگر جب بادشاہ اس کو رخصت کردے گا تو پھر وہ اپنے اصلی مقام پر جا پہنچے گا۔ اس ہم کلامی سے اس کا مرتبہ کسی طرح پنجہزاری وہفت ہزاری کے مناصب جلیلہ سے بڑھ نہیں سکتا اور میں نے تو اپنے مکتوب میں خود لکھا ہے کہ بعکس آں مقام ودرار نگین یافتہ ام۔ اس لئے جو عکس آفتاب سے منعکس ہو وہ آفتاب کے رتبہ کو کس طرح پہنچ سکتا ہے۔

بادشاہ کی تسلی ہو جانے پر حاسدوں نے بہت پیچ وتاب کھائے۔ آخر موقعہ پا کر پھر کہا کہ اس کو اپنی شہرت وعظمت اور مریدوں ومعتقدوں کی کثرت پر جن میں بڑے بڑے ارکان سلطنت بھی ہیں، گھمنڈ اور غرور ہے۔ اندیشہ ہے کہ کسی دن بادشاہی کا دعویٰ ہی نہ کر بیٹھے۔ دور اندیشی کا تقاضا یہ ہے کہ آنے والے فتنہ وفساد کا ابھی سے انسداد کر دیا جائے اور تدبیر اس کی یہ ہے کہ اس کو حضور میں بلایا جائے۔ اگر اس نے بادشاہ کے آگے سر جھکا دیا اور سجدہ کر لیا تو سمجھا جائے گا کہ بادشاہ کا مخالف نہیں ہے اور اگر اس نے اس کے خلاف کیا تو صاف ظاہر ہے کہ اس کی نیت بخیر

Marfat.com

نہیں۔

بادشاہوں کو سلطنت کے معاملہ میں اپنے سایہ سے بھی وہم ہوتا ہے۔ جہانگیر نے پھر آپ کو بلوایا۔ آپ آئے اور بغیر کورنش اور سجدہ اور دیگر شاہی مراسم کے جو خلاف شریعت تھے اور شرک و بدعت سے تعلق رکھتے تھے، شرعی سلام کر کے کھڑے ہو گئے۔ بادشاہ نے شاہی مراسم ادا کرنے بلکہ صاف طور پر سجدہ بجالانے کا حکم دیا۔ آپ نے جواب میں فرمایا، سجدہ سوائے خدا کے جو شہنشاہوں کا بھی شہنشاہ ہے، کسی کو بھی جائز نہیں ہے۔

مفتی عبدالرحمٰن نے جو اکابر علمائے وقت میں سے تھے اور حاضر دربار تھے، بادشاہ کو برسر عتاب دیکھ کر آپ سے کہا، میں فتویٰ دیتا ہوں کہ بادشاہ کو سجدہ کرنا جائز ہے، اس لئے کہ جان کا خوف ہے اور جان بچانا فرض ہے۔

آپ نے فرمایا، بے شک جب جان کا خوف ہو تو اس وقت سجدہ کرنا جائز ہے مگر وہ آخری سجدہ بھی صرف خدا کی ذات کے لئے ہی ہے۔

غرض بادشاہ نے بہت زور لگایا اور مفتی صاحب نے بہت سر مارا مگر آپ صاف و صریح انکار فرماتے رہے۔ بادشاہ نے برافروختہ ہو کر آپ کو قید خانہ میں نظر بند کر دینے کا حکم دے دیا۔

روضۂ قیومیہ میں لکھا ہے کہ مفتی عبدالرحمٰن اور شہزادہ خرم (جو بادشاہ ہو کر شاہجہان کہلایا) قید خانہ میں آپ کے پاس گئے اور کتب فقہ وغیرہ سے سجدہ کا جواز پیش کیا اور کہا، معمولی سی بات ہے، ایک لمحہ کے لئے سر کو زمین پر رکھ دینے سے تمام عمر کی نجات ہے۔ مگر آپ نے اس پر بھی صاف انکار فرما دیا۔

بادشاہ نے اس خیال سے کہ یہاں کوئی شورش نہ ہو جائے، آپ کو گوالیار کے مشہور قید خانہ میں بھجوا دیا۔ آخر دو برس کے بعد جہانگیر نے خود ہی پشیمان ہو کر ان کو اپنے پاس بلایا اور بہت کچھ معذرت کی اور نہ صرف بڑے اعزاز و اکرام کے ساتھ پیش آیا بلکہ آپ کے ایماء پر اس نے بہت سی خلاف شرح باتیں موقوف کر دیں۔ (تاریخ اسلام کے ناقابل فراموش واقعات: ۳۶۱)

حضرت شیخ کے متعلق علامہ اقبال فرماتے ہیں:

حاضر ہوا میں شیخ مجدد کی لحد پر

Marfat.com

وہ خاک کہ ہے زیر فلک مطلع انوار
اس خاک کے ذروں سے ہیں شرمندہ ستارے
اس خاک میں پوشیدہ ہے وہ صاحب اسرار
گردن نہ جھکی جس کی جہانگیر کے آگے
جس کے نفس گرم سے ہے گرمی احرار
وہ ہند میں سرمایہ ملت کا نگہبان
اللہ نے بروقت کیا جس کو خبردار

سلطان ٹیپو کا فرنگیوں کے سامنے سر جھکانے سے انکار

سلطان ٹیپو اپنے باپ حیدر علی کی موت کے بعد ۲۶ دسمبر ۱۷۸۲ء کو میسور کا حاکم بنا۔ انگریز سے نفرت سلطان ٹیپو کو اپنے باپ سے وراثت میں ملی تھی۔ وہ انگریز کو ہندوستان کا عظیم دشمن سمجھتے تھے۔ دہلی کی تخت پر اس وقت شاہ عالم دوم براجمان تھے۔ انہیں مرہٹوں نے پندرہ ہزار روپیہ سالانہ پنشن دے کر اپنا خلیفہ بنالیا تھا۔ سلطان کی دلی تمنا تھی کہ مرکز میں مرہٹوں کا اقتدار کسی طرح ختم کر کے یہاں اسلامی نظام قائم کیا جائے۔ انگریزوں کے بڑھتے سیلاب کے سامنے بند باندھنے اور ہندوستان کی آزادی کو برقرار رکھنے کے لئے ترکی، ایران، افغانستان اور حیدر آباد دکن کے سربراہان مملکت سے اتحاد کی اپیل کرتے ہوئے کہا:

> آؤ ملت واحدہ کی طرح ایک ڈوری میں بندھ جائیں اور انگریزوں کا مقابلہ کریں ورنہ ہندوستان کے غلام ہونے سے کسی کی آزادی برقرار نہیں رہے گی۔

مگر سوائے افغانستان کے شاہ زمان کے کسی نے سلطان کی دعوت کو قابل توجہ نہ سمجھا۔

سلطان کی ان کوششوں سے جو اس نے انگریزوں کو ہندوستان سے نکالنے کے لئے بیرونی حکومتوں سے رابطہ پیدا کرنے میں کیں، انگریز خوب واقف تھا۔ اس نے اپنی عیاری کے روایتی حربے استعمال کرنا شروع کئے۔ سلطان کے ہم نشینوں اور میسور کے عہدیداروں کو اپنے سانچے میں ڈھالنا ضروری سمجھا۔ میر صادق سلطان کا وزیر اعظم اور پورنیا ایک ہندو وزیر اپنے آقا سے

Marfat.com

نمک حرامی کیلئے چن لئے گئے۔ انہوں نے قلعہ کے تمام راز انگریزوں تک پہنچائے اور باقی وزراء اور عمائدین سلطنت کو گمراہ کیا۔ ان نمک حرام اور غداروں نے وطن عزیز اور اپنے مربی سے بے وفائی کی۔ ان کے علاوہ نظام حیدر آباد اور مرہٹے بھی دشمنی کر رہے تھے۔ میسور کا وہ ہندو خاندان جس سے کبھی نواب حیدر علی نے حکومت چھینی تھی، انگریزوں سے اندرون خانہ میسور کی واپسی کی شرط پر معاہدہ کر چکا تھا۔ اس کے جاسوس بھی سلطان کے خلاف سرگرم تھے۔ اس کے علاوہ خود سلطان کا گھوڑ سوار افواج کا کمانڈر بدرالزمان انگریزوں سے جاگیر کے لالچ میں سودا کر چکا تھا۔ اس غدار نے انگریزوں کو قلعہ کا راستہ بتایا۔ میر صادق اور پورنیا نے انگریزی حملے کے وقت تمام افواج کو تنخواہ دینے کے بہانے اہم چوکیوں سے واپس بلا لیا۔

ایسے حالات میں جب سلطان ٹیپو اپنے اور پرائے غداران وطن کے نرغے میں تھا، ان کے سیکرٹری راجہ خان نے سلطان کو مشورہ دیا کہ جناب آپ اپنے آپ کو انگریزوں کے حوالے کر دیں تاکہ آپ کی جان و مال اور سلطنت بچ جائے، وقت کی مصلحت یہی ہے۔ اس پر سلطان نے غصہ میں آ کر کہا:

> تم دیوانے ہو گئے ہو، میں خود کو انگریزوں کے حوالے نہیں کروں گا۔ مجھے گیدڑ کی سو سالہ زندگی سے شیر کی ایک دن کی زندگی پسند ہے۔ میں آخر دم تک وطن کی آزادی کے لئے انگریزوں سے لڑتا رہوں گا۔ میرے نزدیک مصلحت ایمان کی موت کا دوسرا نام ہے۔

میسور کے دارالخلافہ سرنگا پٹم کے قلعہ کو غداروں کی نشاندہی پر انگریزوں نے چاروں طرف سے اپنے گھیرے میں لے لیا تو آخر سلطان ٹیپو گھوڑے پر سوار تلوار سنبھالے انگریزوں کے مقابل میدان میں آنکلا۔ ایک گھنٹے کی دست بدست جنگ میں سلطان نے اپنی تلوار کے وہ جوہر دکھائے کہ دشمن بھی ششدر رہ گیا۔ گلیوں اور بازاروں میں سلطان کی وفادار فوج نے ایمان اور جرأت سے سینکڑوں انگریزوں کو مردار کیا۔ اس دوران سلطان کی بارہ ہزار فوجی شہید ہوئے۔ بالآخر اسلام کا یہ عظیم جرنیل آزادہ ہند کا بہادر مجاہد ۴ مئی ۱۷۹۹ء کو جام شہادت نوش کر گیا۔ مرتے وقت اس کی زبان پر یہ الفاظ تھے:

Marfat.com

میں خوش ہوں کہ ایک کافر کے مقابلہ میں لڑکر خدا کے راستہ میں جان دے رہا ہوں۔ خدا کا شکر ہے کہ میں فرنگی فوج کو مارتے مارتے جان دے رہا ہوں۔ کاش! کوئی میرے بعد ان فرنگیوں کو ہندوستان سے نکال بھگائے۔ اس وقت تک میری روح کو قبر میں چین نہیں آئے گا جب تک ہندوستان کی سرزمین فرنگیوں سے پاک نہ ہوجائے۔ (انگریز کے باغی مسلمان ۵۱ تا ۶۴)

میں انگریز کا باغی ہوں

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے دوران مولانا فضل حق خیر آبادی کو دہلی جامع مسجد میں عوام کو انگریزوں کے خلاف جہاد پر آمادہ کرنے کے جرم میں گرفتار کر کے لکھنؤ بھیج دیا گیا جہاں آپ پر بغاوت کے جرم میں مقدمہ چلا۔ عدالت میں آپ نے اپنے جرم کا اقرار کرتے ہوئے کہا: میں نے انگریز کے خلاف جہاد کے فتوے پر دستخط کیے ہیں۔

انگریز جج (جو مولانا فضل حق کے علم و فضل سے واقف تھا) علامہ صاحب کو بار بار اس بیان پر ٹوکتا رہا کہ مولانا آپ یہ کیا کہہ رہے ہیں؟ لیکن علامہ صاحب ہر بار یہی کہتے رہے کہ یہ فتویٰ میرا لکھا ہوا ہے اور میری رائے اب بھی یہی ہے، اور اگر یہ جرم ہے تو مجھے اس پر فخر ہے۔

ایک موقع پر ایک گواہ (جو پہلے علامہ صاحب کے خلاف گواہی دے چکا تھا) دوبارہ شہادت کے لئے بلایا گیا تو وہ اپنے پہلے بیان سے منحرف ہوگیا۔ اس پر علامہ صاحب نے عدالت کو مخاطب کر کے کہا:

> گواہ جو اس سے پہلے میرے خلاف شہادت دے چکا ہے وہی درست ہے، اب وہ میری صورت دیکھ کر مرعوب ہوگیا ہے، میں عدالت کے روبرو پھر اقرار کرتا ہوں کہ فتویٰ میرا ہی لکھا ہوا ہے اور میں اب بھی یہی رائے رکھتا ہوں جو فتوے میں ظاہر کی گئی ہے، میں انگریزی حکومت کا باغی ہوں اور ہمیشہ باغی رہوں گا۔

اس پر علامہ صاحب کو عمر قید کی سزا سنا دی گئی۔ جزیرا نڈیمان کے مشہور کالا پانی کی جیل

Marfat.com

میں بھیج دیئے گئے۔ جیل میں تمام کپڑے اتروا دیئے گئے، صرف ایک چادر اور تہہ بند رہنے دیا گیا۔ علامہ کے صاحبزادے شمس العلماء مولانا عبدالحق نے ان کی رہائی کے لئے لندن میں اپیل دائر کی جو منظور ہوگئی۔ چنانچہ وہ رہائی کے کاغذات لے کر جزیرہ انڈیمان (کالا پانی) روانہ ہو گئے۔ ۱۹ اگست ۱۸۶۱ کو وہاں پہنچ کر جہاز سے اترے تو ایک جنازہ آرہا تھا جس کے ساتھ لوگوں کا ہجوم تھا۔ پوچھا، یہ کس کا جنازہ ہے جس کے ساتھ اتنا بڑا مجمع ہے؟ تو پتہ چلا کہ یہ مولانا فضل حق خیر آبادی کا جنازہ ہے۔

ہائے کیا کہوں کیسے رہائی ہوتے ہوتے رہ گئی

(انگریز کے باغی مسلمان: ۲۸۸)

صداقت پسندی کی ناقابل فراموش مثال

منشی ذوالفقار الدین ولد وہاب الدین بدایون کے متولیوں کے خلاندان سے تھے۔ جب انگریزی تسلط کے بعد گرفتار ہوکر مسٹر کارمیکل کے سامنے بغرض جواب دہی پیش ہوئے تو منشی جی نے اپنی قوت ایمانی کی بناء پر صاف الفاظ میں کہا کہ تمہاری حکومت جاچکی تھی، مجھے ملازمت کی ضرورت تھی، میں نے نوکری کرلی۔

منشی جی کبھی اس انگریز کے ساتھ کام کر چکے تھے، وہ چاہتا تھا کہ منشی جی جرم سے انکار کر دیں۔ انہوں نے صاف جواب دیا کہ میں جھوٹ نہیں بول سکتا۔

حق گوئی اور صداقت پسندی کی حد ہوگئی کہ آپ نے جان دے دی مگر جھوٹی بات سے زبان کو ملوث کرنا پسند نہیں کیا۔

کار پاکاں را قیاس از خود مگیر
گرچہ ماند در نوشتن شیر و شیر

(علمائے ہند کا شاندار ماضی: ۳۶۲/۴)

Marfat.com

ایمان نہیں کھوسکتا

مولوی رضی اللہ بدایوں کے صدیقی شیخ تھے۔ مولوی صاحب سے کارمیکل نے پڑھا تھا۔ جب وہ گرفتار ہوکر اس کے سامنے پیش ہوئے تو اس کے استفسار پر مولوی صاحب نے جنگ میں شرکت کا اقرار کیا۔ اس نے مقدمہ ملتوی کر کے دوسرے دن پر رکھا اور چاہا کہ مولوی صاحب انکار جرم کریں مگر دوسرے دن پھر پیشی کے وقت مولوی صاحب نے پچھلے بیان سے سر مو فرق نہیں کیا۔

سزائے موت کا حکم ہوا۔ جس وقت گولی کے نشانہ کے لئے پیش ہوئے اس وقت کارمیکل نے کہا، اگر آپ اس وقت بھی انکار کر دیں تو آپ کی جان بچادوں۔ مولوی صاحب نے جواب دیا:

کیا میں تمہاری وجہ سے اپنا ایمان اور عاقبت خراب کرلوں۔

نہایت خندہ پیشانی سے جان جان آفرین کے سپرد کردی۔

(علمائے ہند کا شاندار ماضی: ۴/۳۶۳)

حضرت حسن شاہ جیلانی کا انداز فقیرانہ

ایک شاطر بدھ راہب نے پٹن منارہ میں ایک ننگا بت نصب کر کے خلقت کو شرک و ضلالت میں ڈال رکھا تھا اور اس کی وجہ سے گمراہی بڑھتی جارہی تھی۔ حضرت سید حسن شاہ نے اس کے خلاف جہاد کا ارادہ فرمایا۔ نواب بہاول خان نے حضرت صاحب کے پاس کچھ لوگوں کو بھیجا کہ سید صاحب جواب دیں ''رب، رب العالمی ہے یا رب المسلمین ہے''۔ مطلب یہ ہے کہ اگر وہ رب العالمین ہے تو بدھ مت کے راہب کو اس کے حال پر چھوڑ دیں، آخر وہ بھی تو اس رب تعالیٰ کی ملکیت ہے اور ربوبیت کے تحت ہے، آپ کو اس سے چھیڑ چھاڑ کرنے کی کیا ضرورت ہے؟

حضرت جیلانی کو جلال آگیا۔ انہوں نے کہا:

نواب سے جا کر کہو کہ آپ کی صاحبزادی جوان بیٹھی ہے، آپ اسے کسی

Marfat.com

گشائیں ہندو کو دے دیں، جواب مل جائے گا۔

جو لوگ حضرت کے پاس آتے تھے ان میں، ایک گشائیں ہندو بھی تھا۔ وہ لوگ ناراض ہو کر واپس چلے گئے۔ نواب صاحب نے اپنی توہین کا بدلہ لینے کے لئے فقراء سے جنگ کرنے کا عزم کیا۔ فقراء نے بھی سروں پر کفن باندھ لیے۔ حضرت نے تمام جماعتوں کو حکم دیا کہ وہ اپنے اپنے ہتھیار اور کفن تیار رکھیں، جس کے پاس لاٹھی ہے وہ لاٹھی لے آئے، جس کے پاس تلوار ہے وہ تلوار لے آئے۔ فقیروں کی توپ والوں سے جنگ ہے۔

بالآخر نواب صاحب نے صلح کی پیش کش کی اور پیغام بھیجا کہ پٹن مینارہ کا علاقہ ہم آپ کو بطور جاگیر کے دیتے ہیں لیکن حضرت نے انکار کیا۔ حضرت کی قیادت میں یہ جہاد ہوا اس راہب اور اس کے بت کی گمراہی سے اس علاقہ کو پاک کیا گیا۔ حضرت نے مندر کو مسجد میں تبدیل کیا، بت کو توڑ دیا اور وہاں ایک عظیم الشان مدرسہ اور لنگر کا اہتمام کیا۔ (تذکرۃ الشیخ ہالیجوی ص ۶۲)

اکبر کے خلاف ملا یزدی کا فتویٰ

اکبر پر جب الحاد کا غلبہ ہوا تو اس نے شریعت کی گرفت سے بچنے کے لئے ایک محضر تیار کروایا جس میں یہ تحریر ہوا کہ امام عادل بادشاہ اکبر کو ان امور میں مجتہدین اور علماء سے زیادہ اختیارات ہوں گے جو عوام کی خوشحالی کا باعث ہوں۔ خوشامدی درباری ہر بات کو شریعت کے پیکر میں ڈھال کر پیش کرتے۔ ہر بات کے ساتھ کوئی شرعی قول نقل کر دیتے اور فائدہ اٹھاتے۔

عبادت خانے کی محفلوں میں مسلمان علماء کے ساتھ پرتگیز پادری، پارسی دستورا، جین سادھو اور ہندو سنت بھی شریک ہوتے۔ پرتگیز پادری اسلام اور رسول اللہ ﷺ کی شان میں نہایت نازیبا باتیں کہتے تھے۔ اسلام کے خلاف تمام بحثوں کو بادشاہ کی روشن خیالی اور مذہبی رواداری کا نام دیا جاتا تھا۔ دربار کے آئین میں طرح طرح کی جدتیں پیدا ہوئیں۔ لیکن ابھی ہندوستان میں ایسے لوگوں کی کمی نہ تھی جو اکبر جیسے بادشاہ کی مخالفت بھی علی الاعلان کریں۔

چنانچہ ۱۵۸۰ء ۹۸۸ھ میں جونپور کے قاضی القضاۃ ملا محمد یزدی نے جان کی پرواہ کیے بغیر بادشاہ کے خلاف کھلم کھلا یہ فتویٰ دیا کہ:

Marfat.com

بادشاہ بد مذہب ہو گیا ہے، اس کے خلاف جہاد واجب ہے۔

اکبر کو جب اس فتویٰ کا پتہ چلا تو بہت غصہ ہوا۔ اس نے جونپور سے ملا محمد یزدی کو فوراً آگرہ طلب کرلیا۔ ابھی یہ فیروز آبادہی پہنچے تھے کہ حکم ملا کہ ان کو دریائے جون کے راستہ کشتی کے ذریعہ سیاسی مجرموں کے جیل خانہ میں گوالیار پہنچا دیا جائے۔ پھر حکم ملا کہ ان کا خاتمہ کردو۔ چنانچہ پہرے داروں نے ایک ٹوٹی کشتی میں سوار کر کے دریائے جون میں کشتی ڈبو دی۔ اور اللہ کا یہ حق گو سپاہی ہمیشہ کے لئے جون کے گرداب کی گود میں سو گیا۔ (رود کوثر، شیخ محمد اکرام)

اکبر کے سامنے شیخ تھانیسری کی جرأت و بیباکی

شیخ سلطان تھانیسری ایک عالم فاضل بزرگ تھے۔ بادشاہ اکبر کے یہاں خوب تقرب و اقتدار حاصل تھا۔ اکبر ان سے اکثر علمی کام لیتا تھا۔ چار سال میں مہابھارت کا ترجمہ رزم نامے کے نام سے تیار کیا۔ اکبر کو جب دین الٰہی کی اشاعت کا جنون سوار ہوا اور خود غرض علماء نے اس کے دماغ کو مکمل طور پر الحاد پسند بنا دیا تو اس نے ایک دن ان سے کہا، حاجی سلطان! تم ہمارے لئے قرآن لکھو۔

شیخ نے آسمان کی طرف دیکھا اور خاموش ہو گئے۔ اکبر نے پوچھا، آپ نے کوئی جواب نہیں دیا۔

شیخ سلطان نے پھر آسمان کی طرف دیکھ کر کہا، جبرئیل تمہارے لئے قرآن لے کر آئیں تبھی تو لکھوں گا۔

اکبر اس طنز پر بہت تلملایا، کچھ کہہ نہ سکا اور موقع کی تلاش میں رہا۔ انہی دنوں میں تھانیسر کے ہندوؤں نے ان کے خلاف گائے کشی کی شکایت کی۔ اکبر کو موقع مل گیا۔ اس لئے ان کے لئے یہ سزا تجویز کی گئی کہ ان کو جلاوطن کر دیا جائے۔ چنانچہ شاہی حکم سے ان کو تھانیسر سے بھکر کی طرف جلاوطن کر دیا گیا۔

قسمت سے کچھ دن بعد اس علاقہ پر عبدالرحیم خانخاناں حکومت کے لئے مامور ہوئے۔ یہ اہل علم کے بڑے قدردان تھے۔ اس لئے یہ شیخ سلطان سے بڑی محبت سے پیش آئے۔ جب

Marfat.com

سندھ فتح ہو گیا تو خانخاناں ان کو اپنے ساتھ واپس لے آئے۔ اکبر سے ان کی سفارش کی۔ سفارش منظور ہوئی۔ اکبر نے سفارش قبول کرتے ہوئے ان کا جلاوطنی کا حکم منسوخ کر دیا۔ اکبر پھر ان پر اتنا مہربان ہوا کہ تھانیسر اور کرنال کا کروڑی بنا دیا۔

تھانیسر کے ہندوؤں کو یہ بات سخت ناگوار ہوئی کہ شیخ سلطان پھر سے تھانیسر کے حاکم بن کر آگئے۔ وہ ان کی تاک میں رہنے لگے کہ کب مناسب موقع ملے اور کوئی شاخسانہ کھڑا کر کے ان کو پھر سے سزا دلوائی جائے۔ اکبر بہت عرصہ سے لاہور گیا ہوا تھا۔ جنوب سے اس کی طویل غیر حاضری سے اس علاقہ میں کچھ شکایتیں عام تھیں۔ کروڑیوں پر سرکاری لگان کا غلط استعمال کرنے کی شکایت عام تھی۔

۱۵۹۸ء ۱۰۰۷ھ کے آخر میں لاہور کے طویل قیام کے بعد واپس آیا تو اس نے جن کروڑیوں کی شکایتیں سنیں، ان کو سخت سزائیں دیں، اکثر کی جائیدادیں ضبط ہو گئیں۔ چند ماہ قبل وہ رعایا کی شکایت پر ایک کروڑی محمد بیگ کے گلے پر چھری پھروا چکا تھا۔ تھانیسر کے لوگوں نے یہ موقع غنیمت سمجھا۔ چنانچہ جب اکبر تھانیسر پہنچا تو یہاں کے ہندوؤں نے شیخ سلطان کی شکایت بادشاہ سے کی۔

شیخ سلطان تھانیسری بڑے فیاض شخص تھے۔ فقراء و مساکین کی خوب مدد کرتے تھے۔ وہ جتنا بھی لگان وصول کرتے تھے اس کو ضرورت مندوں پر خرچ کر دیتے تھے۔ انہوں نے بارہ سال سے کوئی لگان شاہی خزانے میں جمع نہیں کیا تھا۔ اکبر کو تھانیسر کے لوگوں نے یہ یقین دلایا کہ شیخ سلطان نے بڑے ظلم و ستم روا رکھے ہیں۔ اکبر نے تحقیق حال کے لئے شیخ کو اپنے سامنے طلب کیا۔ اکبر نے پوچھا، شیخ سلطان تم نے کتنے دن سے لگان سرکاری خزانے میں جمع نہیں کیا ہے۔

شیخ سمجھ گئے کہ اکبر کو ضرور ان کے خلاف ورغلایا گیا ہے۔ انہوں نے جواب دیا، بارہ سال سے کوئی لگان جمع نہیں ہوا ہے۔

یہ لگان کیوں جمع نہیں ہوا؟ اکبر نے پوچھا۔

شیخ نے بے خوفی سے جواب دیا:

ہمارا بادشاہ مرتد ہو گیا ہے اور مرتد کا مال اڑانا جائز ہے۔ میں نے بھی یہ مال

Marfat.com

فقراء اور مساکین میں تقسیم کر دیا۔

اکبر نے ناراضگی کا اظہار کیا تو شیخ کو جلال آ گیا۔ انہوں نے ایک پتھر بادشاہ کے چہرے پر کھینچ کر مارا کہ اس کی پیشانی سے خون بہنے لگا۔ چنانچہ یکم جنوری ۱۵۹۹ کو شیخ سلطان تھانیسری کو پھانسی دے دی گئی۔ (رود کوثر، شیخ محمد اکرام بحوالہ مردان حق ۲۳۸)

مہاراجہ رنجیت سنگھ کا پیغام مصالحت

اور سید احمد شہیدؒ کی طرف سے جواب

سرحدی آویزشوں اور متعدد معرکہ آزمائیوں کے ساتھ مہاراجہ رنجیت سنگھ کو وقتاً فوقتاً یہ خیال آتا رہا کہ سید صاحب ایک فقیر منش، درویش صفت بزرگ ہیں۔ سرحد و افغانستان میں بارہا ایسا ہوا ہے کہ کسی شیخ طریقت یا صاحب حمیت بزرگ نے علم جہاد بلند کیا اور مریدین و مخلصین کی جمعیت اپنے گرد جمع کر لی۔ لیکن پھر حکومت نے ان کو کوئی علاقہ یا جاگیر دے کر وظیفہ اور نذرانہ مقرر کر کے گوشہ نشینی، یاد الٰہی اور خدمت خلق پر آمادہ کر لیا اور شورش رفع ہو گئی۔ اس نے پہلے قیام امب کے زمانے میں آپ کے پاس اسی مقصد کے لئے ایک مؤقر سفارت بھیجی جس میں اس کے مشیر خاص اور معتمد حکیم عزیز الدین بھی تھے، پھر وینتورا کو اس مسئلے میں گفت و شنید اور نامہ و پیام کرنے کی ہدایت کی۔

وقائع کا بیان ہے کہ امب کے زمانہ قیام میں حکیم عزیز الدین دہلوی مہاراجہ کی طرف سے وکیل ہو کر آئے۔ وزیر سنگھ ہمراہ تھا۔ حکیم عزیز الدین مہاراجہ کا خط لائے تھے جس کا مضمون یہ تھا کہ:

> خلیفہ صاحب آپ سید، حاجی اور غازی، اللہ والے ہیں، ہم آپ کی دعا کے طلب گار ہیں۔ اگر ہندوستان سے اس ملک میں ملک گیری کے ارادے سے تشریف لائے ہیں تو آپ دریائے اٹک کے اس پار کی نو لاکھ روپے کی آمدنی کی جاگیر ہم سے لے لیں اور دریا کے اس پار جہاں آپ تشریف رکھتے ہیں، اس ملک کی نعلبندی ہم لیتے آئے ہیں، وہ ملک بھی ہم آپ ہی کی نذر کرتے

Marfat.com

ہیں۔ آپ بفراغت اپنے صاحب کی بندگی میں مشغول رہیں اور ہم سے لڑنے بھڑنے کا خیال نہ کریں۔ اور جو یہاں لاہور میں ہمارے پاس چلے آئیں تو ہم آپ ہی کو اپنی کل فوج کا افسر بنا دیں۔

آپ نے اس کے جواب میں فرمایا:

ہم جو مسلمانوں کے اس ملک میں اتنے لوگوں کے ساتھ آئے ہیں، نہ تو کسی کی ریاست چھیننے کی غرض سے آئے ہیں، نہ ملک گیری کے شوق میں۔ ہم تو محض جہاد فی سبیل اللہ اور اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے آئے ہیں۔ جو رنجیت سنگھ اتنے ملک دینے کی لالچ دیتا ہے اگر وہ تمام ملک دے تب بھی ہمیں کوئی غرض نہیں ہے، البتہ اگر وہ مسلمان ہو جائے تو ہمارا بھائی ہے، اللہ کی تائید سے جو ملک ہمارے ہاتھ لگے ہیں ہم اس کو دے دیں گے اور جو اس کا ملک ہے وہ بھی اس کے پاس رہے گا۔

حکیم صاحب نے کہا کہ ہم غائبانہ آپ کا جو حال لوگوں سے سنتے تھے، اس سے زیادہ ہم نے آپ کو پایا۔ آپ کا دعویٰ سچا ہے، سوائے آمنا وسلمنا کے ہمارے پاس کوئی جواب نہیں۔

سید صاحب نے حکیم صاحب کو بہت خاطر داری اور عزت وتوقیر سے اپنے اتارا اور مہمانی کی۔ آپ کے لشکر میں ڈوگروں کا ایک جمعدار رنجیت سنگھ کے یہاں سے کسی امر میں ناخوش ہو کر چلا آیا تھا۔ آپ نے اس کو اور پچاس ساٹھ اس کے ساتھ کے ڈوگروں کو نوکر رکھ لیا تھا۔ اس کے نام کا بھی مہاراجہ کا ایک پروانہ حکیم صاحب لائے تھے کہ اپنے لوگوں کے ساتھ ہمارے یہاں چلا آئے۔ حکیم صاحب نے وہ پروانہ اس جمعدار کو دیا اور اپنے ساتھ لے جانا چاہا۔ اس نے آ کر یہ حال حضرت سے عرض کیا۔ آپ نے فرمایا کہ تم کو اختیار ہے، چلے جاؤ۔ جو کچھ اس جمعدار اور اس کے ساتھیوں کی تنخواہ چڑھی تھی، آپ نے سب یہاں سے دلوا دی۔ حکیم عزیز الدین صاحب رخصت ہونے لگے تو آپ نے مہاراجہ رنجیت سنگھ کے نام دعوت اسلام کا مضمون، جو حکیم عزیز الدین صاحب سے زبانی فرمایا تھا، لکھوا دیا۔

Marfat.com

ہندوستان کے آخری مسلمان بادشاہ بہادر شاہ ظفر کا فرنگی کورٹ کے سامنے بیان

میں ہندوستان کا وارث ہوں باغی نہیں، میرے ہی قصر انصاف میں مجھے قیدی بنا کر کھڑا کیا گیا ہے۔ یہ تاریخ کا ایک عبرتناک واقعہ ہے، بحمد اللہ تیمور کی اولاد نے شہادت کی موت قبول کی ہے۔ میں ہندوستان کا شہنشاہ ہوں، باغی نہیں اور میرے خلاف جو فرد جرم لگائی گئی ہے، اس کی صحت سے انکار کرتا ہوں۔

(بہادر شاہ ظفرؒ، تحریک کشمیر سے تحریک ختم نبوت تک: ۲۹۰)

بسم اللہ ہم بھی تیار ہیں

لاہور کا حاکم راجہ رنجیت سنگھ ہر سال اپنے فوجی دستوں کے ذریعہ علاقہ سمہ کے خوانین سے نعل بندی وصول کیا کرتا تھا۔ جب سید احمد شہید نے اس علاقہ میں اسلامی حکومت قائم کی تو یہ سلسلہ رک گیا۔ کچھ عرصہ بعد دربار لاہور نے ایک فرانسیسی جنرل وینٹورا کو نعل بندی وصول کرنے کے لئے بھیجا۔ اس علاقہ کے خوانین سے سابقہ دستور کے مطابق نعل بندی وصول کرنے کا حکم دیا تو امیر المومنین حضرت سید احمد شہید نے جنرل وینٹورا سے خط و کتابت کرتے ہوئے اسلام کی دعوت دیتے ہوئے لکھا کہ اگر تم دعوت قبول کرو گے تو ہمارے بھائی ہو گے، تمہارا ملک تمہیں مبارک رہے، اگر نہیں مانو گے تو ہم تمہارے خلاف جہاد کریں گے۔

اس تحریر کے بعد مولوی خیر الدین کو اپنا وکیل بنا کر گفتگو کے لئے بھیجا۔ مولوی صاحب اس کے پاس گئے اور ملاقات کی۔ وینٹورہ نے مولوی خیر الدین صاحب سے وہی سوال کیا جو سید صاحب سے خط میں دریافت کیا تھا اور جو کچھ سید صاحب نے لکھا تھا وہی مولوی صاحب نے نرمی اور معقولیت کے ساتھ کہا۔ اس کے علاوہ وینٹورہ نے جو کچھ پوچھا، مولوی صاحب نے اس کا معقول جواب دیا۔ آخر اس نے خفا ہو کر کہا کہ یہ ملک ہمارے خالصہ جی کا ہے اور ہم ہمیشہ یہاں کے رئیسوں سے نعل بندی لیتے آئے ہیں اور اب بھی لیں گے، تمہارے واسطے یہی بہتر ہے کہ تم

اس ملک سے کوچ کر جاؤ نہیں تو ہوشیار ہو جاؤ، ہم پنجتار پر آتے ہیں۔

جب اس نے اس طرح سختی سے کلام کیا تو مولوی صاحب نے بھی سپاہیانہ شان سے سختی سے جواب دیا اور کہا کہ تم غلط کہتے ہو کہ ملک ہمارے خالصہ جی کا ہے اور ہم کو یہاں کے رئیس ہمیشہ نعل بندی دیتے رہے۔ یہ ملک یہاں کے مسلمانوں کا ہے، اس میں تمہارے خالصہ جی کا کوئی دعویٰ نہیں، محض ظلم وزیادتی سے تم ان سے نعل بندی لیتے رہے ہو۔ وہ انشاء اللہ تعالیٰ اب کبھی تم کو نعل بندی نہ دیں گے۔ اب تمہارے حق میں یہی بہتر ہے کہ تم اپنی فوج کو لے کر یہاں سے اپنی عملداری میں چلے جاؤ اور تم جو اس پر مغرور ہو کہ ہمارے خالصہ جی کی بہت فوج ہے اور یہ تھوڑے ہیں تو اس بات کا ہم کو بھی خطرہ نہیں، اللہ تعالیٰ کا لشکر بڑا قوی اور غالب ہے، ہمارا اسی پر اعتماد ہے اور جو پنجتار پر حملہ کرنے کا تمہارا خیال ہے، تو بسم اللہ، ہم بھی تیار ہیں۔ (تاریخ دعوت وعزیمت حصہ ششم: ۱۰۲/۲)

اس عرصے میں ونتورا اور لارڈ نے بارہ ہزار سواروں اور پیادوں کے ساتھ پشاور کی نعلبندی (جو گھوڑوں اور بارہ کے چاولوں کی شکل میں سالانہ وصول کی جاتی تھی) وصول کرنے کے لئے کوچ کیا اور دریائے لنڈے کے کنارے ڈیرہ کیا۔ منظورہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ونتورا نے خود اس بات کی خواہش ظاہر کی کہ کوئی قابل اعتماد اور فہیم شخص لشکر مجاہدین سے آ کر اس سے گفتگو کرے۔ سید صاحب نے پہلے حاجی بہادر شاہ خان کو اس کام کے لئے مامور فرمایا اور ان کو ہدایات دیں، پھر مولوی خیر الدین صاحب شیر کوٹی کو اس مہم کے لئے منتخب فرمایا اور ان کے انتخاب پر بہت اطمینان ومسرت کا اظہار فرمایا اور ارشاد ہوا کہ پہلے مجھے ان کا خیال نہیں آیا تھا، حاجی بہادر شاہ خان کو (جو ایک سپاہیانہ مزاج مخلص بزرگ تھے) بہت دیر تک گفتگو کے نشیب وفراز سمجھاتا رہا لیکن طبیعت کو اطمینان نہیں ہوتا تھا۔ اچانک مولوی خیر الدین صاحب سامنے آ گئے تو ذہن ان کی طرف منتقل ہوا کہ یہ اس کام کے لئے بڑے موزوں ہیں۔ آپ نے مولوی صاحب سے فرمایا کہ ونتورا فرانسیسی نے خط لکھا ہے کہ کسی معتبر آدمی کو ہمارے پاس بھیجئے جس کی زبانی ہم کچھ پیغام بھیجیں۔ آپ تشریف لے جایئے اور جو وہ کہے اس کا معقول جواب دیجئے۔

اس کے بعد مولوی ولی محمد صاحب کو ارشاد ہوا کہ ان کے مصارف کے لئے دس روپے دے

Marfat.com

دیجئے اور مولوی خیرالدین صاحب کی سواری کے لئے گھوڑے کا انتظام کر دیجئے۔ مولانا اسماعیل صاحب نے فرمایا کہ حاجی بہادر شاہ خان کو تین روز سمجھانے کی ضرورت پڑی۔ مولوی صاحب کو تین گھنٹے تو ہدایات دینے کی ضرورت پڑے گی۔ ارشاد ہوا کہ ان کو سمجھانے کی ضرورت نہیں۔

ان دونوں حضرات کے ساتھ دس بارہ دوسرے اشخاص کو بھی جن کو ہندوستان جانا تھا، رخصت فرمایا تھا۔ وزیر سنگھ سے ارشاد ہوا کہ ان لوگوں کو دریائے سندھ کے پار کرا دیا جائے۔ ستھانے تک سب ساتھ آئے۔ وہاں سے حکیم صاحب اور وزیر سنگھ لشکر کی طرف چلے گئے اور مولوی خیرالدین صاحب اور حاجی بہادر شاہ خان نے موضع سلیم خان میں قیام کیا اور ونٹورا کو اطلاع کی کہ ہم آپ کی فرمائش کے مطابق حضرت امیر المومنین کے فرستادہ آئے ہیں، ہمارا قیام سلیم خان میں ہے۔ سکھ غیر ذمہ دار لوگ ہیں، ہم کو خود آنے میں تامل ہے کہ ہم سے مزاحمت نہ کی جائے۔ اگر آپ اس کا بندوبست کر سکیں تو ہم آپ کے پاس آئیں۔

دوسرے روز جمعدار وزیر سنگھ پانچ سواروں کے ساتھ طلوع آفتاب کے بعد ہی ونٹورا کا رقعہ لے کر پہنچا، جس میں تحریر تھا کہ آپ بلا دغدغہ تشریف لے آئیے، آپ کو کوئی گزند نہیں پہنچ سکتی۔ مولوی صاحب موصوف اپنے رفقاء کے ساتھ لشکر میں پہنچے۔ لشکر دریا کے دونوں کنارے خیمہ زن تھا۔ آمدورفت کے لئے پل بنا لیا گیا تھا۔ مولوی صاحب اور ان کے ہمراہیوں کا علاقہ سمہ کے ایک ملا کے یہاں (جو سید صاحب کے مریدین میں سے تھے) قیام ہوا۔ وزیر سنگھ نے مہمانوں کی تعداد اور تفصیلات سے ونٹورا کو مطلع کیا۔ وہاں سے دس سیر چاول، دس سیر آٹا، ڈیڑھ سیر گھی، ایک بکرا اور بیس روپے ضیافت کے لئے آئے۔ جب تک ان حضرات کا وہاں قیام رہا، اسی طرح جنس لشکر کی طرف سے دعوت کے لئے آتی رہی۔

دوسرے روز وزیر سنگھ نے آکر اطلاع دی کہ آپ کو صاحب (ونٹورا) بلاتے ہیں۔ مولوی خیرالدین صاحب نے فرمایا، یہ بتلا دو کہ ہم اپنے ہتھیار سمیت آئیں یا ہتھیار رکھ کر۔ اگر ہتھیار سمیت یہاں سے چلیں گے تو ہم اپنے ہتھیار کہیں اور اتار کر نہیں رکھیں گے۔ وزیر سنگھ نے کہا کہ آپ ہتھیار سمیت چلئے۔

خیمے میں پہنچے، تو دیکھا کہ دونوں ولایتی افسر (ونٹورا اور ایلارڈ) اپنی اپنی کرسی پر بیٹھے ہوئے

Marfat.com

ہیں۔ایک چھوٹی میزان کے سامنے رکھی ہے۔ان کی کرسیوں کے علاوہ کوئی اور کرسی خیمے میں نہیں ہے، البتہ ایک عمدہ اور بہت بڑا قالین میز کے نیچے بچھا ہوا ہے۔حاجی بہادر شاہ خان السلام علیٰ من اتبع الھدیٰ کہتے ہوئے داخل ہوئے اور میز کے قریب بیٹھ گئے۔وزیر سنگھ خیمے کے دروازے پر رہا۔اس وقت ویتورا نے اخبار نویس اور حکیم عزیز الدین کو بھی بلا کر وکیلوں کے پاس بٹھایا۔

ویتورا نے سفراء سے خطاب کر کے پچھا کہ آپ میں مولوی کون ہے؟ حاجی صاحب نے مولوی خیر الدین صاحب کی طرف اشارہ کیا۔ویتورا جوان آدمی تھا اور فارسی پر خوب قدرت رکھتا تھا۔اس نے کہا کہ میں آپ سے کچھ علمی گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔مولوی خیر الدین صاحب نے فرمایا کہ اگر گفتگو دینی امور و مسائل میں ہوگی تو صاف اور تلخ جواب سے آزردہ اور برافروختہ نہ ہوں، ورنہ ایسی گفتگو کی ضرورت نہیں۔ ویتورا نے کہا کہ جو کچھ آپ کے دل میں آئے، بے تکلف کہئے، میں برا نہ مانوں گا لیکن جواب عالمانہ ہونا چاہئے، اس لئے کہ میں آپ کے دین سے واقف ہوں، خاص طور پر میں نے آپ کی تاریخ اور دینیات کی کتابیں بہت پڑھی ہیں۔

دوسرا ولایتی افسر (ایلارڈ) جو معمر تھا، کم گو اور خاموش تھا۔ویتورا نے گفتگو شروع کی اور کہا کہ جس زمانے میں ہمارا ڈیرہ حضرو میں تھا، اس زمانے میں ایک فقیر صورت شخص خلیفہ صاحب کی طرف سے ہم سے ملا تھا۔اس نے کہا تھا کہ اگر سرکار خالصہ (مہاراجہ) ملک یوسف زئی کا مالیہ ہماری معرفت وصول کر لیا کرے تو سرکار کو فوج کشی کی تکلیف اور زیر باری سے چھٹی مل جائے اور علاقے کے لوگ سال بسال تاخت و تاراج ہونے اور ویرانی اور آتش زنی کی مصیبت سے بچ جائیں۔ہم کو یہ بات معقول معلوم ہوئی، اس لئے کہ اس میں فریقین کا فائدہ ہے، سرکار کو سرگرانی اور رعیت کو پریشانی سے ہمیشہ کے لئے نجات مل جائے گی۔میں دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ یہ بات صحیح ہے۔؟

مولوی خیر الدین صاحب نے فرمایا کہ یہ بات محض دروغ اور بے اصل ہے۔اس دروغ گو نے محض اپنی جان بچانے کے لئے آپ سے یہ بات بنائی۔خلیفہ صاحب کو کفار کی اطاعت اور ان کو مالیہ دینے سے کیا سروکار؟ اس لئے کہ وہ علاقہ دور دراز میں ملک و جاگیر کے حصول کے لئے

Marfat.com

نہیں آئے۔

وینتورا نے کہا کہ اچھا، اگر ان کو کسی قسم کی طمع نہیں ہے تو اس بے سروسامانی کے ساتھ ایک ایسی ہستی سے کیوں برسر جنگ ہیں جو خزانوں، دفتروں اور فوج اور لشکروں کی مالک ہے؟

مولوی صاحب نے فرمایا کہ آپ نے سنا ہوگا کہ خلیفہ صاحب ہندوستان میں صاحب وجاہت و عزت ہیں، لاکھوں آدمی بڑے فخر و مسرت کے ساتھ آپ کے سلسلہ بیعت میں داخل ہیں۔آپ وہاں امراء عالی مقام کی طرح عیش و آرام کے ساتھ زندگی گزار سکتے تھے، آپ کو ترک وطن اور کوہ گردی کی ضرورت نہ تھی۔

وینتورا نے کہا، ہاں مجھے معلوم ہے کہ خلیفہ صاحب کو یہ سب عیش عزت اپنے مقام پر بھی حاصل تھی اور وہاں کے اہل حکومت آپ کی بڑی عزت و توقیر کرتے تھے۔

مولوی صاحب نے فرمایا کہ ایسی دولت و عزت کو خیر باد کہہ کر سفر کی صعوبتیں اور وطن کی مفارقت اور ایک ایک امید موہوم کے پیچھے دن رات کوہستان میں مشقت کا اختیار کرنا اور بے سروسامانی کے باوجود ایک طاقتور دشمن کے مقابلے کا عزم رکھنا جو ملک و افواج کا مالک ہے، کون دانشمند روا رکھتا ہے؟

اب آپ متوجہ ہو کر سنئے کہ اس کا سبب یہ ہے کہ آپ کو معلوم ہے کہ دین اسلام میں پانچ احکام فرض کا درجہ رکھتے ہیں جن کی ادائیگی کی خداوند عالم کی طرف سے تاکید شدید ہے۔اور وہ نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج اور جہاد ہے۔نماز ہر مسلمان پر فرض ہے، غنی ہو یا فقیر۔اسی طرح روزہ، البتہ زکوٰۃ غنی پر فرض ہے، سال گزرنے پر وہ اپنے مال کا چالیسواں حصہ راہ خدا میں نکالتا ہے۔ان تینوں سے مشکل ترحج کا فریض ہے۔وہ اگرچہ عمر بھر میں غنی پر ایک ہی بار فرض ہے لیکن چونکہ اس کے لئے اکثر سمندر کا سفر کرنا اور اپنے آپ کو خطرات میں ڈالنا اور اپنے خاندان و خانماں سے جدا ہونا ضروری ہوتا ہے اور بھی بہت سی مشقتیں اس سے وابستہ ہیں، اس لئے اکثر مالدار دنیا طلب اس فریضے کی ادائی میں سستی سے کام لیتے ہیں اور اس سعادت سے محروم رہتے ہیں۔اس سلسلے میں آپ نے سنا ہوگا کہ سید صاحب نے بے سروسامانی کے باوجود سیکڑوں آدمیوں کی معیت میں حج کیا اور اس میں ہزاروں روپے صرف ہوئے کہ کسی امیر کبیر کو بھی اس عالی حوصلگی اور دریا دلی

Marfat.com

کے ساتھ حج کرنے اور کرانے کی توفیق نہیں ہوئی۔

ونیتورا نے کہا کہ آپ سچ کہتے ہیں کہ اس شان کے ساتھ اس زمانے میں کسی نے حج نہیں کیا۔

مولوی صاحب نے فرمایا کہ جہاد کی عبادت حج سے بھی دشوار تر ہے۔ وہ دولت کی کثرت اور فراوانی پر بھی موقوف نہیں۔ وہ محض توفیق الٰہی پر منحصر ہے۔ اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل سے کسی کو اس سعادت کے لئے منتخب فرمالیتا ہے۔ انہی مشکلات وخصوصیات کی بنا پر اس عبادت کا ثواب بھی دوسری عبادات کے مقابلے میں زیادہ ہے۔ اس لئے کہ اس عبادت میں جان و مال اور اہل و عیال سے دست بردار ہونا پڑتا ہے۔ یہ بھی یاد رہے کہ جہاد محض ہمارے پیغمبر ﷺ ہی پر فرض نہیں تھا، بلکہ حضرت ابراہیم وموسیٰ وداؤد علیہم السلام پر بھی فرض تھا۔ آپ کو خود تاریخ کی کتابوں سے یہ بات معلوم ہوئی ہوگی۔

ونیتورا نے کہا، جی ہاں۔

مولوی صاحب نے فرمایا کہ چونکہ سید صاحب عنایت الٰہی سے مقبول بارگاہ اور صاحب ارادہ و عالی ہمت بزرگ ہیں، انہوں نے اس فریضہ کی ادائی کا تہیہ کیا۔ اس کی ادائی کی دو شرطیں ہیں۔ ایک یہ کہ جماعت مجاہدین کا کوئی امیر اور امام ہو جس کی ماتحتی میں شرعی طریقے پر جہاد کیا جائے۔ دوسرے یہ کہ کوئی دارالامن ہو جہاں سے اس فریضے کی ابتداء کی جائے۔ ہندوستان میں کوئی دارالامن نہیں ہے۔ وہاں یہ معلوم ہوا کہ قبائل یوسف زئی سکھوں کے ساتھ جہاد کرتے رہتے ہیں، لیکن ان کا کوئی شرعی امیر یا امام نہیں۔ ان کا ملک کوہستان اور جائے امن ہے۔ اس لئے آپ چھ سو اشخاص کے ساتھ اس ملک میں تشریف لائے اور اس ملک کے مسلمانوں کو اس فریضے کی ادائی کی ترغیب دی اور ان کو اس پر آمادہ کیا، یہاں تک کہ ان لوگوں نے آپ کے دست مبارک پر بیعت امامت کرکے آپ کو اپنا سردار بنایا۔ اسی وقت سے آپ کو امام، امیر المومنین اور خلیفہ کے لقب سے موسوم کیا جاتا ہے۔

یہ بھی آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ جہاد جنگ وملک گیری کا نام نہیں ہے۔ جہاد کا شرعی مفہوم یہ ہے کہ اعلاء کلمۃ اللہ، کفار کا زور توڑنے اور ان کے دین ومذہب کی شورش کو دفع کرنے کی امکانی

Marfat.com

کوشش کی جائے۔ یہ بھی یاد رہے کہ جماعت مجاہدین کے امام کے لئے یہ بھی شرط نہیں کہ اس کی تیاریاں اور ساز وسامان دشمن کے ساز وسامان کے مساوی ہو۔ دین کی ترقی اور اس کے سامان کی فراہمی کی کوشش البتہ شرط ہے۔ پس اگر جنگ پیش آجائے اور مصلحت کا تقاضا ہو تو جنگ کی جائے گی اور اگر فتح ہو جائے تو دشمنوں کے مال کو مال غنیمت بنانا اور ان کے زن و فرزند کو اسیر کرنا اور ان کے ملک پر قبضہ کر لینا بھی روا ہے۔ بہر حال اصل مقصود ترقی دین ہے، فتوحات اس کا ثمرہ ہیں۔ بلکہ اعلیٰ درجے کی فتح یہ ہے کہ جب تک جان میں جان ہے، غازی و مجاہد ہی رہیں۔ جن کے فضائل اور مراتب و مناقب قرآن مجید میں واضح اور مفصل طریقے پر بیان کیے گئے ہیں۔ اور اگر کفار کے ہاتھ سے خدا شہادت نصیب فرمائے تو زہے نصیب! رسالت کے بعد اس مرتبے سے بڑھ کر کوئی مرتبہ ہی نہیں۔

وینتورا نے کہا، ہاں بے شک آپ کے مذہب میں شہید کا بڑا مرتبہ ہے۔

مولوی صاحب نے فرمایا کہ آپ پر بڑا تعجب ہے کہ آپ نے ابھی اقرار کیا تھا کہ تمام پیغمبروں نے اپنے اپنے زمانے میں جہاد کیا، پھر آپ یہ کہتے ہیں کہ تمہارے مذہب میں۔ بھلا تمہارے مذہب کی اس قید کی کیا ضرورت تھی؟ آپ کو تو یہ کہنا چاہئے تھا کہ پیغمبروں کے یہاں یہ عبادت اعلیٰ مرتبے کی ہے۔

وینتورا نے کہا کہ میں نے یہ مانا، لیکن یہ بات عقل کے خلاف معلوم ہوتی ہے کہ اس بے سروسامانی کے ساتھ کہ خلیفہ صاحب کے پاس نہ افواج ہیں، نہ توپ خانہ، نہ سرمایہ، نہ ملک۔ لیکن ان کے عزائم یہ ہیں۔

مولوی صاحب نے فرمایا کہ ہاں اہل دنیا کو فوج، توپ اور خزانوں پر اعتقاد ہوتا ہے۔ اور ہم کو اللہ تعالیٰ کی قوت و قدرت پر توکل و اعتماد۔ ہم نہ فتح کا دعویٰ کرتے ہیں، نہ شکست سے ملول ہوتے ہیں۔ یہ دونوں چیزیں اللہ تعالیٰ کے دست قدرت میں ہیں۔ ہمارا عقیدہ ہے کہ:

كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةً بِاِذْنِ اللّٰهِ۔ (البقرۃ: ۲۴۹)

اگر آپ کو اس سے انکار ہے تو آپ کی تاریخ دانی کا دعویٰ غلط ہے۔ اس لئے کہ کتب تاریخ سے ثابت ہے کہ بہت سے زبردست و سرکش اور کثیر التعداد گروہ حقیر و کمزور لوگوں کے ہاتھوں

Marfat.com

سے زیر و پامال ہوئے۔ خصوصاً جب کہ ضعفاء اللہ تعالیٰ کے دین کی حمایت و نصرت کے لئے کمر بستہ ہوتے ہیں۔ چنانچہ پیغمبروں کو بھی ایسے معاملات پیش آئے جو تاریخ کی کتابوں میں مذکور ہیں۔ کسی پیغمبر کے پاس بھی خزانہ، توپ اور فوج نہ تھی۔ تھوڑے پیرووں کے ساتھ جو غریب و فقیر تھے، انہوں نے بڑے بڑے زبردستوں اور گردن فرازوں کو خاک میں ملا دیا۔ ان کے جانشینوں اور نائبین نے بھی عظیم الشان سلطنتوں کو درہم برہم کر دیا۔ اس سلسلے میں زیادہ کہنے کی ضرورت نہیں۔ آپ خود تاریخ دان ہیں، تاریخ کی کتابیں خود رہنمائی کرنے کے لئے کافی ہیں۔

اس موقع پر جنرل ایلارڈ نے کہا کہ یہ نہیں ہوا کرتا کہ بے سروسامان صاحب ساز و سامان کے مقابلے میں اور غیر مسلح مسلح کے مقابلے میں کامیاب ہوں۔

ویتورا نے کہا کہ نہیں مولوی صاحب صحیح کہتے ہیں کہ بڑوں نے چھوٹوں کے ہاتھوں شکست کھائی۔

ویتورا نے کہا، دیکھئے یہ ساری فوج پنجتار کا رخ کرے گی۔

مولوی صاحب نے کہا کہ پنجتار میں تو ہم آپ کے قابو میں نہیں آئیں گے، اس لئے کہ خلیفہ صاحب اس وقت امب میں ہیں اور وہ مقام آپ کا دیکھا ہوا ہے کہ ایک طرف تو اس کے غیبی خندق ہے یعنی دریائے سندھ، جس کا عبور کرنا نہایت دشوار ہے۔ دوسری جانب سمہ کا غیبی حصار ہے، یعنی ایسے دشوار گزار پہاڑ کہ اگر کسی درے پر دس بندوقچی بھی بیٹھ جائیں تو آپ کی یہ ساری فوج، بلکہ اگر ایسی ہی دوسری فوج بھی ہو، تو اس سے گزر نہیں سکتی۔

ویتورا نے کہا کہ صحیح ہے، امب سخت مقام ہے لیکن میں تو پنجتار جانے کا ذکر کرتا ہوں۔ مولوی صاحب نے فرمایا کہ پنجتار کیا چیز ہے اور وہاں فوج کشی کرنے سے کیا ملے گا؟ فتح خان نے اپنی قوم کی ایک جماعت کثیرہ کو جمع کیا ہے اور مولانا محمد اسماعیل صاحب کو اپنی تقویت کے لئے طلب کیا ہے۔ مولانا ایک جماعت مجاہدین اپنے ساتھ رکھتے ہیں۔ سب ملا کر دس بارہ ہزار آدمی وہاں جمع ہیں۔ اس کے علاوہ پنجتار میں عورتیں، بچے اور کھیتی باڑی کچھ نہیں ہے جس کے تاراج و سوخت ہو جانے کا خطرہ ہو۔ اگر فتح کے آثار نظر آئیں گے اور دشمن پر غلبے کی امید ہو گی تو کیا کہنا، ورنہ

Marfat.com

ایک پہاڑ کو چھوڑ کر دوسرے پہاڑ کی چوٹی پر چلے جائیں گے۔ بہر حال آپ کو ہمیں نقصان پہنچانے کی قدرت نہیں۔ اس کے علاوہ پنجتار آپ کا دیکھا ہوا ہے کہ تین کوس تک دونوں جانب پہاڑوں کا سلسلہ ہے، اس کے بعد پنجتار واقع ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ نے ہم کو ثابت قدمی عطا فرمائی اور تمہارے قدم ڈگمگائے تو یہ سوچ لینا چاہئے کہ تمہارا اس درے سے گزر کر نکل جانا کتنا دشوار ہو گا۔ اس وقت اس پہاڑ کی عورتیں اور بچے تمہارے گھوڑوں اور ہتھیاروں پر قبضہ کر لیں گے۔ پہلے اپنے متعلق غور کر لینا چاہئے پھر پنجتار کا رخ کرنا چاہئے۔ پرانی مثل ہے کہ کہیں داخل ہونے سے پہلے نکلنے کا بندوبست سوچ لینا چاہئے۔

ونتورا نے کہا کہ بات تو اور ہو رہی تھی، ہم بات کرتے کرتے کہیں اور پہنچ گئے۔ ہم کو خلیفہ صاحب سے بہت محبت ہے، اس وجہ سے میں مہاراجہ کی سرکار میں بدنام ہوں، لیکن جنگ کے موقع پر یہ محبت کچھ کام نہ آئے گی۔

مولوی صاحب نے فرمایا کہ آپ نے ٹھیک کہا، اگر آپ نے کچھ رعایت کی تو اپنی سرکار میں نمک حرام کہلائیں گے۔

ونتورا نے کہا، میری صرف اتنی خواہش ہے کہ میرے اور خلیفہ صاحب کے درمیان تحفہ تحائف کی رسم جاری ہو جائے۔ پہلے میں کوئی چیز بھیجوں، پھر خلیفہ صاحب کوئی تحفہ بھیج دیں تاکہ یہاں سے واپس جانے کے لئے مجھے کوئی عذر مل جائے۔ اس کے بعد خلیفہ صاحب کو یوسف زئیوں کے ملک کا اختیار ہے جو چاہیں کریں۔ خالصہ کی فوج پھر اس ملک پر کبھی نہ آئے گی۔

مولوی صاحب نے فرمایا کہ خلیفہ صاحب کو تمہاری محبت اور دوستی سے کوئی غرض نہیں۔ اگر آپ کو غرض ہو تو پہلے آپ سلسلہ جنبانی کریں، خلیفہ صاحب بڑے بلند حوصلہ اور عالی ہمت ہیں، وہ آپ کے تحفوں کا جواب ضرور دیں گے لیکن خلیفہ صاحب کی سرکار کا تحفہ یہی ہے کہ کسی کو سربند کسی کو کلاہ اور کسی کسی کو جبہ بھی عنایت فرماتے ہیں۔ ان کی سرکار میں ہتھیار بھی بڑے بڑے بیش قیمت ہیں، تعجب نہیں کہ ان میں سے بھی کچھ عنایت فرمائیں۔

ونتورا نے کہا کہ سربند اور کلاہ کو ہم کیا کریں گے؟ ہاں اگر تحائف کے عوض میں ایک گھوڑا خلیفہ صاحب عنایت فرما دیں تو معقول بات ہوگی۔

Marfat.com

مولوی صاحب نے کہا کہ میں آپ کا مطلب سمجھا، ہم آپ کو گھوڑا ہرگز نہ دیں گے۔

ونتورا نے کہا کہ آپ انکار کر رہے ہیں۔ آپ خلیفہ صاحب کو لکھئے، وہ عقلمند ہیں، وہ اس تجویز کو پسند فرمائیں گے، اس کے لئے دوراندیشی کی ضرورت ہے۔

اس وقت حکیم صاحب، اخبار نویس، بلکہ حاجی بہادر شاہ خان تک نے مولوی صاحب کو اشارہ کیا کہ ونتورا جو کچھ کہہ رہا ہے، اس کو قبول کرلیں۔ مگر مولوی صاحب اپنی عقل دوراندیش سے معاملے کی تہہ تک پہنچ چکے تھے۔ (ونتورا کا مقصد یہ تھا کہ کسی طرح سید صاحب تحفے میں ایک گھوڑا ونتورا کے پاس بھیج دیں اور وہ اور مہاراجہ کی حکومت لوگوں میں مشہور کر سکے کہ سید صاحب نے نعلبندی دے کر مہاراجہ کی حکومت کا باجگزار اور علاقہ دار ہونا منظور کرلیا۔ مولوی خیر الدین صاحب اس نکتے کو سمجھتے تھے، اس لئے وہ کسی طرح گھوڑے کے تحفے کا اقرار نہیں کرنا چاہتے تھے)۔ مولوی صاحب نے فرمایا کہ یہ بات اس کے لئے تو مناسب ہے جو ملک اور جاگیر پر قابض ہو، لیکن اس شخص کے لئے مناسب نہیں جس نے جہاد محض اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے شروع کیا ہو۔ جس طرح جو شخص نماز، روزہ اور دوسرے اعمال صالحہ محض خلق اللہ میں بزرگی حاصل کرنے کے لئے کرے، عذاب و وبال کا مستحق ہوتا ہے، اسی طرح جہاد فساد نیت کے ساتھ موجب وبال ہے۔ میں ایسی بات خلیفہ صاحب کو نہیں لکھ سکتا۔ اس نیت میں ہم اور خلیفہ صاحب یکساں ہیں۔ فرق اتنا ہے کہ ہم نے ان کو اپنا امام قرار دیا ہے اس لئے کہ امام کا تقرر شرائط جہاد میں سے ہے جو چیز جہاد کے ثواب کو باطل کرنے والی ہے، اس کے انکار میں ہم اور خلیفہ صاحب برابر ہیں۔

ونتورا نے دو تین بار یہی بات دہرائی۔ مولوی صاحب نے فرمایا کہ اس بات کو بار بار دہرانے سے کچھ فائدہ نہیں۔ گھوڑا تو گھوڑا ہے، ہم تو گدھا بھی تم کو نہیں دیں گے۔ ہمارا ارادہ تو خود آپ سے جزیہ اور خراج لینے کا ہے، ہم آپ کو خراج کیا دیں گے؟

ونتورا نے کہا کہ اگر خلیفہ صاحب اپنی کرامت سے اس بے سروسامانی اور قلت فوج کیساتھ ایسی صاحب حشمت و جاہ سرکار پر فتحیاب ہو جائیں، اس صورت میں ہم سرکار خالصہ کو چھوڑ کر خلیفہ صاحب کی طرف رجوع کرلیں گے۔ مولوی صاحب نے فرمایا کہ میں خلیفہ صاحب کا حال تم سے

Marfat.com

کیا کہوں، آپ نے خود دیکھا نہیں، اگر ملاقات کا حوصلہ ہو تو تیار ہو جایئے، انشاءاللہ آپ ان کی گفتگو سن کر سوائے آمنا وصدقنا کہنے کے اور کچھ نہ کہیں گے۔

یہ سن کر ویٹورا نے کہا، نہیں نہیں۔ پھر وہ تھوڑی دیر خاموش رہا۔ اس کے بعد کہا کہ اگر آپ کو اس مضمون کے لکھ کر بھیجنے میں عذر ہے تو زبانی آپ یہ پیغام پہنچادیں گے؟ مولوی صاحب نے فرمایا کہ آپ کے کچھ کہنے پر منحصر نہیں، میں ذرہ برابر بھی ان سے کوئی بات نہیں چھپاؤں گا اور ساری گفتگو بے کم وکاست نقل کردوں گا۔

ویٹورا نے کہا کہ اس کے بعد جو آپ ارشاد فرمائیں، وہ حضرو ہم تک پہنچادیں۔ مولوی صاحب نے فرمایا کہ جواب کا پہنچانا یا نہ پہنچانا ہمارے اختیار میں نہیں، یہ خلیفہ صاحب کی رائے اور حکم پر منحصر ہے، اس وجہ سے میں اس کا وعدہ نہیں کرتا۔

ویٹورا نے کہا کہ آپ نیمیر ے سامنے جو کچھ کہا ہے، کیا آپ کھڑک سنگھ کے سامنے بھی کہہ دیں گے؟ مولوی صاحب نے فرمایا کہ کچھ آگے بڑھ کر کہوں گا۔

بات یہاں تک پہنچی تھی کہ ویٹورا نے کہا کہ آپ اس وقت تشریف لے جائیں، ہم پھر کسی اور وقت بلائیں گے۔ (تاریخ دعوت وعزیمت حصہ ششم جلد۲ ص ۲۱۸ تا ۲۲۹)

انگریز افسر کی صورت دیکھنے سے انکار

۱۸۵۷ء/۱۲۷۴ھ میں ہندوستان کے مسلمانوں نے ملک گیر پیمانے پر انقلاب برپا کر کے ملک سے انگریزوں کو کھدیڑنے کا پروگرام بنایا۔ کچھ مجبوریوں کی وجہ سے ہندوستان کے غیر مسلموں پر بھی بھروسہ کرنا پڑا۔ اپنی فطرت کے مطابق ان میں سے اکثر نے مسلمانوں کو دھوکہ دیا جس کے نتیجہ میں یہ تحریک ناکام ہوگئی۔ اس کا ردعمل یہ ہوا کہ مسلمانوں پر قیامت ٹوٹ پڑی۔ کوئی ظلم ایسا نہ تھا جو ان پر نہ توڑا گیا ہو۔ بس مسلمان ہونے کے جرم میں ہزاروں لوگ موت کے گھاٹ اتار دیئے گئے۔ گھوڑوں کے پیچھے باندھ کر زندہ گھسیٹے گئے۔ ہاتھیوں کے پیروں میں کچلے گئے۔ اقتصادی اور معاشی اعتبار سے مفلس کر دیئے گئے اور جبراً عیسائی بنائے گئے۔

ان تمام مظالم کے باوجود بھی ہندوستان میں ایسے مسلمانوں کی کمی نہ تھی جنہوں نے حق گوئی،

Marfat.com

بیباکی اور بے خوفی کو اپنا شعار بنائے رکھا۔ مولانا محمد اسماعیل کاندھلویؒ ایسے ہی بزرگ تھے۔ ۱۸۵۷ء کے غدر کے چند دن بعد کاندھلہ میں ایک اراضی پر کچھ ہندوؤں اور مسلمانوں میں تنازعہ اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کے نتیجہ میں دونوں فریقوں میں لڑائی ٹھن گئی۔ اس تنازعہ میں مصالحت کرانے کیلئے ضلع کے صدر مقام سہارنپور سے ایک انگریز افسر آیا۔ اس نے کہا، مولانا جو فیصلہ کریں گے وہی قابل قبول ہوگا۔

چنانچہ ان کو بلانے کے لئے آدمی بھیجا گیا تو انہوں نے کہا، میں اس شرط پر وہاں آسکتا ہوں کہ انگریز افسر کی صورت نہیں دیکھوں گا۔

غرض ایسا ہی ہوا۔ موقع پر پہنچ کر وہ انگریز افسر کی طرف پیٹھ کر کے کھڑے ہو گئے اور یہ فیصلہ دیا کہ ''متنازعہ اراضی ہندوؤں کی ہے اور اس پر مسلمانوں کا دعویٰ غلط ہے۔''

اس فیصلہ سے علاقہ کے ہندو اتنے متاثر ہوئے کہ اسی شام چوبیس خاندانوں نے اسلام قبول کرلیا۔ (احسان دانش نے بیان کیا بحوالہ مردان حق ۳۰۷)

بدیع الزمان نورسیؒ کی حق گوئی و بیباکی کی داستان

ترکی کے حق گو عالم بدیع الزمان نورسیؒ (۱۸۷۶ء تا ۱۹۵۹ء) ایک بار قبیلہ میرا کے سردار مصطفیٰ پاشا کے پاس گئے۔ وہ بڑا ظالم اور حقوق اللہ اور حقوق العباد کو پامال کرنے میں دلیر تھا۔ پاشا نے پوچھا، یہاں کیسے آیا ہے؟

بدیع الزمان نے بلاخوف جواب دیا، تیری ہدایت کے لئے آیا ہوں، یا تو تو حق بات سن اور اس کی اطاعت کر اور یا پھر میں تیرا کام تمام کردوں گا۔

غصہ میں پاشا کی رگیں پھول گئیں اور بدیع الزماں کے ہاتھ میں تلوار دیکھ کر کہنے لگا، اس ردی تلوار سے تو مجھے قتل کرے گا؟

بدیع الزمان نے کہا، کاٹنے والی تلوار نہیں ہوگی، کاٹنے والا میرا ہاتھ ہوگا۔

پاشا نے غضبناک ہوکر کہا، اس جزیرے کے اندر میرے پاس علماء کا کثیر گروہ رہتا ہے، اگر تو اپنی رائے ان سے منوالے تو میں تیری باتوں کو تسلیم کرلوں گا، ورنہ میں تجھے دریائے فرات کی

نذر کردوں گا۔

بدیع الزمانؒ نے فرمایا، یہ میری ذمہ داری نہیں کہ میں تمام علماء کو اپنی کسی رائے کا پابند کر سکوں۔ اور نہ تیری یہ شرط درست ہے کہ اگر وہ تسلیم نہ کریں تو مجھے دریا میں پھینک دے۔ البتہ میں یہ چاہتا ہوں کہ اگر میں نے علماء کے سوالوں کا صحیح جواب دے دیا تو اس کے صلے میں تو اپنی بندوق میرے حوالے کر دے گا، پھر اگر تو نے میری نصیحت قبول نہ کی تو اسی بندوق سے تیری خبر لے لی جائے گی۔

مصطفیٰ پاشا نے تمام علماء کو جمع کیا، باہم بحث و مذاکرہ ہوا اور آخر کار میدان بدیع الزمانؒ کے ہاتھ میں رہا۔ پاشا نے بدیع الزماں کے علم و بصیرت اور حق پرستی کو دیکھ کر توبہ کی اور ان کا حلقہ بگوش ہو گیا۔

بدیع الزمان نے ترکی میں اسلامی شریعت کا نفاذ چاہا اور ''اتحاد محمدی'' نامی جماعت بنائی۔ ۱۹۰۹ء ۱۳۲۷ھ میں ان کے مخالفین نے انہیں مع ان کے ساتھیوں کے گرفتار کیا۔ ۱۹ ساتھیوں کو موت کی سزا دی۔ دوران مقدمہ عدالت کے صدر خورشید پاشا نے پندرہ آدمیوں کو موت کا فیصلہ سنانے کے بعد بدیع الزمانؒ کی طرف متوجہ ہو کر پوچھا، کیا آپ بھی اسلام کا نفاذ چاہتے ہیں؟

بدیع الزمانؒ نے عدالت کے روبرو بلا خوف کہا:

> اگر میری ہزار جانیں ہوتیں تو میں انہیں اسلام کے لامتناہی حقائق میں سے ایک حقیقت پر بھی قربان کر دینے میں پس و پیش نہ کرتا۔ میں نے پہلے بھی کہا تھا کہ میں تو ایک طالب حق ہوں۔ میں ہر چیز کو شریعت کی میزان پر تولوں گا۔ میں ایسی کسی بات کو تسلیم نہیں کروں گا جو اسلام سے خارج ہو۔ میں اس وقت اس برزخ کے سامنے جسے تم لوگ جیل کہتے ہو، کھڑا ہوں اور اس گاڑی کے انتظار میں ہوں جو مجھے آخرت کی جانب لے جائے اور میں جو کچھ تمہیں کہہ رہا ہوں، یہ اس لئے نہیں کہ صرف تم اسے سن لو بلکہ اس لئے کہ یہ تمام دنیا کے علم میں آجائے۔
>
> میں سفر آخرت کے لئے پورے شوق کے ساتھ تیرا کھڑا ہوں اور لوگوں کی

معیت کے لئے حاضر ہوں جو سولی پر چڑھائے جا چکے ہیں۔تم اس بدوی کا تصور کرو جسے استنبول کی باتیں سن سن کر استنبول دیکھنے کا شوق پیدا ہو گیا تھا۔ مجھے بھی اس بدوی کی طرح آخرت میں پہنچنے کا شوق ہے۔تم لوگوں کا مجھے جگہ جگہ جلاوطن کر دینا کوئی سزا نہیں ہے، اگر تمہارے اندر استطاعت ہے تو میرے افکار کو سزا دو۔

حکومت استبداد میں عقل کی دشمن تھی اور اب زندگی کی دشمن ہے۔اگر حکومت کا یہی ڈھنگ رہا تو پھر اے جنوں زندہ باد، اے موت زندہ باد اور ظالموں کے لئے جہنم زندہ باد..........

دوسرے دن ان کے بیان کے شائع ہوتے ہی ہزاروں لوگوں نے عدالت کی عمارت کو گھیر لیا اور حکومت کے خلاف نعرے لگائے۔اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس مرد مجاہد کو کچھ مدت کے لئے جیل میں رکھا گیا پھر جلد ہی رہا کر دیا گیا۔

پہلی جنگ عظیم کے دوران میں بدیع الزمانؒ رضا کارانہ طور پر فوج میں شامل ہو گئے اور اونچے فوجی عہدہ پر متعین ہوئے۔دن کو جنگ کرتے اور شام کو قرآن کریم کا درس دیتے۔اس جنگ میں بدیع الزمانؒ روسی فوجوں کے ہاتھوں گرفتار ہو گئے۔قیدیوں کے کیمپ میں مقید تھے، ایک روز ایک روسی کمانڈر کیمپ میں داخل ہوا، اسے دیکھ کر تمام قیدی کھڑے ہو گئے۔مگر بدیع الزمانؒ نے اس کی طرف نگاہ تک نہ اٹھائی۔کمانڈر نے ان کو مخاطب کر کے کہا، شاید تم مجھے نہیں پہچانتے؟ بدیع الزمان نے کہا، میں پہچانتا ہوں، تمہیں نکولس کہا جاتا ہے۔

کمانڈر: اگر تم نے جانتے بوجھتے یہ حرکت کی ہے تو تم نے عظمت روس کی توہین کی ہے۔

بدیع الزمان: یہ بات نہیں ہے بلکہ جس خدا پر میرا ایمان ہے اس کا فیصلہ ہے کہ اہل ایمان دوسروں سے برتر ہوں اور یہی چیز میرے کھڑے ہونے میں مانع ہے۔

اس گستاخی کے جرم میں بدیع الزمان کو ملٹری کورٹ کی طرف سے موت کی سزا سنائی گئی اور جب آپ کو پھانسی کے تختہ پر لے جایا گیا تو یکا یک وہی کمانڈر آگے بڑھا اور کہنے لگا، میں تیرے اس دین کا احترام کرتا ہوں جس نے تجھے اس حد تک خوددار بنایا ہے۔ اور بدیع الزمان کی سزا

Marfat.com

معاف کردی۔

۱۳۳۸ھ ۱۹۲۰ء میں ترکی کے صدر مملکت کمال پاشا نے بدیع الزمانؒ کو اعزاز و تکریم کے ساتھ انقرہ بلایا اور جشن آزادی میں شریک ہونے کی دعوت دی۔ جب بدیع الزمانؒ انقرہ پہنچے تو جشن آزادی میں اسلامی شریعت کے خلاف حرکات کو دیکھ کر اس جشن سے دور رہے بلکہ چند روز بعد انقرہ سے واپس چلے گئے اور ایک طویل بیان پارلیمنٹ کے ممبران کے نام بھیجا۔ اس بیان کی پیشانی پر یہ جملہ درج تھا:

پارلیمنٹ کے ممبرو! یاد رکھو ایک دن تمہیں خدا کے حضور حاضر ہونا ہے

اور اس بیان میں دس نکات پر مشتمل ہدایات اور نصائح اور ایوان کے ممبروں کو خدا خوفی کی تلقین کی۔ پارلیمنٹ کا صدر خود کمال پاشا تھا۔ اسمبلی میں اس بیان کو کاظم قرہ بکر نے پڑھ کر سنایا۔ اس کا اس قدر اثر ہوا کہ پارلیمنٹ کے ساٹھ ارکان نے اسی وقت دین کا راستہ اختیار کرنے اور نماز قائم کرنے کا عہد کیا۔

مصطفیٰ کمال نے بدیع الزمانؒ کو دوبارہ بلوایا اور اسمبلی میں ان سے بحث کرتے ہوئے کہا، بلاشبہ ہم آپ جیسے لائق استاد کے محتاج ہیں۔ ہم نے آپ کے بہترین خیالات سے استفادہ کے لئے آپ کو یہاں بلایا تھا لیکن آپ نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ نماز کی بات چھیڑ دی اور اس طرح آپ نے ابتداء ہی میں اس ایوان کے اندر تفرقہ اندازی شروع کر دی۔

بدیع الزمان نے انگلی سے اشارہ کرتے ہوئے پرجوش لہجے میں جواب دیا:

پاشا صاحب! دعوائے اسلام کے بعد سب سے پہلے جو علامت ایک مسلمان کی زندگی میں نمایاں ہوتی ہے وہ نماز ہے۔ جو نماز نہیں پڑھتا وہ باغی اور باغی کی حکومت ناقابل تسلیم ہے۔

یہ جواب سن کر اور نزاکت حالات دیکھ کر مصطفیٰ کمال کو معافی مانگنی پڑی۔

بدیع الزمانؒ ہمیشہ مصطفیٰ کمال کو نصیحت کرتے رہے۔ لیکن کمال نے ان کی کسی بات کو قبول نہ کیا بلکہ انہیں خریدنے کے لئے اناطول کے پروے مشرقی علاقہ کا رئیس المبلغین بنا دیا۔ جامعہ دارالحکومت کی صدارتی کونسل کا ممبر مقرر کر دیا اور رہائش کے لئے ایک عظیم الشان کوٹھی پیش کی مگر

بدیع الزمانؒ نے جوان تمام نوازشوں کا مطلب خوب سمجھتے تھے، کسی چیز کو قبول نہ کیا بلکہ تھوڑے عرصے کے بعد انقرہ چھوڑ کر وان چلے گئے۔

بدیع الزمانؒ کا رسالہ "نور" اور ان کی جماعت مختلف علاقوں میں جب پھیلنے لگی تو مصطفیٰ کمال کے لئے ایک لادین معاشرہ وجود میں لانے کے لئے پہلا روڑا ثابت ہوئی۔ چنانچہ مصطفیٰ کمال نے بدیع الزمان کو اسپارٹا کے ایک دور افتادہ علاقے بارلا میں جلاوطن کر دیا۔ وہاں موصوف کو شدید پہروں کے ساتھ تنہا آٹھ سال قید رکھا گیا۔ جیل میں اپنا کھانا خود تیار کرنا پڑتا۔ اپنے کپڑے خود دھونے پڑتے اور سارے کام خود کرنے پڑتے۔ اس کے باوجود ان کی حق گوئی اور رسالہ نور کی روشنی پھیلتی رہی تو مصطفیٰ کمال نے ان کو مع ان کے ایک سو بیس طلبہ کے سخت پہروں کے ساتھ اس کی شہر کی جیل میں منتقل کروا دیا۔ اور وہاں ان پر ایک خفیہ تنظیم کے قیام اور حکومت کا تختہ الٹنے کے الزام میں مقدمہ دائر کر دیا۔ اس عدالتی مقدمہ کے دوران عدالت کے سامنے بدیع الزمان نے کہا:

حاکمان محترم! مجھے یہاں اس الزام میں لایا گیا ہے کہ میں قدامت پرست ہوں، دین کے پردے میں امن عامہ میں خلل ڈالتا ہوں۔ میری عرض یہ ہے کہ کیا کسی فعل کے ممکن الوقوع ہونے سے یہ نتیجہ اخذ کرنا درست ہے کہ وہ ضرور وقوع پذیر بھی ہوگا۔ لہذا اس پر سزا کا فیصلہ کر ڈالا جائے۔ مثلاً دیا سلائی کے اندر ایک گھر کو جلا دینے کا امکان پایا جاتا ہے لیکن اس امکان محض سے کسی جرم کے ارتکاب کا فیصلہ نہیں دیا جا سکتا۔ اسی طرح تعلیمات چاہے جو اثر بھی رکھتی ہوں لیکن ان میں میرا انہماک صرف رضائے الٰہی ہے، اس کے ماسوا اور کوئی غرض پیش نظر نہیں ہے۔

آپ حضرات یہ اعتراض کرتے ہیں کہ میں جو کچھ کام کر رہا ہوں یہ سرکاری حیثیت سے نہیں ہے اور درس و تدریس کے کام کے لئے حکومت کا ایک خاص محکمہ مقرر ہے۔ لہذا پہلے مجھے اس سے لائسنس حاصل کرنا چاہئے۔ لیکن میں گزارش کروں گا کہ اگر تمام قبروں کے دروازے مقفل کر دیئے گئے ہوتے اور

Marfat.com

موت کا وجود دنیا سے معدوم کر دیا گیا ہوتا تب تو درس و تدریس کی اجازت کا انحصار صرف تمہارے محکمہ پر درست ہوتا۔ مگر یہ دو ہزار جنازے (اپنے فدا کار ساتھیوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) ہر روز موت کے دروازے پر دست دے رہے ہیں اور اموات کے فیصلے کے منتظر ہیں۔ یہاں دوسرے بہت سے فرائض وواجبات ادا کرنے باقی ہیں جو ان کاموں سے زیادہ اہم ہیں جو تمہارے محکمے کے پیش نظر ہیں۔

تحقیقات کے بعد حکومت کو ان کے خلاف کوئی ثبوت نہ مل سکا۔ تاہم گیارہ ماہ کی قید کی سزا دی گئی۔ ابھی مدت ختم ہی ہوئی تھی کہ آپ کو کاستامون کے صوبہ میں نظر بند کر دیا گیا۔

بدیع الزمان کا رسالہ ''نور'' جو حکومت کی کڑی نگاہ کے باوجود خفیہ طور پر نقل ہو کر ہزاروں کی تعداد میں پھیلتا رہا۔ حکومت کے لئے وبال جان بن گیا۔ پھر مصطفیٰ کمال نے خفیہ اجلاس بلوایا اور فیصلہ ہوا کہ بدیع الزمان پر دوبارہ خفیہ تنظیم قائم کرنے، انقلابی حکومت کو نقصان پہنچانے اور مصطفیٰ کمال کو دجال کہنے کے الزام میں مقدمہ چلایا جائے۔ پھر رسالہ نور کی جانچ پڑتال کے لئے ایک انکوائری بورڈ کی تشکیل دی گئی جو یہ معلوم کرے کہ اس رسالہ کے ذریعہ حکومت کے خلاف کیا کیا جاتا ہے۔

بدیع الزمانؒ نے انکوائری بورڈ کے سامنے کہا:

جی ہاں، ہم ایک جمعیت ہیں۔ یہ وہ جمعیت ہے جو ہر دور میں پینتالیس کروڑ افراد پر مشتمل رہی ہے۔ یہ ۴۵ کروڑ ارکان ہر روز پانچ مرتبہ اپنی جمعیت کے مقدس دستور سے کامل وابستگی اور وفاداری کا اعلان کرتے ہیں۔

تم لوگ رسالہ ''نور'' کی تحریک کس بنیاد پر روک سکتے ہو؟ حالانکہ یہ تحریک سراسر قرآن کے حقائق واحکام کی خدمت ہے اور قرآن ایک ایسی اٹل حقیقت ہے جو خدائے برتر کے عرش عظیم سے مربوط ہے۔

تم لوگوں نے جو سیکولر جمہوریت کے علمبردار ہو، ہر قسم کی غنڈہ گردی، اخلاقی بدکرداری اور وجدان وفکر کی آزادی کی آڑ میں خدا اور کائنات پر طرح طرح کی

Marfat.com

افترا پردازی کی کھلی چھٹی دے رکھی ہے لیکن جب کبھی قرآن کی کسی آیت کی تفسیر بیان کی جاتی ہے اور اس کے حقائق و رموز بیان کئے جاتے ہیں تو تم واویلا مچانے لگتے ہو کہ یہ خفیہ تنظیم ہے، یہ سیاسی شغل ہے، یہ ملک وملت کے لئے خطرہ ہے۔

تم سر مٹکا مٹکا کر کہتے ہو، میری مذہبی سرگرمیاں موقع پرستی پر مبنی ہیں اور امن عامہ میں خلل ڈالنے کے لئے ہیں لیکن میں جواب میں کہوں گا کہ تمہارا یہ دعویٰ خود موقع پرستی پر مبنی ہے اور امن عامہ کے تحفظ کی آڑ میں دین کو ملیامیٹ کرنے کے لئے ہے۔

اے دین کو دنیا کی عوض بیچنے والو! اور اے کفر صریح میں غرق ہو جانے والو! اللہ نے مجھے جتنی قوت عطا کی ہے میں اس کے بل پر تم سے صاف کہتا ہوں، تم جو کچھ کر سکتے ہو کرلو، ہماری آخری آرزو یہ ہے کہ ہم اسلام کے حقائق میں سے ایک معمولی حقیقت کی خاطر بھی اپنے سر کٹوا دیں۔

تحقیقاتی عدالت نے انہیں بے گناہ قرار دیا۔ لیکن انہیں صوبہ آفیون کے تعلقہ امیر باغ میں جلاوطن کر دیا گیا۔ بدیع الزمانؒ کو پھر حکومت کے خلاف خفیہ تنظیم قائم کرنے کے جرم میں گرفتار کرلیا گیا اور پھر مقدمہ چلایا گیا۔ جو مقدمہ آفیون کے نام سے مشہور ہے۔ عدالت نے ۲۰ ماہ کی قید سنائی۔ آخر اپنی زندگی کی طویل کشمکش کے بعد ۲۷ رمضان المبارک ۱۳۷۹ھ ۱۹۵۹ء میں اسپارٹا میں ایام جلاوطنی کے دوران ان کی وفات ہوئی۔

بدیع الزمان نے اپنے ایک خط میں تین عدالتوں کی طرف سے بری کر دیئے جانے کے باوجود اپنی شہری آزادی کے سلب کئے جانے پر احتجاج کیا۔ یہ خط جیل سے حکومت کو بھیجا:

یہ چند گزارشات میں حکومت کی وساطت سے انقرہ اور انقرہ والوں کے کانوں تک پہنچانا چاہتا ہوں، جب مدعی ہی منصف ہو تو پھر اپیل و دلیل کی کیا گنجائش باقی رہ جاتی ہے؟ میں اس دھاندلی پر مدت سے انگشت بدنداں ہوں۔

آج میں جب کہ آزاد ہوں اور پابند بھی۔ ان ایام کی نسبت بہت زیادہ قلق و

اضطراب میں ہوں جب میں پورے طور پر قید میں تھا۔ آج کا ایک دن میری سابقہ تنہائی کے ایک سال سے بھی زیادہ مجھ پر سخت گزر رہا ہے۔ شدید سردی میں بھی اس ضعف اور بڑھاپے کے باوجود مجھے ہر چیز سے محروم رکھا جاتا ہے۔ میں پورے بیس سال سے جیل اور جلاوطنی کے المیہ سے دوچار ہوں۔ اب مزید ایسے عذاب وتشدد کا دوام اللہ تعالیٰ کے عذاب عام کو دعوت دے کر ہی رہے گا۔

(حکایات عزیمت بحوالہ مردان حق ۳۱۸)

حضرت شیخ الہند کی حق گوئی

حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی نے ۱۹۱۵ء میں ہندوستان سے انگیرز کو نکالنے کے لئے مسلح جدوجہد کا منصوبہ بنایا۔ اپنے ساتھیوں کو قبائلی علاقوں میں جمع کرنا شروع کیا۔ انگریزی فوج ان مجاہدین کی سرکوبی کے لئے قبائلی علاقوں میں داخل ہوئی مگر اسے سخت ناکامی کا سامنا کرنا پڑا۔ انگریزوں نے مال و دولت کا لالچ دے کر بعض قبائل اور کچھ علماء کو خرید لیا اور ان علماء سے یہ فتویٰ حاصل کیا کہ جب تک اسلامی حکومت جہاد کا اعلان نہ کرے اس وقت تک جہاد فرض نہیں ہوتا۔ مسلمانوں سے کہا گیا کہ وہ امیر کابل حبیب اللہ خان کے ہاتھ پر بیعت کریں اور جب وہ اعلان کریں گے تو جہاد فرض ہو جائے گا۔

ان فتووں کی خوب تشہیر کر دی گئی اور مجاہدین میں انتشار پھیلایا گیا۔ ان حالات میں حضرت شیخ الہند نے مولانا عبیداللہ سندھی کو افغانستان کوچ کرنے کا حکم دیا تاکہ مجاہدین کو منظم کرسکیں اور خود حجاز مقدس تشریف لے گئے تاکہ وہاں کے گورنر کی وساطت سے ترکی جا کر انگریزوں کے خلاف مدد حاصل کرسکیں۔ مکہ معظمہ پہنچ کر حضرت شیخ الہند کی ملاقات گورنر غالب پاشا سے ہوئی۔ غالب پاشا نے حضرت شیخ الہند کو حکومت ترکی کی طرف سے مکمل اور بھرپور حمایت کا یقین دلایا اور ہندوستان کے مسلمانوں کو ایک پیغام بھیجا جس میں حضرت شیخ الہند پر مکمل اعتماد کا اظہار کیا گیا تھا۔

حکومت ترکی نے حضرت شیخ الہند کو ہدایت کی کہ وہ انگریزوں کے خلاف مزاحمت کے لئے

Marfat.com

حجاز کو اپنا مرکز بنائیں۔ اسی دوران کرنل لارنس کی سازش سے برطانوی فوج نے شریف مکہ (شریف حسین) کی مدد سے حجاز اور طائف پر حملہ کر دیا۔ شریف مکہ نے انگریزی فوج کی مدد سے ترکوں کے خلاف جدید اسلحہ اور توپیں استعمال کر کے انہیں شکست دے دی۔ حضرت شیخ الہند بھی طائف میں محصور ہو گئے تھے۔ جب وہاں سے نکلنے میں کامیاب ہوئے تو سیدھے جدہ تشریف لے گئے۔ مولانا خلیل احمد سہارنپوری کو ہدایات دے کر ہندوستان روانہ کیا، خود واپس مکہ معظّمہ چلے گئے۔

شریف مکہ کی بغاوت کے خلاف ہندوستان میں بے چینی پائی جاتی تھی، اس کو ختم کرنے کے لئے گورنمنٹ نے خان بہادر علی اورنگ آبادی کو خفیہ طور پر مکہ معظّمہ بھیج کر ایک فتویٰ منگوایا۔ چنانچہ شریفی عہدیداروں اور علماء کی مدد سے خان موصوف نے ایک فتویٰ اور اس کا جواب مرتب کیا جس میں خلافت عثمانیہ سے انکار اور ترکوں پر کفر کا فتویٰ لگا دیا گیا اور شریف مکہ کی بغاوت کو حق بجانب اور مستحسن قرار دیا گیا تھا۔ بہت سے شریفی علماء نے اس پر دستخط بھی کر دیئے تھے۔ جب یہ فتویٰ حضرت شیخ الہند کے سامنے دستخط کے لئے پیش کیا گیا تو حضرت شیخ الہند نے سختی سے انکار کرتے ہوئے فرمایا کہ میں شریفی علماء کے فتووں پر لعنت بھیجتا ہوں۔

آپ کی حق گوئی اور بے باکی کو دیکھ کر بہت سے حق پرست علماء کی ہمت بلند ہو گئی۔ ان سب نے فتووں کو مسترد کر دیا۔ اس پر انگریز گورنمنٹ نے حضرت شیخ الہند کو شریف حسین سے طلب کیا۔ حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی، حضرت مولانا عزیز گل کاکا خیل اور حکیم نصرت حسین نے شیخ الہند کو چھپا کر اپنی گرفتاری پیش کی۔ مگر شریف حسین نے اعلان کیا کہ اگر شیخ الہند حاضر نہ ہوئے تو ان کے ساتھیوں کو گولی سے اڑا دیا جائے گا۔ چنانچہ عشاء کے وقت حضرت شیخ الہند کو احرام کی حالت میں گرفتار کر کے جدہ روانہ کر دیا گیا۔ اور ۱۲ جنوری ۱۹۱۷ء کو جدہ سے قاہرہ، وہاں سے مالٹا کی جیل میں مولانا سید حسین احمد مدنی، مولانا وحید احمد مدنی، مولانا عزیز گل، مولانا حکیم نصرت حسین سمیت حضرت شیخ الہند کو قید کر دیا گیا۔ مصر کے جیل خانہ میں حضرت شیخ الہند سے سوالات و جوابات ہوئے جن سے حضرت شیخ الہند کی حق گوئی اور بے باکی کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

Marfat.com

سوال: آپ کو شریف نے کیوں گرفتار کیا؟

جواب: اس فتوے پر دستخط نہ کرنے کی بنا پر۔

سوال: آپ نے اس پر دستخط کیوں نہ کئے؟

جواب: خلاف شریعت تھا۔

سوال: آپ کے سامنے مولوی عبدالحق حقانی کا فتویٰ ہندوستان میں پیش کیا گیا؟

جواب: ہاں۔

سوال: پھر آپ نے کیا کیا؟

جواب: رد کر دیا۔

سوال: کیوں؟

جواب: خلاف شرع تھا۔

سوال: آپ مولوی عبیداللہ کو جانتے ہیں؟

جواب: ہاں۔

سوال: کہاں سے؟

جواب: انہوں نے دیوبند میں عرصہ دراز تک مجھ سے پڑھا ہے۔

سوال: وہ اب کہاں ہیں؟

جواب: میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ میں عرصہ ڈیڑھ سال سے زیادہ ہوتا ہے کہ حجاز وغیرہ میں مقیم ہوں۔

سوال: ریشمی خط کی کیا حقیقت ہے؟

جواب: مجھے کچھ معلوم نہیں، نہ میں نے دیکھا ہے؟

سوال: وہ لکھتا ہے کہ آپ اس کی سیاسی سازش میں خلاف برطانیہ شریک ہیں اور آپ فوجی کماندار ہیں؟

جواب: اگر وہ لکھتا ہے تو اپنے لکھنے کا وہ خود ذمہ دار ہوگا۔ بھلا میں اور فوجی کمانداری؟ میری جسمانی حالت ملاحظہ فرمایئے اور پھر عمر کا اندازہ کیجئے۔ میں نے تمام عمر مدرسی میں گزاری۔

Marfat.com

مجھے فنون حربیہ اور فوجی کمان سے کیا نسبت۔

سوال: مولوی عبید اللہ نے دیوبند میں جمعیۃ الانصار کیوں قائم کی تھی؟

جواب: مدرسہ کے مفاد کے لئے۔

سوال: پھر کیوں علیحدہ کیا گیا؟

جواب: آپس کے اختلافات کی وجہ سے۔

سوال: کیا اس کا مقصد اس جمعیۃ سے کوئی سیاسی امر نہیں تھا؟

جواب: نہیں۔

سوال: غالب نامہ کی کیا حقیقت ہے؟

جواب: غالب نامہ کیسا؟

سوال: غالب پاشا گورنر حجاز کا خط جس کو محمد میاں (محمد منصور انصاری) لے کر حجاز سے گیا ہے اور آپ نے غالب پاشا سے اس کو حاصل کیا ہے۔

جواب: مولوی محمد میاں کو جانتا ہوں۔ وہ میرا رفیق سفر تھا۔ مدینہ منورہ سے وہ مجھ سے جدا ہوا ہے۔ وہاں سے لوٹنے کے بعد اس کو جدہ اور مدینہ میں تقریباً ایک ماہ ٹھہرنا پڑا تھا۔ غالب پاشا کا خط کہاں ہے، جس کو آپ میری طرف منسوب کر رہے ہیں؟

سوال کرنے والا: محمد میاں کے پاس۔

حضرت شیخ الہند: مولوی محمد میاں کہاں ہے؟

سوال کنندہ: وہ بھاگ کر حدود افغانستان میں چلا گیا۔

حضرت شیخ: پھر آپ کو خط کا پتہ کیوں کر چلا؟

سوال کنندہ: لوگوں نے دیکھا۔

حضرت شیخ: آپ ہی فرمائیں کہ غالب پاشا گورنر حجاز اور میں ایک معمولی آدمی۔ میرا وہاں کہاں گزر ہو سکتا ہے۔ میں ناواقف شخص، نہ زبان ترکی جانوں نہ پہلے سے ترکی حکام سے کوئی ربط وضبط۔ حج سے چند دن پہلے میں مکہ معظمہ پہنچا، اپنے امور دینیہ میں مشغول ہو گیا۔ غالب پاشا اگرچہ حجاز کا گورنر تھا مگر طائف میں رہتا تھا۔ میری وہاں تک رسائی نہ حج سے پہلے ہو

Marfat.com

سکتی تھی نہ بعد از حج۔ یہ بالکل غیر معقول بات ہے، کسی نے یونہی اڑائی۔

سوال: آپ نے انور پاشا اور جمال پاشا سے ملاقات کی؟

جواب: بے شک۔

سوال: کیونکر؟

جواب: وہ مدینہ میں ایک دن کے لئے آئے تھے تو صبح کے وقت انہوں نے مسجد نبوی میں علماء کا مجمع کیا۔ مجھ کو بھی مولوی حسین احمد صاحب اور وہاں کے مفتی اس مجمع عام میں لے گئے اور اختتام مجمع پر انہوں نے دونوں وزیروں سے مصافحہ کرا دیا۔

سوال: آپ نے اس مجمع میں کوئی تقریر کی؟

جواب: نہیں۔

سوال: مولانا خلیل احمد صاحب نے تقریر کی؟

جواب: نہیں۔

سوال: مولانا حسین احمد صاحب نے کی؟

جواب: ہاں۔

سوال: پھر کچھ انور پاشا نے آپ کو دیا؟

جواب: ہاں۔ اتنا ہوا ہے کہ مولوی حسین احمد صاحب کے مکان پر ایک شخص پانچ پانچ پونڈ لے کر انور پاشا کی طرف سے آئے تھے۔

سوال: پھر آپ نے کیا کیا؟

جواب: مولانا حسین احمد صاحب کو دے دیئے تھے۔

سوال: ان کاغذات میں لکھا ہے کہ آپ سلطان ترکی، ایران اور افغانستان میں اتحاد کرانا چاہتے ہیں اور پھر ایک اجتماعی حملہ ہندوستان پر کرا کر ہندوستان میں اسلامی حکومت قائم کرانا چاہتے ہیں اور انگریزوں کو ہندوستان سے نکالنا چاہتے ہیں۔

جواب: میں تعجب کرتا ہوں کہ آپ کو بھی حکومت کرتے اتنے دن گزر چکے ہیں۔ کیا آپ گمان کر سکتے ہیں کہ میرے جیسے گمنام شخص کی آواز بادشاہوں تک پہنچ سکتی ہے اور کیا سالہا سال کی

Marfat.com

ان کی عداوتیں میرے جیسا شخص زائل کر سکتا ہے اور پھر اگر زائل بھی ہو جائیں تو کیا ان میں ایسی طاقت ہے کہ وہ اپنے ملک کی ضرورتوں سے زائد سمجھ کر ہندوستان کی حدود پر فوجیں پہنچا دیں۔ اور اگر پہنچا بھی دیں تو آیا ان میں آپ سے جنگ کی طاقت ہوگی؟

سوال کنندہ: فرماتے تو آپ سچ ہیں مگر ان کاغذات میں ایسا ہی لکھا ہوا ہے۔

سوال: شریف کی نسبت آپ کا کیا خیال ہے؟

جواب: وہ باغی ہے۔

سوال: حافظ احمد صاحب کو آپ جانتے ہیں؟

جواب: خوب۔ وہ میرے استاذ زادے ہیں اور بہت سچے اور مخلص دوست ہیں۔ میری تمام عمر ان کے ساتھ گزری ہے۔

اس کے بعد حضرت شیخ الہند کو رفقاء سے الگ اندرون جیل خانہ تنگ و تاریک کال کوٹھڑی میں بند کر دیا گیا۔ حضرت شیخ الہند اور تمام رفقاء کو اپنے پھانسی ہونے کا یقین تھا مگر بظاہر ثبوت نہ ملنے کی وجہ سے پھانسی سے نجات ملی مگر زندان مالٹا کی طرف روانہ کر دیئے گئے۔

مولانا تاج محمود امروٹی کا جلال

امروٹ شریف کے قریب سے ایک نہر گزری ہے جو دریائے سندھ سے نکالی گئی ہے۔ اس کی راہ میں ایک چھوٹی سی مسجد ہے۔ انگریزوں نے طے کیا کہ اس کو شہید کر کے نہر وہاں سے گزار دی جائے اور اس کی بجائے دوسری مسجد بنا دی جائے۔

حضرت مولانا سید تاج محمود امروٹی کو جب یہ قصہ معلوم ہوا تو حضرت اپنے جلال میں تسبیح لے کر اس مسجد میں جا بیٹھے۔ فقراء کی جماعت بھی ان کیساتھ ہوگئی۔ انگریزوں کو چیلنج کر دیا کہ اب گراؤ مسجد۔ انگریزوں نے مسجد سے تعرض کر کے اس کے نیچے سے زمین کھود کر نہر کو آگے بڑھایا اور مسجد کے نیچے وسط میں مضبوط پائے بنا دیئے اور زمین کو پختہ کر دیا۔ وہ مسجد جوں کی توں بالکل بیچ نہر کے قائم ہے۔ یہ مسجد مسجد جہاد کہلاتی ہے۔ (تذکرۃ الشیخ ہالیجوی ص ۹۰)

Marfat.com

مولانا حسین احمد مدنی کی حق گوئی

جولائی ۱۹۲۱ء کو کراچی میں خلافت کانفرنس ہوئی جس میں شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی نے تجویز پیش کی کہ گورنمنٹ برطانیہ کی فوج میں ملازمت کرنا کسی کو بھرتی کرانا، کسی کو بھرتی ہونے کی تلقین کرنا اور ہر قسم کی اعانت کرنا جرم ہے اور ہر مسلمان پر فرض ہے کہ یہ بات ہر فوجی مسلمان تک پہنچا دے۔

حضرت گرفتار ہوئے۔ خالق دینا ہال کراچی میں مقدمہ کی سماعت شروع ہوئی۔ حضرت شیخ نے انگریزی عدالت کے سامنے قرآن وحدیث سے دلائل دیتے ہوئے فرمایا:

انگریز کی فوج میں بھرتی ہونا، بھرتی کرانا، انگریز کی فوج میں بھرتی کا مشورہ دینا، انگریز کی فوجی امداد کرنا یعنی جنگی قرضہ دینا سب حرام ہے۔ یہ ریزولیوشن کوئی نئی بات نہیں ہے۔ مجسٹریٹ صاحب! ہمیشہ سے مذہب اسلام کا یہ فیصلہ ہے اور اٹل ہے، اسے کوئی نہیں مٹا سکتا۔ یہ ہمارے اللہ اور رسول ﷺ کا حکم ہے، اس کی اشاعت کو روکنا مذہب میں کھلی مداخلت ہے۔

مجسٹریٹ: اس کی اشاعت کا یہی وقت تھا؟

حضرت مدنی: مجسٹریٹ صاحب! اس کی اشاعت کی اس وقت سخت ضرورت اس وجہ سے تھی کہ مسلمانوں کی موجودہ حالت کا یہی تقاضا ہے۔ جس طرح مریض کی سخت حالت دیکھ کر طبیب دوا اور پرہیز میں سختی کرتا ہے بالکل اسی طرح علماء کا فرض ہے کہ مسلمانوں کی مذہبی حالت کو گرتا دیکھ کر بہت جلد اس کو سنبھالنے کی کوشش کریں۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ فتح بیت المقدس کے وقت مسٹر لارڈ جارج وزیر اعظم انگلستان نے اس جنگ کو صلیبی جنگ کے نام سے موسوم کیا ہے اور مسٹر چرچل نے بھی اس کو صلیبی جنگ کہا ہے۔ اب میں ایسی حالت میں صاف صاف کہتا ہوں کہ جو مسلمان عیسائیت کا ساتھ دے گا وہ صرف گنہگار نہ ہوگا بلکہ کافر ہو جائے گا۔

یہ آخری فقرے سن کر لوگ دہاڑیں مار مار کر روتے رہے اور فرط جذبات میں حسین احمد مدنی زندہ باد کے نعرے لگاتے رہے۔ حضرت مدنی عدالت کو مخاطب کرتے ہوئے:

اگر گورنمنٹ کا منشا مذہبی آزادی سلب کرنا ہے تو صاف صاف اعلان کرے تا کہ سات کروڑ مسلمان اس بات پر غور کریں کہ ان کو مسلمان رہنا منظور ہے یا گورنمنٹ برطانیہ کی رعایا۔ اسی طرح بائیس کروڑ ہندو بھی سوچ لیں کہ ان کو کیا کرنا چاہئے۔ کیونکہ جب مذہب آزادی چھینی جائے گی تو سب کی چھینی جائے گی۔ اگر لارڈ ریڈنگ اس لئے بھیجے گئے ہیں کہ قرآن کو جلا دیں، احادیث کو مٹا دیں اور کتب فقہ کو برباد کر دیں تو سب سے پہلے اسلام پر اپنی جان دینے والا میں ہوں۔

حضرت مدنی کی اس بے مثال جرأت کو دیکھ کر مولانا محمد علی جوہر اپنی جگہ سے اٹھے اور جا کر حضرت مدنی کے پاؤں چوم لئے۔ بالآخر یکم نومبر ۱۹۲۱ء کو قید با مشقت کا فیصلہ سنایا گیا۔ دو سال کے لئے سابرمتی جیل میں بھیج دیئے گئے۔ (بیس بڑے مسلمان ص ۴۷۹)

فرنگی عدالت میں حضرت مدنیؒ کا عزم

غلامی پر قناعت اسلام سے بغاوت کے ہم معنی ہے۔ میں برطانوی حاکمیت کو ہندوستان کے جسم پر ناسور سمجھتا ہوں اور اسے کاٹ پھینکنے کا متمنی ہوں۔ (میرٹھ ۱۹۴۳)

مفتی اعظم ہند مفتی کفایت اللہ کی حق گوئی

سندھی اور سنگھٹن کی تحریک کی وجہ سے تمام ملک میں فرقہ وارانہ فسادات شروع ہو گئے تھے لہذا گاندھی جی نے ہندو مسلم اتحاد کے لئے ستمبر ۱۹۲۴ء کو اکیس دن کا برت شروع کیا اور ۲۶ ستمبر ۱۹۲۴ء کو پنڈت مدن موہن مالوی کی صدارت میں تمام فرقوں کی ایک اتحاد کانفرنس منعقد ہوئی۔ اس میں صدر جلسہ نے ہندو مسلم اتحاد کی اہمیت کو واضح کرتے ہوئے مسلمانوں کو توجہ دلائی کہ وہ

Marfat.com

اپنے مذہب میں سے سزائے مرتد اور تبلیغ کے احکام کو خارج کر دیں۔ اس موقع پر اکثر مسلم اور ہندو لیڈروں نے اس تجویز کی حمایت کی مگر ہزاروں کے اس مجمع میں صرف مفتی صاحب کی ذات تھی جس نے اس متفقہ تجویز کی پرزور مخالفت کی اور شریعت کے صحیح احکام کی حمایت میں آپ عظیم ترین شخصیتوں سے بھی مرعوب نہیں ہوئے۔ چنانچہ حضرت مفتی کفایت اللہ نے اس کی مخالفت کرتے ہوئے فرمایا:

> اسلام کی بنیاد تبلیغ پر ہے۔ تبلیغ اس کے خمیر میں داخل ہے۔ بے شک اسلام میں مرتد کی سزا قتل ہے اور یہ اسلام کا کھلا ہوا روشن اصول ہے۔ ہمیں اس کے اظہار میں کوئی تامل نہیں ہے۔ مگر ہندوستان کے موجودہ فسادات اس عقیدہ کے نتائج نہیں ہیں۔ کیونکہ اس سزا کو جاری رکھنے کا حق صرف سلطان اسلام کو ہے۔ پس موجودہ حالات میں اسلامی حدود کے جاری ہونے کا کوئی سوال نہیں پیدا ہوتا۔ (مفتی اعظم کی یاد ۹۱، بیس بڑے مسلمان ۴۳۲)

ضمیر فروشی سے انکار

جب مفتی کفایت اللہ دہلوی نے تحریک آزادی میں بھرپور حصہ لینا شروع کر دیا اور اس میں روز افزوں ترقی ہونے لگی اور آپ کے ساتھ آپ کے لاکھوں معتقدین اس تحریک میں شریک ہو گئے تھے۔ اس لئے حکومت برطانیہ آپ کو تحریک سے الگ رکھنے کے لئے ہر قسم دباؤ ڈالنا شروع کئے۔ آخر میں حکومت کی طرف سے وائسرائے کونسل کے ایک وقیع ممبر میاں فضل حسین یہ پیام آپ تک پہنچایا۔ حکومت برطانیہ درخواست کرتی ہے کہ آپ سیاسی تحریکات سے کنارہ کش ہو جائیں۔ اس کے صلہ میں حکومت آپ کو مدرسہ صفدریہ جھنگ کی شاہی عمارت اور اس سے ملحقہ میدان پیش کرے گی اور آپ کی ذات خاص کے لئے ھبہ کرے گی۔ ہمارا مقصد یہ نہیں کہ حکومت برطانیہ کی حمایت یا پروپیگنڈہ کریں نہیں، بلکہ آپ صرف اتنا کریں کہ خاموش رہیں اور سیاسیات سے الگ رہیں۔

حضرت مفتی صاحب نے اس کے جواب میں فرمایا:

Marfat.com

میں آزادی وطن کی تحریک میں ذاتی منفعت کے لئے شریک نہیں ہوا ہوں، آپ کی پیش کش کا شکریہ، کوئی لالچ میرے ضمیر کی آواز کو نہیں دبا سکتا۔

(مفتی اعظم کی یاد ۲۲۲، بیس بڑے مسلمان ۴۳۷)

شیخ التفسیر مولانا احمد علی لاہوریؒ کی غیرت ایمانی

۱۹۳۹ء میں خاکسار تحریک نے پنجاب کے تمام شہروں میں زور پکڑا تو گورنمنٹ نے اس کی سرکوبی کے لئے قدم اٹھایا۔ اس کے جلسے جلوسوں پر پابندی لگا دی۔ خاکساروں نے حکومت کی خلاف ورزی میں لاہور میں جلوس نکالا تو حکومت نے انہیں روکا۔ نوگزے کی قبر کے پاس خاکسار رضا کاروں اور پولیس کے درمیان تصادم ہوا۔ خاکساروں پر گولی چلائی گئی جس سے کئی خاکسار شہید ہو گئے۔ حکومت کے رویہ میں تشدد پیدا ہوا۔ عام گرفتاریاں شروع ہو گئیں۔ خاکساروں نے گرفتاری سے بچنے کے لئے شہر کی مساجد میں پناہ لے لی۔

حضرت لاہوری کی مسجد شیرانوالہ دروازہ میں بھی کچھ خاکسار آ گھسے۔ وزیر اعظم پنجاب سر سکندر حیات خان نے لاہور شہر کے علماء کو بلایا تا کہ خاکساروں کی تکفیر کے لئے فتویٰ حاصل کر سکیں۔ وفد حضرت اقدس مولانا احمد علی لاہوری کی قیادت میں وزیر اعظم سے ملا۔ وزیر اعظم سر سکندر حیات خان نے خاکساروں کے خلاف ایک فتویٰ دستخط کے لئے حضرت اقدس لاہوری کے سامنے رکھا اور حاکمانہ انداز میں کہا کہ مولانا، آپ نے ہماری سرکار کے باغیوں کو اپنی مسجد میں پناہ دے رکھی ہے۔ حضرت نے نہایت متانت اور بے باکی سے فرمایا:

> خاکسار آپ کی سرکار کے باغی ہوں گے میری سرکار مدینہ ﷺ کے باغی تو نہیں ہیں۔

یہ فرما کر حضرت اقدس ناراضگی کی صورت میں وہاں سے احتجاجاً اٹھ کھڑے ہوئے۔ وزیر اعظم کی چائے کی دعوت میں بھی شرکت نہیں فرمائی۔ آخر کار وزیر اعظم سکندر حیات خان نے واپسی پر سواری کے لئے کار کی پیش کش کی تو آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اسلامی غیرت سے فرمایا:

> آپ کی کار میں پاؤں رکھنا میرے جوتے کی توہین ہے۔

Marfat.com

حکومت نے اگلے دن آپ کو نظر بند کر کے سی برار کی طرف بھیج دیا لیکن علی الصبح لاہور سے شائع ہونے والے تمام اخبارات میں حضرت اقدس کا فتویٰ جلی حروف میں شائع ہو گیا کہ:

مسلمان مصیبت کے وقت مساجد کو بطور قلعہ استعمال کر سکتے ہیں۔

علامہ عنایت اللہ مشرقی کی عبارات و خیالات سے اختلافات کے باوجود اسلام دوستی اور حق نوازی کا بہت بڑا ثبوت ہے۔ (شیخ التفسیر مولانا احمد علی لاہور کے حیرت انگیز واقعات ص ۲۹۴)

ابوالکلام آزاد کا آزادانہ کلام

تحریک آزادی ہند کے عظیم رہنما مولانا ابوالکلام آزاد نے فرنگی کورٹ کے سامنے فرمایا:

اگر بیوروکریسی کے نزدیک آزادی اور حق طلبی کی جدوجہد جرم ہو اور وہ ان لوگوں کو سخت سزاؤں کا مستحق قرار دے جو انصاف کے نام سے اس کی غیر منصفانہ ہستی کے خلاف جنگ کر رہے ہیں تو میں اقرار کرتا ہوں کہ میں نہ صرف اس کا مجرم ہوں بلکہ ان لوگوں میں ہوں جنہوں نے اس جرم کی اپنی قوم کے دلوں میں تخم ریزی کی ہے اور اس کی آبیاری کے لئے اپنی پوری زندگی وقف کر دی ہے......... میں نے اپنی تقریروں میں جو میرے خلاف داخل کی گئی ہیں، کہا تھا کہ آزادی کا بیج کبھی بھی بارآور نہیں ہو سکتا جب تک جبر و تشدد کے پانی سے اس کی آبیاری نہ ہو۔ لیکن گورنمنٹ نے آبیاری شروع کر دی ہے۔

مسٹر مجسٹریٹ! اب میں اور زیادہ کورٹ کا وقت نہ لوں گا۔ یہ تاریخ کا ایک دلچسپ اور عبرت ناک باب ہے جس کی ترتیب میں ہم دونوں یکساں طور پر مشغول ہیں۔ ہمارے حصہ میں یہ مجرموں کا کٹہرا آیا ہے، تمہارے حصہ میں وہ مجسٹریٹ کی کرسی۔ میں تسلیم کرتا ہوں کہ اس کام کے لئے وہ کرسی بھی اتنی ہی ضروری چیز ہے جس قدر یہ کٹہرا۔ آؤ اس یادگار افسانہ بننے والے کام کو جلدی ختم کر دیں۔ مورخ ہمارے انتظار میں ہے اور مستقبل کب سے ہماری راہ تک رہا ہے۔ ہمیں جلد جلد یہاں آنے دو اور تم بھی جلد جلد فیصلہ لکھتے رہو۔ ابھی کچھ

Marfat.com

دنوں تک یہ کام جاری رہے گا، یہاں تک کہ ایک دوسری عدالت کا دروازہ کھل جائے۔ یہ خدا کے قانون کی عدالت ہے، وقت اس کا جج ہے۔ وہ فیصلہ لکھے گا، اسی کا فیصلہ آخری فیصلہ ہوگا۔ (بیس بڑے مسلمان ۷۷/۲/۷۷)

مولانا محمد علی جوہر کی حق گوئی

۱۹۳۰ء کو لندن میں منعقدہ گول میز کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے مولانا محمد علی جوہر نے فرمایا:

جب میں اس ملک میں پہنچا تو یہاں کے ایک اخبار ڈیل ہیرلڈ نے جس کے استحکام میں میں نے بھی حصہ لیا تھا، میری تصویر شائع کی اور میری نسبت لکھا کہ میں نے اپنا عقیدہ تبدیل کرلیا ہے۔

میری رگوں میں وہی خون ہے جس سے لارڈ ریڈنگ کی رگیں معمور ہیں جنہوں نے مجھے قید کیا تھا، میں سامی نسل سے تعلق رکھتا ہوں اور اگر لارڈ ریڈنگ نے صیہونیت سے برگشتگی اختیار نہیں کی تو میں نے بھی اسلام کو ترک نہیں کیا، میں جہاں پہلے تھا، وہیں اس وقت تک ہوں۔

آزادی یا موت

اسی گول میز کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے مولانا محمد علی جوہر نے فرمایا:

آج جس ایک مقصد کے لئے میں یہاں آیا ہوں وہ یہی ہے کہ میں اپنے ملک کو اسی حالت میں واپس جاؤں جبکہ آزادی کا پروانہ میرے ہاتھ میں ہو۔ میں ایک غلام ملک کو واپس نہیں جاؤں گا۔ میں ایک غیر ملک میں جب تک وہ آزاد ہے، مرنے کو ترجیح دوں گا اور اگر مجھے ہندوستان کی آزادی نہیں دیں گے تو پھر آپ کو یہاں مجھے قبر کے لئے جگہ دینی پڑے گی۔

Marfat.com

فرنگی کورٹ کے سامنے محمد علی جوہر کی بیباکی

کوئی مسلمان برطانوی فوج میں ملازم نہ ہو، میں نے یہ اس وقت بھی کہا تھا اور اب بھی کہتا ہوں اور یہ میں ہمیشہ کہتا رہوں گا۔ اس کی پرواہ نہیں خواہ مجھے پھانسی پر بھی لٹکا دیا جائے اور مجھے امید ہے کہ جب میں مر جاؤں گا اور اس دنیا سے رخصت ہو جاؤں گا تو میرا لاشہ بھی قبر سے پکارے گا کہ مسلمانوں کا یہ مذہب ہے کہ مسلمانوں کے خلاف نہ لڑیں۔ (تاریخی مقدمہ کراچی ۲۴ اکتوبر ۱۹۱۹ء)

مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی کی گرج

ایک دفعہ مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی شہر کا گشت کر رہے تھے۔ اچانک دیکھا کہ کچھ نہتے مسلمان کسی مومن کی نماز جنازہ کی تیاریاں کر رہے ہیں۔ جنازہ سامنے رکھا ہوا ہے۔ مولانا تیزی سے اس مقام پر پہنچے تو صف بندی ہو چکی تھی۔ مولانا کی نظر اچانک سامنے پڑی تو دیکھا کہ چند فوجی اسلحہ سے لیس چلے آرہے ہیں۔ مسلمانوں کو صف باندھے دیکھ کر فوجیوں نے گولی چلانے کا ارادہ کرلیا اور بندوقیں سیدھی کرلیں۔ اگر چند لمحے اسی طرح گذر جاتے تو ان میں سے کوئی بھی نہ بچتا۔ مولانا اس منظر کو دیکھ کر موٹر سے کودے اور آناً فاناً ان درندے فوجیوں کے سامنے جا چمکے اور گرج کر پوچھا، ان نہتے مسلمانوں پر گولی چلانے کا اختیار تمہیں کس نے دیا ہے؟

مولانا کی پروقار آواز گونج رہی تھی۔ قومی غیرت اور حمیت کے جذبات نے ان کو فرشتہ بنا کر بھیجا تھا۔ فوجی مولانا کی اس بے باکی اور غیر معمولی شجاعت پر حیران رہ گئے۔ ان میں سے کسی نے کہا، یہ سب مسلمان مل کر ہم پر حملہ آور ہونا چاہتے ہیں۔ مولانا نے فرمایا، کیا نہتے مسلمان جن کے سامنے ایک بھائی کا جنازہ رکھا ہوا ہے، تم پر حملہ کر سکتے ہیں؟ اگر تم چاہتے ہو کہ مسلمانوں کے خون سے اس طرح ہولی کھیلو تو یہ حفظ الرحمٰن کی زندگی تک ممکن نہیں، میں ہرگز یہ نہیں ہونے دوں گا۔ (بیس بڑے مسلمان:۹۲۴)

Marfat.com

ہم صرف ملک اور وطن کے وفادار ہیں

انڈین مسلم کنونشن سے خطاب کرتے ہوئے مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی نے فرمایا:

ہم کسی جماعت، پارٹی یا حکومت کے وفادار نہیں ہیں، ہم صرف ملک اور وطن کے وفادار ہیں۔ اگر کوئی جماعت، پارٹی یا حکومت ہم سے وفاداری کا مطالبہ کرتی ہے تو ہم اسے بتادینا چاہتے ہیں کہ اگر وہ جماعت، پارٹی یا حکومت غلط راستوں پر جائے تو ہمارا کام ان کو سیدھا کرنا یا الٹ دینا ہے۔ جو افراد یا جماعتیں ہم سے وفاداری کا مطالبہ کرتی ہیں ہم ان سے ملک کی وفاداری کا مطالبہ کرتے ہیں جو لوگ فرقہ پرستی، تنگ نظری یا تعصب پیدا کرتے ہیں وہ ملک کے غدار اور وطن کے دشمن ہیں۔ ان کو کسی دوسرے سے وفاداری کے مطالبے کا کوئی حق نہیں ہے وہ خود اپنی وفاداری کا امتحان دیں۔

(بیس بڑے مسلمان: ۹۴۵)

طنز کا جواب

پاکستان بن جانے کے فوراً بعد راولپنڈی میں کسی دینی جماعت کا ایک جلسہ تھا۔ امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری بھی مدعو تھے۔ راجہ غضنفر علی خان وزیر تھے اور جلسہ کی صدارت کر رہے تھے۔ انہوں نے شاہ جی کو دعوت تقریر دیتے ہوئے کہا کہ شاہ جی جس لیگ کے مخالف تھے، اسی لیگ نے انہیں پناہ دی ہے۔

ظاہر ہے کہ یہ طنزیہ جملہ تھا۔ شاہ جی نے اٹھتے ہی جواب دیا:

ہاں بھائی! یہ پناہ آج سے نہیں مل رہی، اس کی بڑی لمبی تاریخ ہے۔ میرے ابا کو بھی پٹنے کے بعد تمہارے ابا کے گھر میں پناہ ملی تھی۔

اور مجمع پر یکا یک سناٹا چھا گیا۔ (بیس بڑے مسلمان: ۸۹۷)

Marfat.com

یہ ٹوپی نہیں اتر سکتی

ایک مرتبہ شاہ جی بنگال کے ضلع دیناج پور کی جیل میں بھیجے گئے۔ وہاں اندرون جیل مولانا عبداللہ الباقی اور دیگر علماء اور رہنمایان بنگال پہلے سے موجود تھے۔ شاہ جی کے سر پر مراد آبادی ٹوپی تھی۔ ان لوگوں نے بھی دیکھا دیکھی مراد آبادی ٹوپیاں استعمال کرنا شروع کر دیں۔ جیل کے انگریز افسروں کو یہ ٹوپیاں سخت ناگوار تھیں اور سب سیاسی قیدیوں نے یہ فیصلہ کر لیا کہ انگریزوں کو یہ ناگوار ہیں تو ہم ان کا استعمال ہرگز ترک نہ کریں گے۔

ایک دن سپرنٹنڈنٹ جیل اور مسٹر سمپسن انسپکٹر جیل خانہ جات معائنہ کے لئے آئے اور تمام سیاسی قیدیوں کو مخاطب کر کے کہنے لگے، یہ گاندھی کیپ ہیں، انہیں آپ لوگ نہ پہنا کریں۔

شاہ جی نے آگے بڑھ کر فرمایا کہ یہ گاندھی کیپ نہیں بلکہ مراد آبادی کیپ ہیں۔

مگر گاندھی کیپ کے متعلق اصرار جاری رہا۔ شاہ جی نے غصہ میں فرمایا، تو پھر یہ قمیض بھی گاندھی ہے اور یہ پاجامہ بھی۔

اس پر سمپسن بہت چڑا۔ اس نے سپرنٹنڈنٹ جیل کو حکم دیا کہ ان سب کی ٹوپیاں اتروالو۔ یہ حکم سنتے ہی اکثر اصحاب نے ٹوپیاں خود بخود اتار کر حکام جیل کے حوالے کر دیں۔ سپرنٹنڈنٹ جیل شاہ جی کی طرف بڑھا اور کہا کہ آپ بھی ٹوپی اتار دیں۔ شاہ جی نے فرمایا:

سر اترنے سے پہلے یہ ٹوپی نہیں اتر سکتی۔ پہلے سر اتارو پھر ٹوپی اتار لینا۔

شاہ جی نے یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ اگر میری ٹوپی پر اس نے ہاتھ ڈالا تو دونوں افسروں کو گرا کر آج میں سمپسن کا خون پیوں گا۔ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ اس وقت میرے سامنے بہادر شاہ ظفر کے بیٹوں کا خون تھا اور میری صحت بھی ماشاءاللہ بہت اچھی تھی۔

جب سپرنٹنڈنٹ جیل نے شاہ جی کی طرف ہاتھ بڑھایا تو آپ نے اس کی کلائی پکڑ لی۔ اس پر کچھ اس قسم کی ہیبت طاری ہوئی کہ چوٹی سے لے کر ایڑی تک وہ پسینہ میں لت پت ہو گیا اور پیچھے ہٹنے لگا۔ شاہ جی نے اس کا ہاتھ چھوڑ دیا اور وہ دونوں افسر بڑبڑاتے ہوئے احاطے سے باہر چلے گئے۔ (تحریک ختم نبوت کی یاد میں: ۱۵۴)

Marfat.com

فرنگی عدالت میں بخاریؒ کی گرج

آپ میری زبان قطع کر سکتے ہیں لیکن مجھ سے یہ حق نہیں چھین سکتے کہ میں ہندوستان کو انقلاب کی دعوت دوں اور انہیں اس پر ابھاروں کہ وہ اپنی آزادی کا مطالبہ کریں۔ (ڈھاکہ)

مولانا سیف الرحمٰن کی انگریز گورنمنٹ کے خلاف جرأت و بے باکی

مولانا سیف الرحمٰن ۱۸۶۰ء کو چارسدہ میں پیدا ہوئے۔ ۱۹۱۳ء میں برطانیہ نے ترکی کے خلاف عیسائی طاقتوں کو متحد کیا تو ہندوستان کے مسلمان خلافت عثمانیہ کے خلاف برطانوی سازشوں کی وجہ سے بے چین ہوئے۔ تو ہندوستان کے مسلمانوں کے جوش کو ٹھنڈا کرنے کے لئے انگریزوں نے شاطرانہ چال چلی کہ ہندوستان کے جید علماء سے فتویٰ حاصل کرنے کی کوشش شروع کر دی کہ ترکی پر حملہ جائز ہے۔ مولانا سیف الرحمٰن سے بھی انگریزوں نے اسی قسم کا فتویٰ حاصل کرنے کی کوشش کی مگر مولانا ترکی پر انگریزوں کے حملے کو جائز قرار دینے کی بجائے یہ اعلان کر دیا کہ ترکی پر حملہ کرنے کی صورت میں ہر مسلمان پر فرض ہے کہ وہ ترکی کی اسلامی سلطنت کی حفاظت کے لئے جہاد کرے۔

اس اعلان پر انگریز گورنمنٹ نے مولانا کو گرفتار کرنے کے احکامات جاری کر دیئے۔ شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی جب حجاز مقدس چلے گئے، مولانا عبیداللہ سندھی کو افغانستان بھیجا، مولانا سیف الرحمٰن کو قبائلی علاقہ میں انگریزوں سے برسرپیکار مجاہدین کے پاس بھیجا۔ یہاں حاجی ترنگزئی صاحب نے انگریزوں کے خلاف علم جہاد بلند کیا تھا۔ مردان کے قریب رستم کے علاقہ میں مسلسل ستائیس دن تک انگریزی فوج کے ساتھ مقابلہ میں مولانا سیف الرحمٰن نے انتہائی مجاہدانہ کردار ادا کیا۔ سرحد کے گورنر نے ایک وفد حاجی ترنگزئی صاحب کے پاس بھیجا جس کے ذریعہ حاجی صاحب کو کہا گیا کہ اگر وہ انگریزوں کے خلاف جنگ بند کر دیں تو ان کو اپنے

Marfat.com

علاقہ میں تبلیغ اسلام سے نہیں روکا جائے گا بلکہ اس سلسلہ میں حکومت ان کو مراعات دینے کے لئے بھی تیار ہے۔ اس موقعہ پر اس وفد کے سامنے مولانا سیف الرحمٰن نے مجاہدانہ تقریر کرتے ہوئے فرمایا:

> انگریزوں کی نمائندگی کرنے والو! تم نے کبھی یہ بھی سوچا ہے کہ تم مسلمان ہو۔ اگر آپ لوگ اپنے دلوں میں یہ احساس پیدا کرلیں تو عیسائیوں کے خلاف برسر پیکار ہونے والے مجاہدین کو نہ تو جاگیروں کی ضرورت ہے نہ روپے اور نہ دولت کی ضرورت ہے۔ یہ تو اسلام کے تحفظ کے لئے میدان عمل میں نکلے ہیں۔ آپ انگریزوں سے کہیں کہ ہمارا مقابلہ اس وقت تک جاری رہے گا جب تک کہ انگریز اس سرزمین کو آزاد نہ کردیں۔

چنانچہ یہ وفد ناکام ہوکر واپس آگیا اور مولانا سیف الرحمٰن کی اس تقریر سے انگریز گورنمنٹ کو مطلع کیا تو حکومت نے مولانا سیف الرحمٰن کو زندہ یا مردہ گرفتار کرنے والے کے لئے بھاری انعام کا اعلان کیا۔ کئی سازشیں کی گئیں مگر گورنمنٹ مولانا سیف الرحمٰن کو گرفتار کرنے میں کامیاب نہ ہوسکی اور مولانا سیف الرحمٰن حاجی ترنگزئی صاحب کے ساتھ مل کر انگریزی استعمار کے خلاف جہاد کرتے رہے۔ بعد میں حاجی صاحب نے آپ کو مجاہدین کی رہنمائی کے لئے افغانستان بھیجا۔ (سرحد کے علماء دیوبند کی سیاسی خدمات ۲۱۳)

مولانا مظہر علی اظہر کی حق گوئی

مولانا مظہر علی اظہر بٹالہ شہر کے باسی ہونے اور مجلس احرار اسلام سے وابستگی کی وجہ سے انگریز کی خانہ ساز نبوت اور قادیانیوں کے دجل وفریب سے مکمل طور پر آگاہ تھے۔ اسی وجہ سے دوسری جماعتوں کے وکلاء صفائی مولانا سے وقتاً فوقتاً رہنمائی لیتے رہتے تھے۔ (نیز جی ڈی کھولہ سیشن جج گورداس پور کی عدالت میں جب حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری کا مشہور مقدمہ زیر سماعت تھا اور جس کے تاریخی فیصلہ نے پہلی بار عدالت کے ذریعہ مرزائیوں کے جھوٹ کا پول کھول کر تقدس کے اوڑھے ہوئے جھوٹے نقاب کو اتار پھینکا، جس سے پڑھا لکھا طبقہ پہلی

Marfat.com

بار مرزائیوں کے دجل و تلبیس اور طریقہ واردات سے آگاہ ہوا، اسی مقدمہ میں مسٹر جسٹس منیر بطور سرکاری وکیل اور مولانا مظہر علی اظہر حضرت امیر شریعت کی طرف سے ایک دوسرے کے مدمقابل پیش ہو چکے تھے)۔ انکوائری کورٹ دو ججوں پر مشتمل تھی جس میں آنجہانی جسٹس منیر سربراہ اور دوسرے جج ایم آر کیانی ممبر تھے۔ نامعلوم وجوہ کی بناء پر عام لوگوں کا تاثر یہی تھا کہ جسٹس منیر مولانا مظہر علی اظہر سے کچھ کھچے کھچے سے رہتے اور اکثر مولانا کو اپنا کام خوش اسلوبی سے سرانجام دینے میں معاندانہ رویہ اختیار کرتے۔ ایک دن دوران سماعت جبکہ ماسٹر تاج الدین انصاری کا بیان جاری تھا، مسٹر جسٹس منیر نے اچانک یہ غیر متعلقہ سوال کر کے سب کو ورطہ حیرت میں ڈال دیا کہ مولانا آپ نے قائداعظم کو کافر کہا تھا۔

مولانا مظہر علی اظہر نے کہا کہ میں اس انکوائری میں کوئی فریق نہیں ہوں بلکہ مجلس احرار اسلام کا وکیل ہوں۔ اس لئے آپ کا مجھ سے یہ سوال خلاف ضابطہ ہے۔ نیز اس انکوائری سے کوئی تعلق نہیں ہے، اس لئے میں درخواست کروں گا کہ آپ صرف انکوائری کے فرق کو ملحوظ خاطر رکھیں۔

لیکن مسٹر جسٹس منیر اپنے سوال کے جواب کے لئے مصر رہا اور آخر میں صاف صاف کہہ دیا کہ یہ کورٹ کا حکم ہے کہ پہلے اس سوال کا جواب آپ کو دینا ہی ہوگا۔ ماسٹر تاج الدین انصاری نے بھی ٹالنے کے لئے کہا کہ جناب عالی یہ الیکشن کی باتیں الیکشن کے ساتھ ہی ختم ہو جاتی ہیں لیکن جسٹس منیر نے اپنی ضد اور ہٹ دھرمی سے باز نہ آتے ہوئے پھر مولانا سے جواب مانگا تو مولانا کی احراری حس جاگ اٹھی۔ فرمایا:

> بہتر ہوتا کہ آپ عدالتی طریق کار میں رہتے لیکن اگر آپ اس پر بضد ہیں تو سن لیں کہ یہ قیام پاکستان سے قبل انتخابات کی بات تھی جو وقت کے ساتھ رفت گزشت ہو چکی ہے۔ اگر آپ گڑے مردے اکھاڑنا ہی چاہتے ہیں تو سن لیں کہ قائداعظم محمد علی جناح جس فرقے کے ایک فرد تھے، میں اس کا عالم اور مفتی ہوں۔ اس کی تصدیق اپنے ساتھی جسٹس کیانی صاحب سے آپ کر سکتے ہیں۔

یہ بات کہتے ہوئے مولانا مظہر علی صاحب نے مسٹر جسٹس کیانی کی طرف اشارہ کیا جس پر

Marfat.com

کیانی صاحب نے سر کی جنبش سے مولانا کی بات کی تائید کی۔ لیکن جسٹس منیر خاموش رہا جس کا مطلب تھا کہ بات جاری رہے تو مولانا نے فرمایا:

قائداعظم محمد علی جناح نے بمبئی کی ایک پارسی المذہب عورت رتی بائی سے سول میرج لاء کے تحت شادی کی تھی جس پر میں نے کہا کہ ایک کافرہ عورت کے لئے دین کو چھوڑا، یہ قائداعظم ہے کہ کافرِ اعظم۔ اور مرحوم نے اپنی زندگی میں اس کی تردید نہیں کی تھی اس لئے میں اس سے رجوع نہیں کر سکتا اور اسی پر قائم ہوں۔ میں نے تب بھی پوری جرأت سے کہا تھا اور آج بھی جان ہتھیلی پر رکھ کر آیا ہوں۔

یہ بات سن کر عدالت ہال میں سناٹا چھا گیا۔ جسٹس منیر کرسی سے اچھلا اور کہا کہ مسٹر مظہر علی آپ کو بانی پاکستان کے متعلق اس جرأت اظہار پر خوف نہیں آیا؟ اب اگر آپ قتل کر دیئے جائیں تو؟ وہ مردِ درویش بھلا کہاں رکتا اور خاموش رہتا۔ فوراً جواب دیا کہ:

یہ شعر میں لاکھوں کے اجتماعات میں ہندوستان کے بہت سے شہروں میں اپنی تقاریر میں کہتا رہا ہوں لیکن مجھے روکنے ٹوکنے کی کسی نے بھی جرأت نہ کی تھی۔ اب اگر میں قتل ہوا تو اس کی ذمہ داری عدالت پر ہوگی۔

جس پر جسٹس منیر سٹپٹا کر رہ گیا، پیشانی سے پسینہ پونچھا۔ فوراً کرسی سے اٹھا اور تیز تیز قدموں سے چلتا ہوا اپنے کمرہ میں چلا گیا۔ میاں محمد عالم بٹالوی ہائی کورٹ سے مولانا کے ساتھ ہی ان کے گھر گئے۔ وہاں یہ خبر پہلے ہی پہنچ چکی تھی۔ گھر والوں نے پوچھا کہ آج آپ یہ کیا کر آئے ہیں، آپ نے بچوں کے مستقبل کا بھی خیال نہیں کیا؟ تو مولانا نے کہا کہ میں اسوہ حسینی پر عمل کر کے آیا ہوں، اب جو ہونا ہے ہو جائے۔ میں کسی کے لئے ڈر یا خوف سے مرعوب ہو کر حق کو حق کہنے سے باز نہیں رہ سکتا۔

میاں محمد عالم بٹالوی مرحوم ہی کی روایت کے مطابق جب مولانا مظہر علی اظہر مرض الموت میں مبتلا تھے تو میں ان کی عیادت کے لئے لاہور گیا۔ ہسپتال میں بستر پر لیٹے ہوئے تھے، میں ان کے سرہانے کھڑا تھا۔ اور مولانا لیٹے لیٹے جلدی جلدی کلمہ طیبہ کا ورد کر رہے تھے اور اسی حلات میں

اس دار فانی سے عالم جاودانی کو سدھار گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ رہے نام اللہ کا۔ نماز جنازہ ولی کامل حضرت مولانا عبید اللہ انور رحمہ اللہ نے پڑھائی۔ اس طرح ایک سچی زبان ہمیشہ کے لئے خاموش ہوگئی۔

جس دن مولانا مظہر علی اظہر مرحوم نے منیر انکوائری کورٹ میں قائد اعظم کے بارے میں جسٹس منیر کی تسلی کے لئے سچ کا اظہار کیا، دوسرے روز ملک کے تمام اخبارات میں یہ خبر جلی سرخیوں کے ساتھ شائع ہوگئی۔ کچھ دنوں بعد قطب زماں حضرت مولانا شاہ عبد القادر رائے پوری قدس سرہ اپنے چند متوسلین کے ہمراہ مولانا مظہر علی اظہر کی رہائش گاہ پر تشریف لے گئے اور ان کی جرأت ایمانی کی داد ان الفاظ میں دی:

مولانا! آپ نے تمام علماء کی لاج رکھ لی ہے، اللہ آپ کو جزائے خیر دے۔
(دفاع ختم نبوت : ۱۶۴)

تم غدار ابن غدار ہو

یادش بخیر! سکندر مرزا ملک کے صدر بنے بیٹھے ہیں۔ حسین شہید سہروردی وزیر اعظم پاکستان کا دور حکومت ہے۔ مغربی پاکستان میں ڈاکٹر خان صاحب وزیر اعلیٰ ہیں۔ نہیں معلوم اندر خانہ سہروردی صاحب اور سکندر مرزا کے درمیان کیا بات تھی، تاہم سہروردی صاحب نے ماسٹر تاج الدین انصاری اور شیخ حسام الدین صاحبان سے کہا کہ سکندر مرزا (صدر مملکت) کو مجلس احرار اسلام کے بارے میں غلط فہمی ہے، میں نے کوشش کی ہے کہ اس کا ذہن صاف ہو جائے لہذا آپ کی اس سے ملاقات مفید ثابت ہوگی۔

غرض کہ ماسٹر تاج الدین انصاری اور شیخ حسام الدین صاحبان سکندر مرزا سے ملاقات کے لئے گورنر ہاؤس لاہور چلے گئے اور سہروردی صاحب کی معیت میں اندر جا کر بیٹھ گئے۔ سکندر مرزا اپنے صدارتی جاہ و جلال کے ساتھ کمرے سے برآمد ہوا اور شاہانہ بے نیازی کے ساتھ فروکش ہو گیا۔ ڈاکٹر خان صاحب وزیر اعلیٰ صوبہ مغربی پاکستان ہمراہ تھے۔ سہروردی صاحب نے مرزا صاحب سے کہا کہ دونوں احرار رہنما، شیخ صاحب اور ماسٹر جی آئے ہیں، ان سے ملئے۔

مرزا نے حقارت سے جواب دیا کہ احرار ''پاکستان کے غدار ہیں''۔

ماسٹر جی ٹھنڈی طبیعت کے آدمی تھی۔ کہنے لگے کہ غدار ہیں تو پھانسی پر لٹکا دیجئے لیکن الزام کا ثبوت ہونا چاہئے۔ سکندر مرزا نے اسی رعونت سے جواب دیا، بس میں نے کہہ دیا کہ احرار غدار ہیں۔ ماسٹر جی نے تحمل کا رشتہ نہ چھوڑا لیکن مرزا صاحب نے سرکش گھوڑے کی طرح پٹھے پر ہاتھ ہی نہ دھرنے دیا۔ وہی ژاژ خائی، بس احرار غدار ہیں۔

شیخ صاحب نے غصہ میں کروٹ لی اور مرزا صاحب سے پوچھا، کیا کہا آپ نے؟

مرزا صاحب: میں نے!

شیخ صاحب: جی ہاں!

''احرار پاکستان کے غدار ہیں۔'' مرزا نے مٹھیاں بھینچتے ہوئے کہا۔

شیخ صاحب کہاں رکتے، گورنمنٹ ہاؤس، گورنر موجود، وزیر اعلیٰ موجود، وزیر اعظم موجود، صدر مملکت کی بارگاہ، فوراً جواب دیا:

> احرار غدار ہیں کہ نہیں، اس کا فیصلہ ابھی تاریخ کرے گی، تمہارا فیصلہ تو تاریخ کر چکی ہے کہ ''تم غدار ابن غدار ہو۔ تمہارے جد امجد میر جعفر نے نواب سراج الدولہ سے غداری کی تھی اور تم اسلام کے غدار ہو۔

اس پر ڈاکٹر خان صاحب نے فوراً شیخ صاحب مرحوم کو آغوش میں لے لیا اور سکندر مرزا سے پشتو میں کہا کہ میں نے تمہیں پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ ان لوگوں کے ساتھ شریفانہ لہجہ میں گفتگو کرنا یہ بڑے بے ڈھب قسم کے لوگ ہیں، انہوں نے تمہارے باوا انگریز کو معاف نہیں کیا۔

سہروردی حیران کن آنکھوں سے شیخ صاحب کو دیکھ رہے تھے۔ (ماسٹر جی کا اپنا بیان ہے کہ میں دل ہی دل میں ''جل تو جلال تو'' پڑھ رہا تھا) لیکن شیر کی ایک ہی دھاڑ سے بلی سپر انداز ہو چکی تھی۔ یکا یک سکندر مرزا کا لہجہ تبدیل ہو چکا تھا۔ (ماخوذ از چٹان) (دفاع ختم نبوت:۱۷۴)

مولانا فضل الرحمٰن احرار

سید فضل الرحمٰن احرار بھی ان بزرگوں کی لڑی کے ایک سچے موتی تھے جو ۱۹۱۲ء میں جگراؤں

Marfat.com

ضلع لدھیانہ میں سید بہادر علی شاہ گیلانی کے گھر پیدا ہوئے۔ والد مرحوم ایک درویش صفت بزرگ اور علاقے کے مشہور پیر تھے۔ ابتدائی دینی تعلیم مولانا محمد ابراہیم سلیم پوری، خلیفہ حضرت اقدس شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ سے حاصل کی۔ پھر لدھیانہ رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی کے ہاں حصول تعلیم کے لئے چلے گئے۔ بچپن ہی سے تحریکی مزاج تھا۔ چودہ سال کی عمر میں جگراؤں میں گائے کی قربانی دے کر قانون کی خلاف ورزی کی۔ اس کی پاداش میں جیل کاٹی اور انگریزوں، ہندوؤں اور سکھوں سے نبرد آزما رہے۔ ۱۹۲۹ء میں مجلس احرار اسلام کے قیام کے موقع پر اس میں شمولیت اختیار کی۔ مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی کیساتھ کام کا آغاز کیا۔ ہندوستان کے بیشتر علاقوں میں امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری، مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی رحمہما اللہ تعالیٰ علیہم و دیگر اکابر کے ہمراہ سفر کیا۔ بیعت کا سلسلہ شیخ العرب والعجم مولانا سید حسین احمد مدنیؒ سے تھا۔ بیعت کے لئے حضرت امیر شریعت کے ہمراہ دارالعلوم دیوبند تشریف لے گئے۔ ۱۹۳۹ء میں فیصل آباد میں احرار کانفرنس میں حضرت امیر شریعت، مولانا لدھیانوی، مولانا مظہر علی اظہر اور شورش کاشمیری کے ہمراہ شرکت کی۔ دو روز بعد جڑانوالہ میں تقریر کی۔ وارنٹ گرفتاری جاری ہوئے۔ مغربی پنجاب کا سفر مکمل کر کے مشرقی پنجاب میں اپنے آبائی شہر جگراؤں پہنچے تو محاصرہ میں آ گئے۔ انگریز اور گورکھا کا محاصرہ توڑ کر نکل گئے۔ خود طے شدہ پروگرام کے مطابق دفتر احرار جگراؤں کے سامنے سٹیج بنا کر تقریر کی۔ پھر دو نفل شکرانہ کے ادا کیے اور گرفتاری پیش کی۔ ہتھکڑی لگی تو نعرہ تکبیر لگا کر ہتھکڑی کو توڑ ڈالا۔

میں قانون محمدی کا پابند ہوں

مولانا ظفر علی خان نے جب عوامی جلسوں میں قادیانیت کے بخیے ادھیڑنے شروع کیے اور مرزا قادیانی کا ریمانڈ لینا شروع کیا تو انگریزی قانون اپنے خود کاشتہ پودے کی حفاظت کے لئے حرکت میں آ گیا۔ مولانا اور ان کے ساتھیوں کو ڈرانے دھمکانے کی کوششیں کی گئیں اور پھر ان سے نیک چلنی کی ضمانت طلب کی گئی۔ جھوٹی نبوت کے خالق فرنگی کو عاشق رسول ظفر علی خان نے جو باغیرت جواب دیا اسے پڑھ کر آج بھی گلشن ایمان میں بہار آ جاتی ہے۔ آپ نے فرمایا:

Marfat.com

جہاں تک مرزا غلام احمد کا تعلق ہے ہم اس کو ایک بار نہیں ہزار بار دجال کہیں گے۔ اس نے حضور ﷺ کی ختم المرسلینی میں اپنی نبوت کا ناپاک پیوند جوڑ کر ناموس رسالت پر کھلم کھلا حملہ کیا ہے۔ اپنے اس عقیدہ سے میں ایک منٹ کے کروڑویں حصہ کے لئے بھی دست کش ہونے کو تیار نہیں اور مجھے یہ کہنے میں کوئی باک نہیں کہ مرزا غلام احمد قادیانی دجال تھا، دجال تھا، دجال تھا۔ میں اس سلسلہ میں قانون انگریزی کا پابند نہیں، میں قانون محمدی ﷺ کا پابند ہوں۔
(تحریک ختم نبوت ص ۶۸ از شورش کاشمیریؒ)

میں جاتا ہوں

صاحبزادہ محمد اللہ شاہ استاد مظاہر العلوم سہارن پور بیان کرتے ہیں کہ سید آغا صدر چیف جسٹس ہائیکورٹ نے لاہور کے عمائد اور مشاہیر کو کھانے پر مدعو کیا۔ حضرت علامہ اقبالؒ بھی مدعو تھے۔ اتفاق سے اس محفل میں جھوٹے نبی کا جھوٹا خلیفہ حکیم نور الدین بھی بلا دعوت آ ٹپکا۔ جب عاشق رسول علامہ اقبالؒ کی نظر اس کذاب کے منحوس چہرہ پر پڑی تو غیرت ایمانی سے علامہ اقبالؒ کی آنکھیں سرخ ہو گئیں اور ماتھے پر شکن چڑھ گئے۔ فوراً اٹھے اور میزبان کو مخاطب کر کے کہا:

آغا صاحب! آپ نے یہ کیا غضب کیا کہ باغی ختم نبوت اور دشمن رسالت مآب ﷺ کو بھی مدعو کیا ہے اور مجھے بھی۔ میں جاتا ہوں، میں ایسی محفل میں ایک لمحہ بھی نہیں بیٹھ سکتا۔

حکیم نور الدین چور کی طرح فوراً حالات کو بھانپ گیا اور نو دو گیارہ ہو گیا۔ اس کے بعد میزبان نے علامہ اقبالؒ سے معذرت کی اور کہا کہ میں نے اسے کب بلایا تھا، یہ تو خود ہی گھس آیا تھا۔ (ناموس محمد کے پاسبان: ۱۹۰)

بندوقوں کے سائے میں آواز حق

کنری (سندھ) کو قادیانوں نے ربوہ ثانی بنا رکھا تھا۔ قادیانی مبلغین پورے علاقہ میں

Marfat.com

مچھروں کی طرح اڑتے پھرتے تھے۔ سینکڑوں مسلمان مرتد ہو چکے تھے۔ قادیانی زمینداروں اور ان کے پالتو غنڈوں کی وجہ سے مسلمان بے بسی کی زندگی گزار رہے تھے۔ ختم نبوت یا رد قادیانیت پر کچھ بیان کرنا اپنی موت کے پروانہ پر دستخط کرنے کے مترادف تھا۔ مجاہد ختم نبوت مولانا محمد علی جالندھریؒ کو جب مسلمانوں کے ان ناگفتہ بہ حالات کا پتہ چلا تو تڑپ اٹھے اور فوراً کنری جانے کا ارادہ فرمایا۔ کنری پہنچتے ہی جلسہ کا اعلان کر دیا، مسلمان اکٹھے ہو گئے، جلسہ گاہ بھر گئی، پولیس انسپکٹر بھاگا بھاگا مولانا صاحب کے پاس آیا اور کہنے لگا، مولانا قادیانی خون خرابہ کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔ اس لئے میں آپ کی حفاظت نہیں کرسکتا، برائے مہربانی جلسہ نہ کریں۔

مجاہد ختم نبوت مولانا محمد علی جالندھریؒ نے بڑے وقار سے جواب دیا، بھائی زندگی اور موت صرف خدا کے ہاتھ میں ہے، مجھے کسی کی حفاظت کی کوئی ضرورت نہیں، جلسہ ضرور اور ضرور کروں گا۔

ادھر مولانا تقریر کرنے کے لئے سٹیج پر تشریف لائے، ادھر بیس پچیس قادیانی غنڈے بندوقوں سے مسلح سٹیج پر چڑھ آئے اور سٹیج کو چاروں طرف سے گھیر لیا اور مولانا کو مخاطب کر کے کہا کہ اگر آپ نے مرزا قادیانی کے بارے میں کچھ کہا تو ساری بندوقیں گولیاں اگلیں گی اور آپ کے سینے سے پار ہو جائیں گی۔ مولانا نے بڑی جرأت کے ساتھ ان کی دھمکی کو سنا اور پھر بڑی پھرتی کے ساتھ سٹیج سے نیچے اتر گئے اور اپنے ایک دوست کو زندگی کی آخری وصیت لکھوائی۔ بچوں، رشتہ داروں اور مجلس تحفظ ختم نبوت کے بارے میں باتیں کیں اور پھر جلال میں آئے ہوئے شیر کی طرح جست لگا کر سٹیج پر پہنچ گئے اور قادیانی غنڈوں کو مخاطب کر کے کہا کہ میں مرزا قادیانی کی مرمت کرنے لگا ہوں، تم اپنی بندوقیں سیدھی کرلو، محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام کا سینہ حاضر ہے۔

دو گھنٹے کی تقریر فرمائی، قادیانیت کا پوسٹ مارٹم کیا۔ مرزا قادیانی کی خرافات عوام کو سنائیں لیکن رب العزت کے فضل وکرم سے کسی قادیانی غنڈے کو ہاتھ اٹھانے کی جرأت تک نہ ہوئی۔

خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

(ناموس محمد کے پاسبان: ۱۹۲)

Marfat.com

شوکت علی کا فرنگی کورٹ میں بیان

قانون دو ہیں۔قرآنی اور انسانی اور میری وفاداری صرف قرآن کے لئے ہے جو طاقت اسلام سے ٹکراتی ہے۔اس سے جنگ آزمائی میرا قومی وظیفہ ہے۔ میں یہ تسلیم ہی نہیں کر سکتا کہ برطانوی حکومت کو ہمیں غلام بنانے کا حق بھی ہے۔ (کراچی ۲۴ اکتوبر ۱۹۲۱)

فرنگی عدالت میں حسرت موہانی کی حق گوئی

میرا یہ اعتقاد خون کی گردش کے ساتھ رواں دواں ہے کہ برطانیہ کو ہندوستان سے نکل جانا چاہئے یا نکال دینا چاہئے۔میرے نزدیک غلامی اور آزادی میں مصالحت کی کوئی راہ نہیں ہے۔ (کانپور اکتوبر ۱۹۲۱)

فرنگی عدالت میں چوہدری فضل حق کا بیان

میں نے کوئی غلطی نہیں کی، میں نے تو اس غلطی کے خلاف احتجاج کیا ہے جو ہندوستان نے غلامی کی صورت میں اختیار ہوئی تھی۔ (ہوشیار پور ۱۹۲۱)

رئیس الاحرار کا فرنگی کورٹ میں اظہار حق

میرا عقیدہ ہے کہ سطح ارضی کے اجلے دامن پر برطانوی حاکمیت معصیت کا ایک سیاہ داغ ہے اور اس داغ کو اگر دھونا جرم ہے تو میں اقرار جرم کرتا ہوں۔ کہیے آپ کے قانون کی منشا کیا ہے؟ (لدھیانہ ۱۹۳۰)

فرنگی عدالت میں شورش کاشمیری کی شورش

مجھے اعتراف ہے کہ میرے الفاظ کی شدت سے قانون کے ماتھے پر برہمی پیدا ہوگئی ہے، لیکن میں کیا کروں؟ خود میرا دماغ اپنے ملک کی غلامی کے تصور سے

Marfat.com

زخمی ہے اور مجھے اس سے گھن آتی ہے کہ میری قوم نے زنجیروں ہی کو زندگی کا سہارا بنالیا ہے۔ مجھے خوشی ہوگی اگر یہ عدالت جو ہندوستانی کہلاتی ہے، کرسی کو چھوڑ کر ملزموں کے کٹہرے میں آجائے اور سوچے تو یہ اس کے لئے تاریخ کی منصفانہ پکار ہے۔ (ملتان دسمبر ۱۹۳۹)

فرنگی عدالت میں شیخ حسام الدین کا اظہار خیال

اگر یہ کہنا جرم ہے کہ برطانیہ ہندوستان سے دست بردار ہو جائے تو میں عدالت کو اپنے فیصلے سے مطلع کرنا چاہتا ہوں کہ میں نے اس عقیدے کی اشاعت کو اپنا کاروبار بنالیا ہے۔ (لاہور دسمبر ۱۹۳۹)

فرنگی عدالت میں سردار محمد شفیع کا بیان

جب میں اس عدالت کو تسلیم ہی نہیں کرتا تو پھر بیان کیسا؟ (دہلی ۱۹۴۲ء)

فرنگی کورٹ میں عنایت محمد پسروری کی حق گوئی

قانون دفاع ہند انسانی ضابطہ ہے اور قرآن مجید ربانی۔ میں نے قرآن کی پکار پر انسان کے قانون کو توڑا ہے۔ (راولپنڈی ستمبر ۱۹۱۹ء)

فرنگی عدالت میں قاضی احسان احمد شجاع آبادی کا عزم

میں صرف یہ بتانا چاہتا ہوں کہ آپ نے جو مقدمہ مجھ پر بنایا ہے، اس نے میرے حوصلوں کو شکست نہیں دی بلکہ مجھے یقین ہوگیا ہے کہ برطانوی سامراج چہرہ امروز پر برص کا بدنما داغ ہے۔ (امرتسر ۱۹۳۹ء)

فرنگی کورٹ کے سامنے محمد حسین غازی کی حق گوئی

مسٹر مجسٹریٹ! آپ جسے جرم سمجھ رہے ہیں، وہ تو سچائی کا اظہار ہے۔ اور میں

نے سزا سن کر فیصلہ کر لیا ہے کہ جب تک زندہ رہوں گا اس کی اشاعت میرے نصب العین میں داخل ہے۔ (لاہور ۱۹۴۲ء)

فرنگی عدالت میں ماسٹر تاج الدین انصاری کی بیبا کی

اگر مجھ میں ضمیر کی سچائی کا جوہر نہ ہوتا تو میں آپ کی غلامی کا اقرار سکتا تھا۔ (لدھیانہ ۱۹۲۱ء)

مولانا محمد گلشیر کی گرج

مسٹر مجسٹریٹ! آپ مسلمان ہیں اور مجھ سے پوچھتے ہیں کہ میں نے قانون دفاع ہند کی دفعہ ۳۸ کو توڑا ہے؟ جی ہاں! لیکن آپ کہیے کہ آپ نے برطانوی غلامی قبول کر کے خدائی قانون سے بغاوت نہیں کی؟ (میانوالی ۱۹۳۹ء)

فرنگی عدالت میں احسن عثمانی کی حق گوئی

آپ میرے لئے خواہ کچھ سزا تجویز کریں، لیکن میں محسوس کرتا ہوں کہ اس جنگ میں بحیثیت ہندوستانی برطانوی شہنشاہیت کا دفاع ملک وقوم کے ضمیر سے غداری ہے۔ (سرگودھا فروری ۱۹۴۰)

فرنگی عدالت میں علامہ انور صابری کی بے صبری

اگر حق وصداقت کا اظہار جرم ہے تو میں اس جرم کا اقرار کرتا ہوں۔ (اعظم گڑھ ۱۹۴۱ء)

فرنگی کورٹ میں علی بہادر خان کی بہادری

مجھے فخر ہے کہ میں نے اپنی قوم کے دماغ اور دل میں انقلاب کے تخم کی آبیاری کی ہے اور یہی ایک مقصد ہے جس کی آرزو مجھے عدالت کے کٹہرے میں کشاں

Marfat.com

کشاں لے آئی ہے۔ (بمبئی ستمبر ۱۹۴۲ء)

فرنگی عدالت میں مولانا عبدالرحمٰن میانوی کی حق گوئی

جس حکومت کے اعوان و انصار نے غلاف کعبہ جلایا ہو، میں اس کی طرف اشتراک کا ہاتھ کیوں کر پھیلا سکتا ہوں؟ (ملتان ۱۹۳۹ء)

فرنگی عدالت میں مولانا احمد سعید دہلوی کا اظہار حق

میں خوش ہوں کہ مجھے بڑھاپے کے سن و سال میں جوانی کے خوابوں کی تعبیر مل گئی ہے۔ برطانوی نظام رخت سفر باندھ کر رخصت ہو رہا ہے۔

(اعظم گڑھ ۱۹۴۰ء)

میں اس سے باز نہیں آ سکتا

یہ ۱۹۷۰ء تھا جب ملتان میں مجلس تحفظ ختم نبوت کی مقامی کانفرنس منعقد ہوئی۔ مولانا محمد علی جالندھری نے تقریر کرتے ہوئے اپنا ایک واقعہ بیان فرمایا کہ ایک بار میں اور مولانا لال حسین اختر تحصیل کنری (سندھ) میں جماعت کے تبلیغی پروگرام کے سلسلہ میں گئے۔ تحصیل کنری میں مرزائیوں کی بہت زیادہ زمینیں اور علاقے ہیں۔ ان کی حیثیت وہاں کسی بھی نواب سے کم نہیں۔ ہمارے وہاں روانہ ہونے سے قبل ہمارے خیر خواہوں نے ہمیں بتا دیا کہ وہاں آپ کی جان کو خطرہ ہے۔ ہم نے کہا، بھائی اب تو اعلان کیا جا چکا ہے، اب نہ جانا عہد ختم نبوت سے بے وفائی ہے۔ ہم گئے۔ وہاں کے لوگوں نے زمین پر گھاس پھوس بچھا کر تقریر کا پروگرام بنایا۔ مولانا لال حسین اختر نے دن کو تقریر کرنا تھی اور میں نے رات کو۔ جب مولانا کی تقریر شروع ہوئی تو ایک شخص آیا کہ ڈی ایس پی صاحب بلاتے ہیں۔ خیر ایک آدمی گیا۔ ابھی تھوڑی دیر ہی گزری تھی کہ ڈپٹی کمشنر صاحب اس آدمی کے ساتھ تشریف لائے اور ہمارے ساتھ بیٹھ گئے اور فرمانے لگے، مولانا آپ جو چاہیں تقریر فرمائیں مگر مرزا غلام احمد قادیانی کا نام نہ لیں۔ میں نے مولانا لال حسین اختر سے عرض کیا کہ وہ تھوڑی دیر تک اپنی تقریر روک دیں اور میں بات کروں۔ میں نے

Marfat.com

عرض کیا:

ہم لوگ یہاں نماز روزہ کی بات کرنے نہیں آئے۔ وہ تو یہاں کے مقامی علماء بتاتے ہی رہتے ہیں۔ ہمیں پتہ چلا ہے کہ آپ کی سرزمین میں بھی قصر ختم نبوت کی بنیادیں کھوکھلی کرنے کیلئے چوہے آگئے ہیں، میں ان کی گولیاں لے کر آیا ہوں۔ ڈپٹی کمشنر صاحب! یاد رکھیں جہاں جہاں مرزائی ہوں گے، اپنی جھوٹی نبوت کا پرچار کریں گے اور مسلمانوں کے ایمان پر ڈاکہ ڈالیں گے، وہاں میں خود مرزا قادیانی کی ذات پر بحث کروں گا۔ کیونکہ اس نے نبی بن کر اپنی ذات کو منوانے کی دعوت دی ہے اور جب نبی اپنی ذات منوانے کی بات کر رہا ہے تو اس کی ذات پر بحث کی جاتی ہے کہ وہ سچا ہے یا جھوٹا، دھوکہ باز ہے یا مخلص۔ میں اس بات سے باز نہیں آسکتا۔ بے شک میری جان چلی جائے۔ کیونکہ ہم نے نبی اکرم ﷺ سے وفا کا عہد باندھ رکھا ہے۔

ڈپٹی کمشنر صاحب خاموشی سے چلے گئے اور ہم نے عقیدہ ختم نبوت مسلمانوں کو سمجھایا اور کسی نے ہمارا بال بیکا نہیں کیا۔

(حضرت مولانا محمد علی جالندھری ص ۱۶۱ تا ۱۶۳ از پروفیسر ڈاکٹر نور محمد غفاری)

مفتی محمد حسن امرتسری کا کلمہ حق

جناب احسان قریشی حضرت مفتی محمد حسن صاحب کی مجلس میں نیلا گنبد پہنچتے ہیں۔ شفاء الملک حکیم محمد حسن قریشی پاس بیٹھے ہیں۔ مفتی صاحب کے صاحبزادے مولانا قاری محمد عبید اللہ مجلس کو مولانا اشرف علی تھانویؒ کے ملفوظات سنا رہے ہیں کہ ایک طالب علم آکر اطلاع دیتا ہے کہ گورنر پنجاب سردار عبد الرب نشتر نیچے آئے ہوئے ہیں اور اوپر آنے کی اجازت چاہتے ہیں۔ مفتی صاحب نے فرمایا کہ سردار صاحب کو آنے دو۔ سردار نشتر جب اوپر تشریف لاتے ہیں تو احسان قریشی صابری پرنسپل کمرشل کالج سیالکوٹ ان کے استقبال کے لئے اٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔ شفاء الملک حکیم محمد حسن قریشی نے بھی اٹھ کر سردار صاحب کو ملنا چاہا مگر مفتی صاحب کے

Marfat.com

سامنے وہ جرأت نہ کر کے اور تمام حاضرین مجلس بھی گورنر کا استقبال کئے بغیر جامد و ساکت رہے۔ مفتی صاحب نے گورنر کے سامنے احسان قریشی کو ڈانٹا اور سختی سے کہا کہ تم کیوں اٹھے ہو؟ جب تمام حاضرین مجلس بیٹھے ہوئے ہیں، میں بھی بیٹھا ہوا ہوں تو تمہارا اٹھنا آداب کے خلاف ہے، آئندہ سے محتاط رہو، یہ فقیر کی مجلس ہے، اس مجلس میں شاہ و گدا سب برابر ہیں۔ سردار صاحب گورنر ہیں اور تم ایک مدرس ہو، اس مجلس میں تم دونوں برابر ہو۔

احسان قریشی صاحب نے معافی چاہی تو مفتی صاحب نے اس کے جواب میں یہ حدیث نبوی سنائی، ''شاباش ہے اس امیر پر جو فقیر کے دروازے پر چل کر جائے، وہ بہترین امیر ہوگا۔ افسوس ہے اس فقیر پر جو امیر کے دروازے پر جائے۔''

سردار صاحب کے ماتھے پر یہ کلمہ حق سن کر تیوری نہیں آئی۔ انہوں نے آمروں کی طرح مفتی صاحب کو ٹھکانے لگانے کا حکم نہ دیا بلکہ جب مجلس ختم ہوئی تو گورنر صاحب واپسی کے وقت حضرت مفتی صاحب سے مصافحہ کرتے ہیں۔ مفتی صاحب کے ہاتھ چومتے ہیں اور آنسوؤں کی لڑیاں پروتے ہوئے الٹے پاؤں باادب واپس چلے جاتے ہیں۔

یہ ہیبت حق تھی۔ کہاں وہ مونچھ جس کے ہلنے سے بھارت کے مرد آہن کا دل خوف کھانے لگتا تھا اور کہاں یہ ایک مرد حق کا دربار جس میں گورنر آتے ہوئے سرنگوں ہو جاتے تھے۔ جب تک یہ مردان حق رہے، پاکستان سالم و یکتا رہا اور جب انہوں نے پیٹھ پھیر لی اور امراء و رؤسا، علماء و مخادیم اور سجادہ نشین اقتدار کی چوکھٹ اور آمریت کی دہلیز پر سجدہ کرنے لگے تو پاکستان دو ٹکڑے ہو گیا۔ (چند ناقابل فراموش واقعات بحوالہ مردان حق ۲۴۷)

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کی جرأت و بیباکی

حضرت علامہ عثمانیؒ پاکستان کی پہلی دستور ساز اسمبلی کے رکن تھے اور وہاں شب و روز اسلامی دستور کے سلسلہ میں دوسرے ارکان سے بحث و مباحثہ رہتا تھا۔ ایک مرتبہ مولانا کی کسی تجوزی پر غالباً (سابق گورنر جنرل) غلام محمد صاحب نے یہ طعنہ دیا کہ ''مولانا یہ امور مملکت ہیں، علماء کو ان باتوں کی کیا خبر؟ لہٰذا ان معاملات میں علماء کو دخل اندازی نہ کرنی چاہیے۔

اس موقع پر حضرت علامہ نے جو تقریر فرمائی اس کا ایک بلیغ جملہ یہ تھا:

ہمارے اور آپ کے درمیان صرف اے بی سی ڈی کے پردے حائل ہیں۔ ان مصنوعی پردوں کو اٹھا کر دیکھئے تو پتہ چلے گا کہ علم کس کے پاس ہے اور جاہل کون ہے؟ (اکابر علماء دیوبند کیا تھے؟ از مفتی محمد تقی عثمانی)

شاہ فیصل کے سامنے کلمہ حق

جب شاہ فیصل مرحوم تخت پر رونق افروز ہوئے، اس سال حضرت شیخ (مولانا محمد یوسف بنوری) حج کے لئے تشریف لے گئے تھے۔ منیٰ میں شاہ فیصل مرحوم سے ملاقات ہوئی۔ مصافحہ کے بعد ہاتھ پکڑ کر ارشاد فرمایا کہ ان ایام مقدسہ میں جب کہ حجاج کرام مناسک حج ادا کر رہے ہیں، اس طرف سے غنا کی آواز آرہی ہے، اس کو بند کرا دیجئے۔ اس پر ملک فیصل مرحوم نے برجستہ جواب دیا کہ ان شاء اللہ پھر نہیں ہوگا۔ الحمد للہ اسی وقت غنا بند کرا دیا گیا۔

(جمال یوسف: ۱۴۹)

ہمارا منصب اور ذمہ داری

ایک دفعہ ایوب خان کے دور اقتدار میں علماء کو ڈپٹی کمشنر نے دعوت دی۔ حضرت شیخ بنوریؒ بھی تشریف لے گئے۔ ڈپٹی کمشنر نے علماء سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ آپ حضرات حکومت سے تعاون کریں اور منبر پر بیٹھ کر حکومت پر تنقید کرنے سے گریز کریں۔ یہ سنتے ہی حضرت شیخ بنوریؒ کھڑے ہو گئے اور ڈی سی کو مخاطب کر کے فرمایا:

آپ جس کرسی پر متمکن ہیں، اگر آپ ایوب خان کے خلاف کوئی بات کہیں تو کیا آپ اس کرسی پر برقرار رہیں گے؟ ڈی سی نے کہا نہیں۔ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں جس منصب پر فائز فرمایا، اگر اس منصب کی ذمہ داریاں ہم پوری نہیں کریں گے تو ہم بھی اس منصب پر قائم نہیں رہ سکتے۔ اللہ اور رسول ﷺ نے ہمیں منبر پر بٹھا کر کچھ فرائض ہم پر عائد کئے ہیں۔ ان فرائض کو ادا نہ کرنے کی

Marfat.com

صورت میں ہم بھی اسی کرسی دین سے محروم ہو جائیں گے۔

حضرت شیخ بنوریؒ کی زندگی کے بے شمار واقعات شاہد ہیں کہ کسی موقعہ پر مصالح کی آڑ میں حق گوئی سے تسامح نہیں فرمایا، ہر باطل کے مقابلہ میں سیف بے نیام تھے۔ (جمال یوسف: ۱۴۹)

اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

ایوب خان کے دور اقتدار میں محکمہ اوقاف کو حکم دیا گیا کہ مدرسہ اسلامیہ بنوری ٹاؤن پر فوراً قبضہ کرلیا جائے۔ چنانچہ محکمہ اوقاف کی طرف سے قبضہ کرنے کی تیاری مکمل کرلی گئی۔ اسی حکم کی تعمیل کے سلسلہ میں چیف ایڈمنسٹریٹر اوقاف مدرسہ میں آیا۔ جب حضرت شیخ بنوریؒ کو اطلاع ہوئی، دفتر میں تشریف لائے، ملاقات کے بعد چیف ایڈمنسٹریٹر کو کتب خانہ دکھایا۔ تفصیلی معائنہ کرانے کے بعد فرمایا، یہ بتایئے کہ کوئی شخص بڑی محنت اور کاوش کے ساتھ مختلف جگہوں سے ایک ایک پودا لاکر شاندار باغ لگائے، جب باغ مثمر اور بار آور ہونے لگے تو ایک ظالم آکر تمام باغ کو ویران کردے تو کیا مالک باغ کو تکلیف نہیں ہوگی؟ فرمایا، یہ علمی چمن ہے، اس میں اس وقت جتنی قیمتی اور نادر کتب موجود ہیں، کس کو معلوم ہے کہ میں نے کس محنت اور عرق ریزی سے ان کو جمع کیا۔ بلاد عرب کے گوشہ گوشہ سے علمی جواہرات لاکر اس کتب خانہ میں رکھ دیئے۔ اب اس حدیقۃ العلم کو اگر کوئی ظالم ویران کرنا چاہے تو بتایئے مجھے کتنی اذیت پہنچے گی۔

اس کے بعد حضرت شیخ بنوریؒ نے جلالی شان سے اس کے گریبان پر ہاتھ رکھ کر فرمایا کہ قیامت کے روز تمہارا گریبان پکڑ کر احکم الحاکمین کے دربار میں استغاثہ پیش کروں گا کہ اس نے علمی چمن کو ویران کیا تھا۔

شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی اس گفتگو سے چیف ایڈمنسٹریٹر اس قدر متاثر ہوا کہ کہنے لگا، مولانا! آپ مطمئن رہیں، انشاء اللہ یہ چمن یونہی رہے گا۔ چنانچہ واپس جاکر چیف نے حکومت کو رپورٹ پیش کی کہ میں نے مدرسہ کا معائنہ کیا، ایسے مدرسہ پر حکومت کا قبضہ کرنا خود حکومت کے لئے بدنامی کا باعث ہوگا۔ چند دنوں کے بعد حکومت کی طرف سے اطلاع آئی کہ ہم نے حکم واپس لے لیا۔

آئین جواں مرداں حق گوئی و بیباکی
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی
(جمال یوسف: ۱۵۰)

شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان کی حق گوئی

جن دنوں تحریک ختم نبوت ۱۹۷۴ء پورے عروج پر تھی اور جوش وخروش کے ساتھ منزل مراد کی طرف رواں دواں تھی تو وزیر اعظم بھٹو نے شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان سے ایک ملاقات کے دوران درشت لہجہ میں کہا، مولانا! آپ کے یہ دارالعلوم ہے یا تحریکوں کا ہیڈکوارٹر؟ شیخ القرآن نے برجستہ جواب دیا:

وزیر اعظم صاحب! میرے مدرسہ کا نام ہے دارالعلوم تعلیم القرآن اور قرآن کی تعلیم یہ ہے: ما کان محمد ابا احد من رجالکم ولکن رسول الله و خاتم النبیین (سوانح حیات مولانا غلام اللہ خان: ۲۸۸)

Marfat.com

میں تمہاری گولیوں سے ڈرنے والا نہیں

ایک مرتبہ رستم سرگانہ ضلع جھنگ میں جلسہ تھا۔ وہاں زیادہ آبادی شیعہ فرقہ کی ہے۔ مولانا منظور حسین نے جو آج کل پیپلز کالونی فیصل آباد میں خطیب ہیں، رستم سرگانہ میں شیخ القرآن (مولانا غلام اللہ خان) کو دعوت دی۔ وہاں کے رئیس رب نواز خان بھی جلسہ میں موجود تھے جو علاقہ میں بااثر آدمی ہے۔ جب شیخ القرآن نے تقریر شروع کی، صحابہ کرامؓ اور اہلبیتؓ عظام کی شان قرآن مجید سے بیان کی اور دشمنان صحابہؓ کے متعلق حدیث میں وارد وعیدیں بیان کیں تو مخالفین جو بڑی تعداد میں اسلحہ سے لیس مسجد کے باہر موجود تھے، نے فائرنگ شروع کر دی، جس سے نہ صرف مجمع میں بھگدڑ مچ گئی بلکہ جلسہ کے منتظمین جن میں رب نواز خان اور مولانا منظور بھی شامل تھے، سب بھاگ گئے۔ صرف شیخ کے پروانے تھوڑی سی تعداد میں موجود رہے۔ شیخ نے اپنا گریبان پھاڑ دیا اور سینہ ننگا کر کے فرمایا،

''میرے سینہ میں گولی ماردو، میں تمہاری گولیوں سے ڈرنے والانہیں ہوں۔
میں تقریر مکمل کیۓ بغیر نہیں جاؤں گا، تم جو چاہو کرلو۔''
پھر پورے جوش اور جرأت کے ساتھ ایسی مدلل تقریر کی کہ لوگ بے حد متاثر ہوئے۔
فائرنگ بند ہوگئی اور سب نے خاموشی کے ساتھ تقریر سنی۔

شیخ کی جرأت، استقلال اور شجاعت دیکھ کر سب حیران تھے اور اپنی بزدلی پر نادم وشرمسار۔ رب نواز خان اور دوسرے ساتھی سب واپس آ گئے۔ رب نواز خان شیخ کے گرویدہ ہو گئے اور پھر دو مرتبہ دورہ تفسیر شیخ سے پڑھا۔ سارے علاقے میں شیخ کی علمی دھاک بیٹھ گئی اور لوگوں پر بہت اچھا اثر پڑا۔ (سوانح شیخ القرآن' مولانا غلام اللہ خان: ۹۴)

شیخ القرآن کی غیرت ایمانی

جب فیلڈ مارشل محمد ایوب خان کا اقتدار عروج پر تھا اور مغربی پاکستان پر ملک امیر محمد خان آف کالاباغ جیسا سخت گیر اور جابر گورنر مسلط تھا، دونوں کا اقتدار مطلق العنان تھا۔ تنقید کا جرم ناقابل معافی گردانا جاتا تھا۔ بڑے بڑے سیاستدان ان کے جبر واستبداد کے سامنے گھٹنے ٹیک چکے تھے۔ اسی زمانہ میں مارچ ۱۹۶۶ء میں آنجہانی لیوشاؤچی صدر چین دورہ پاکستان کے موقع پر راولپنڈی پہنچے تو ان کے استقبال میں دوسری تقریبات کے ساتھ سکولوں اور کالجوں کی دس ہزار نوعمر بچیوں کا رقص بھی شامل تھا۔ پاکستان کی تاریخ میں پہلی مرتبہ کسی شخصیت کا استقبال نوجوان لڑکیوں کے ڈانس سے کرنے کی حیاسوز حرکت عمل میں آئی تھی۔ اس پر متزاد یہ کہ صدر ایوب نے مغربی پاکستان کے گورنر ملک امیر محمد خان کو حکم دیا کہ میں نے دس ہزار لڑکیوں کا ڈانس کرایا ہے اور تم نے لاہور میں پندرہ ہزار لڑکیوں کا ناچ کرانا ہے۔ لیکن اس موقع پر گورنر موصوف نے غیرت ملی کا ثبوت دیا اور صدر کے حکم سے سرتابی کرتے ہوئے بڑی جرأتمندی سے کہا کہ اگر لاہور ایئرپورٹ پر ایک لڑکی بھی نظر آئی تو میں اس کی ٹانگیں توڑ دوں گا۔

بہر حال قوم کی معصوم بچیوں کی شرم وحیا کو سرعام پامال ہوتا دیکھ کر اسلامی حمیت اور قومی غیرت نے شیخ القرآن کے جذبات کو بھڑکا دیا۔ پھر شیخ کی بارعب اور گرجدار آواز نے اصحاب

Marfat.com

اقتدار کو غیرت دلائی۔ انہیں اس سنگین جرم کے نتائج و عواقب سے آگاہ کیا اور اپنی جرأتمندانہ تنقید سے افضل الجهاد كلمة الحق عند سلطان جابر کا فریضہ ادا کیا۔ لیاقت باغ کے وسیع میدان میں لاکھوں کے اجتماع سے عید کے خطبہ میں آپ نے فرمایا:

چین پاکستان کا مخلص دوست ہے۔ ۱۹۶۵ء کی جنگ میں اس کی غیر مشروط حمایت پر ہم اس کی جتنی قدر کریں، کم ہے۔ لیکن قوم کی نوجوان طالبات کا صدر چین کے سامنے رقص پرلے درجے کی بے غیرتی اور اسلامی روایات کے سراسر خلاف ہے۔ قوم کی بیٹیوں کا ناچ کسی تقریب میں پیش کرنا اپنی غیرت کا جنازہ نکالنا ہے۔ ہم جس کی بڑی بڑی مونچھیں دیکھ کر بدمعاش سمجھتے تھے، وہ تو غیرتمند مسلمان نکلا اور جسے پٹھان ہونے کے ناطے غیرتمند تصور کرتے تھے وہ انتہائی بے غیرت نکلا۔ صدر نے قوم کی بچیوں سے ڈانس کرایا ہے۔ مزہ تو تب آتا کہ اپنی بیٹیوں سے ڈانس کراتا۔ (سوانح شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان: ۲۲۴)

مفتی محمود اور ان کے رفقاء کی حق گوئی

۱۴ نومبر کو چھوٹی سی اپوزیشن حکومت کے لئے مسئلہ بن گئی۔ حکومت آئین میں چند اہم ترامیم کر کے عدالتوں کے اختیارات محدود کرنا چاہتی تھی۔ چنانچہ اس نے من مانی کرنے کے لئے خلاف ضابطہ یہ ترمیمی بل بغیر کسی نوٹس کے ایوان میں پیش کر دیا۔ اپوزیشن نے اس پر شدید مزاحمت کی۔ اس کا کہنا تھا کہ ہمیں ترمیمی بل پر غور کرنے اور ترامیم پیش کرنے کے لئے مناسب وقت دیا جائے۔ قریباً پون گھنٹے تک ایوان میں اس مسئلے پر زبردست ہنگامہ رہا اور اپوزیشن نے سرکاری بنچوں کو کوئی کارروائی نہ کرنے دی۔ اس کا حل اسپیکر نے یہ سوچا کہ اپوزیشن کے تین ارکان چوہدری ظہور الٰہی وغیرہ کو ایوان سے باہر نکل جانے کا حکم دیا مگر ان ارکان نے سنی ان سنی کر دی۔ جب اس سے بات نہ بنی تو سارجنٹ ایٹ آرمز کو طلب کیا گیا کہ ان سے ہماری جان چھڑاؤ۔ اس کے ساتھ ہی اسپیکر نے اجلاس شام چھ بجے تک ملتوی کرنے کا اعلان کر دیا۔ اس دوران سارجنٹ ایٹ آرمز نے اپوزیشن کو باہر نکالنے کی سر توڑ کوشش کی مگر ناکام رہا۔ ادھر

Marfat.com

جماعت اسلامی کے صاحبزادہ صفی اللہ نے اٹھ کر مغرب کی اذان دینا شروع کردی۔ ایوان کے اندر ہی دری بچھی اور جماعت کھڑی ہوگئی۔ مولانا مفتی محمود امام، چوہدری ظہور الٰہی، ڈاکٹر غلام حسین، ملک محمد سلیمان، مولانا عبدالحق، ذوالفقار علی باجوہ، صاحبزادہ صفی اللہ، پروفیسر غفور اور مخدوم نور محمد مقتدی۔ بعد میں مولانا غلام غوث ہزاروی بھی آ کر جماعت میں شامل ہوگئے۔

نماز ادا کرنے کے بعد اپوزیشن کے تمام ارکان ایوان میں بیٹھ گئے لیکن اجلاس پروگرام کے مطابق شام چھ بجے شروع نہ ہوا۔ شروع ہوتا بھی کیسے؟ دشمن جاں تو اندر بیٹھے ہوئے تھے۔ اس دوران ایف ایس ایف کی خدمات حاصل کی گئیں۔ جس نے اپوزیشن ارکان کو زبردستی مکے، ٹھڈے اور دھکے مار کر باہر نکالا۔ اکیلے چوہدری ظہور الٰہی کو چھ افراد نے اٹھا کر باہر پھینکا۔ یہی عمل پروفیسر غفور کے ساتھ بھی دہرایا گیا۔ مفتی صاحب جو صرف اسمبلی ممبر یا اپوزیشن لیڈر ہی نہ تھے، بلکہ ملک کے ممتاز عالم دین اور مذہبی پیشوا ہونے کی حیثیت سے انتہائی قابل احترام تھے، ''دیدے پٹم'' حکومت نے انہیں بھی دھکے دلوا کر باہر نکالا۔ مفتی صاحب جب سیڑھیاں اترتے ہوئے وزیر اعظم چیمبرز کے سامنے آئے تو مسٹر بھٹو اتفاق سے وہاں موجود تھے، مفتی صاحب وہیں چیمبرز کے سامنے سیڑھیوں پر بیٹھ گئے۔ گویا کہہ رہے ہوں:

خدا ترا بت کم سن دراز سن تو کرے
ستم کے تو بھی ہو قابل خدا وہ دن تو کرے

مفتی صاحب، ظہور الٰہی اور ایک اور رکن کو اس ہنگامے میں زخم بھی آئے۔ جب اخبارات میں جفا کی یہ کہانی چھپی تو پڑھنے والوں کو افسوس بھی ہوا، پریشانی بھی اور ہونٹوں پر خندہ استہزاء بھی ابھرا۔ دانا لوگوں کا کہنا تھا کہ مسٹر بھٹو اس طرح آخر کب تک حکومت کرسکیں گے؟ جو بات لوگ سوچ رہے تھے وہ دراصل خود مسٹر بھٹو کے سوچنے کی تھی۔ بہر حال حکومت کے اس طرز عمل سے قطعی واضح ہوگیا کہ وہ کیا ہے؟ اور اپوزیشن بار بار اسمبلی کا بائیکاٹ کیوں کرتی ہے؟

(مولانا مفتی محمود حیات و خدمات ۲۲۸)

Marfat.com

سید امین گیلانی کا نعرہ حق

مولانا امین گیلانی اپنی کتاب ’’عجیب و غریب واقعات‘‘ میں لکھتے ہیں:

جنرل اعظم کے حکم سے لاہور میں کشتوں کے پشتے لگ رہے تھے، تحریک ختم نبوت ۱۹۵۳ء اپنے جوبن پر تھی۔ پولیس مجھے اور بہت سے میرے ساتھیوں کو ہتھکڑیاں پہنا کر قیدیوں کی بس میں بٹھا کر شیخوپورہ سے لاہور کی طرف روانہ ہوگئی۔ اسیران ختم نبوت بس میں نعرے لگاتے ہوئے جب لاہور کی حدود میں داخل ہوئے تو ملٹری نے بس روک لی اور سب انسپکٹر کو نیچے اترنے کا حکم دیا۔ ایک ملٹری آفیسر نے اس سے چابی لے کر بس کا دروازہ کھول دیا اور بڑے رعب و جلال سے گرجا، تمہیں معلوم نہیں نعرے لگانے والے کو گولی مارنے کا حکم ہے، کون نعرے لگاتا تھا؟ اس اچانک صورت حال سے سب پر ایک سکوت سا طاری ہوگیا۔ معاً میرا ہاشمی خون کھول اٹھا، میں نے تن کر کہا، میں لگاتا تھا۔ اس نے بندوق میرے سینے پر تان کر کہا، اچھا اب لگاؤ نعرہ۔ میں نے پرجوش انداز سے نعرہ لگایا، میرا کالی کملی والا۔ سب نے باآواز بلند جواب دیا، زندہ باد۔ اس کی بندوق کی نالی نیچے ڈھلک گئی۔ منہ پھیر کر کہا، ہاں وہ تو زندہ باد ہی ہے۔ اور بس سے اتر گیا۔ ایسا معلوم ہوا جنت جھلک دکھا کر اوجھل ہوگئی۔ پھر اس نے سب انسپکٹر سے کچھ کہا، اس نے بس کا دروازہ مقفل کر دیا۔ چند منٹوں کے بعد ہم بورسٹل جیل لاہور میں تھے۔

(ناموس محمد کے پاسبان: ۱۹۶)

امام اہلسنت شیخ الحدیث مولانا سرفراز خان صفدر کی شان قلندری

تحریک نظام مصطفیٰ کے دوران حسب معمول جب استاد محترم حضرت مولانا سرفراز خان صفدر جلوس کی قیادت کر رہے تھے اور آپ کی قیادت میں جلوس مسجد بوہڑ والی سے باہر نکلا تو فیڈرل سیکورٹی (ذوالفقار علی بھٹو نے اپنے ذاتی تحفظ کے لئے بنائی تھی) کے آفیسر نے جلوس کو روکنے کی کوشش کی لیکن جلوس نہ رکا۔ اس نے ایک لکیر کھینچی اور اعلان کیا کہ اگر کسی نے یہ لکیر عبور کی تو گولی سے اڑا دیا جائے گا۔ آپ نے انتہائی قلندری سے فرمایا:

Marfat.com

میں تریسٹھ سال کی مسنون عمر پوری کر چکا ہوں اور شہادت کی تمنا اور آرزو رکھتا ہوں۔

یہ کہتے ہوئے اس آفیسر کی کھینچی ہوئی لکیر عبور کر گئے۔اس مرد درویش کی شان قلندری کے سامنے فیڈرل سیکورٹی کی رائفلیں ندامت سے جھک گئیں اور یہ مرد قلندر جلوس لے کر آگے بڑھا۔ (سرحد کے علماء دیوبند کی سیاسی خدمات: ۱۶۲)

اذان پوری کردی

تحریک ختم نبوت ۱۹۵۳ء کے دوران لاہور میں کرفیو لگ گیا۔آذان کے وقت ایک مسلمان کرفیو کی خلاف ورزی کر کے آگے بڑھا، مسجد میں پہنچ کر اذان دی۔ابھی اللہ اکبر کہہ پایا تھا کہ گولی لگی، ڈھیر ہوگیا۔دوسرا مسلمان آگے بڑھا، اس نے اشھد ان لا الہ الا اللہ کہا تھا کہ گولی لگی ڈھیر ہوگیا۔تیسرا مسلمان آگے بڑھا، ان کی لاشوں پر کھڑے ہوکر کہا اشھد ان محمد رسول اللہ کہ گولی لگی ڈھیر ہوگیا۔چوتھا آدمی بڑھا، تینوں کی لاشوں پر کھڑے ہوکر کہا حی علی الصلوٰۃ کہ گولی لگی ڈھیر ہوگیا۔پانچواں مسلمان بڑھا۔غرضیکہ باری باری نو مسلمان شہید ہو گئے مگر اذان پوری کر کے چھوڑی۔ (ناموس محمد کے پاسبان ۱۸۷)

ہتھکڑی ٹوٹ گئی

حضرت مولانا نیاز احمد شاہ گیلانی امیر جمعیت علماء اسلام پنجاب ۱۹۷۴ء کی تحریک ختم نبوت میں گرفتار ہوئے۔آپ کی جوانی کا عالم تھا۔آل رسول، مجاہد فی سبیل اللہ اور عالم دین تھے۔ان کو ہتھکڑی لگائی گئی۔جلال میں آ کر ختم نبوت زندہ باد کا نعرہ لگایا، بازوؤں کو جھٹکا دیا تو ہتھکڑی ٹوٹ گئی۔ہتھکڑی بدلی تو پھر اسی طرح ہوا۔بالآخر پولیس والے قدموں میں گر گئے اور بغیر ہتھکڑی کے آپ کو گرفتار کر لیا۔ (تحریک ختم نبوت ۱۹۷۴ء: ص ۷)

جیل نگراشن

۱۹۶۸ء دور ایوبی میں شورش کاشمیری کو گرفتار کر کے ڈیرہ اسماعیل خان جیل میں نظر بند کر دیا

Marfat.com

گیا، انہیں ان کے مقام ومرتبہ کے برعکس سی کلاس دی گئی اوران کے ساتھ ناروا سلوک کیا گیا۔ تو شورش صاحب نے اس صورت حال سے احباب کو آگاہ کرنے کے لئے ایک خفیہ تحریر کے ذریعے باہر پیغام بھجوایا۔ سپرنٹنڈنٹ جیل غالباً ان سے زیادہ متعارف نہ تھا، اس نے رعب ڈالنے کی خاطر شورش کاشمیری کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ اتنی سختی کے باوجود آپ کی تحریر جیل سے باہر کیسے چلی جاتی ہے؟ شورش کاشمیری نے برجستہ جواب دیا کہ میری تحریر جیل سے باہر ایسے ہی پہنچ جاتی ہے جیسے جیل کا راشن باہر پہنچ جاتا ہے۔ (کاروان تحریک ختم نبوت کے چند نقوش: ۶۴)

انگریز جج کے سامنے مولانا غلام غوث ہزاروی کی بیباکی

۱۹۳۴ء میں مجاہد ملت حضرت مولانا غلام غوث ہزاروی نے نوشہرہ میں انگریز کے خودکاشتہ پودے (قادیانیت) کے خلاف تقریر کی۔ اس پر گرفتار ہوئے۔ اے سی نوشہرہ کی عدالت میں پیش کئے گئے۔ وہ انگریز تھا۔ اس کی عادت تھی کہ وہ ملزم کو دیکھ کر برا بھلا کہتا۔ اس کا مقصد اس کارروائی سے ملزم کو مرعوب کرنا ہوتا تھا۔ حضرت ہزاروی کو دیکھتے ہی وہ کہنے لگا، تم بڈمعاش ہو، ہر جگہ فساد کرتا ہے، ہم ٹم کو سیدھا کردے گا۔

مولانا بڑے تحمل سے کہنے لگے، یہ عدالت ہے۔ قانونی طریقہ یہ ہے کہ وکیل استغاثہ پیش کرتا ہے مگر یہاں کا نقشہ ہی کچھ اور ہے۔ یہاں تو الٹی گنگا بہہ رہی ہے۔ مولانا نے اسی کے لب ولہجہ میں نقل اتارتے ہوئے زوردار آواز میں کہا، ٹم بڑا بڈمعاش ہے، ہر جگہ فساد کرتا ہے، ہم ٹم کو سیدھا کرڈے گا۔

اس ناگہانی غیر متوقع جواب ہی سے وہ بدحواس ہوکر کہنے لگا، ٹم کو ایک سال کی سزادی جاتی ہے۔

مولانا جیل بھیج دیئے گئے۔ پشاور کے مشہور وکیل نے مولانا کی طرف سے اپیل دائر کردی کہ اے سی نوشہرہ نے عدالتی ضوابط کی تکمیل کے بغیر سزادی ہے جو انصاف کے خلاف ہے، ملزم کو صفائی کا موقع ہی نہیں دیا گیا۔

ایک ہفتہ کے بعد مولانا کو جیل سے رہائی مل گئی۔ (بیس مردان حق: ۶۶۴)

فرنگی کورٹ میں مولانا ہزاروی کی للکار

میرا ایمان ہے کہ تاریخ نے اپنی گود میں برطانوی شہنشاہیت سے بڑھ کر شرف و مجد انسانی کا کوئی دشمن نہیں پالا ہے۔(ہزارہ ۱۹۴۵)

مولانا فضل الرحمٰن کا نعرہ مستانہ

۱۹۹۹ء کی بات ہے، جب امریکی فرعون نے افغانستان کی برسر اقتدار جماعت طالبان سے مطالبہ کیا کہ اسامہ بن لادن کو ہمارے حوالے کیا جائے ورنہ نتائج بھگتنے کے لئے تیار ہو جائیں۔ اس کے ساتھ ہی امریکہ نے افغانستان پر حملہ کی تیاری شروع کی۔ خلیج میں موجود اس کے بحری بیڑے متحرک ہو گئے۔

اس اثناء میں پاکستان کی فضا سے ایک آواز گونجی کہ اگر امریکہ نے افغانستان میں بے گناہ مسلمانوں کا خون بہایا تو پوری دنیا میں بسنے والے امریکیوں کی زندگی کی ضمانت نہیں دی جا سکے گی۔ گولی کا جواب گولی سے دیا جائے گا۔ اگر امریکیوں کی گولی مسلمانوں کے بدن سے گزر سکتی ہے تو وہی گولی امریکیوں کے سینے بھی چھلنی کر سکتی ہے۔ اگر ہم اپنے ملک میں امریکہ کے ہاتھوں محفوظ نہیں رہیں گے تو پھر امریکی بھی پوری دنیا میں بحفاظت نہیں رہ سکیں گے۔

اس نعرہ مستانہ میں قاسم العلوم والخیرات مولانا محمد قاسم نانوتوی کی فکر، شیخ الہند مولانا محمود حسن کا عزم، مولانا سید حسین احمد مدنی کی جرأت، مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری کی للکار، مولانا مفتی محمود کے کردار، مولانا غلام غوث ہزاروی کی گفتاری کی جھلک نمایاں تھی۔ اس للکار سے ایک طرف پاکستانی عوام میں بیداری کی لہر پیدا ہوگئی، دوسری طرف امریکی ایوانوں میں کھلبلی مچ گئی۔ امریکی خوفزدہ لومڑیوں کی طرح اپنے اپنے بلوں میں گھسنے لگ گئے۔ پوری دنیا کے مسلمان اس آواز کے ساتھ اظہار یکجہتی کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے اور پوری دنیا میں امریکہ کے خلاف نفرت کی آگ بھڑک اٹھی جس کی وجہ سے امریکہ کو دنیا میں پھیلے ہوئے اپنے ۶۸ سفارتخانے بند کرنے پڑے۔

Marfat.com

یہ آواز قائد ملت اسلامیہ قائد جمعیت مولانا فضل الرحمٰن کی گرجدار آواز تھی جس نے اسلام آباد کے کہساروں میں بھی ارتعاش پیدا کر دیا تھا۔ پاکستان کی تاریخ میں پہلی دفعہ امریکہ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کسی مرد قلندر نے اسے ببانگ دہل للکارا تھا۔ جس کے نتیجہ میں اسلام آباد میں قائم مقام امریکی سفیر جی ویلز کو مولانا فضل الرحمٰن کی رہائش گاہ پر جانا پڑا کہ آپ اپنا اعلان واپس لے لیں مگر مولانا فضل الرحمٰن نے دوٹوک الفاظ میں امریکہ پر واضح کیا کہ جب تک امریکہ طالبان اور اسامہ بن لادن کے خلاف کارروائی نہ کرنے کا یقین نہیں دلاتا اس وقت تک امریکیوں کے خلاف اپنا اعلان واپس نہیں لیں گے۔ امریکی سفیر اور مولانا فضل الرحمٰن کے درمیان درج ذیل گفتگو ہوئی۔

امریکی سفارتکار جی ویلز: طالبان اور اسامہ بن لادن دونوں دہشت گرد ہیں، ہم اسامہ کو ہر حال میں گرفتار کرنے کے لئے کارروائی کریں گے۔ مجھے امریکیوں کے قتل عام شروع کرنے کے آپ کے اعلان پر حکومت امریکہ کی طرف سے باقاعدہ احتجاج ریکارڈ کروانا ہے۔

مولانا فضل الرحمٰن: ہم امریکہ کے خلاف پہلے سے ہی احتجاج پر ہیں۔

جی ویلز: آپ اعلان کو واپس لے لیں۔

مولانا فضل الرحمٰن: جب تک امریکہ اس بات کی یقین دہانی نہیں کراتا کہ اسامہ کی گرفتاری کے بہانے طالبان کے زیر قبضہ علاقوں پر حملہ نہیں کرے گا اعلان کو واپس لینے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

جی ویلز: آپ کے پاس امریکیوں پر حملہ کرنے کا کیا جواز ہے؟

مولانا فضل الرحمٰن: جب ہم اپنی ہی سرزمین پر امریکی حملوں سے محفوظ نہیں تو پھر ہم امریکیوں کو پاکستان میں ہرگز محفوظ نہیں رہنے دیں گے اور اس پر حملے کریں گے۔

جی ویلز: بلوچستان کے قریب امریکی بحری بیڑے کی موجودگی محض افواہیں ہیں۔

مولانا فضل الرحمٰن: اگر امریکہ کا افغانستان پر حملہ کرنے کا ارادہ نہیں تو امریکہ اس سلسلہ میں شائع ہونے والی خبروں کی تردید کرے۔

جی ویلز: اس کی ضرورت نہیں تاہم ہم اسامہ کے خلاف طاقت کے استعمال کو بالکل جائز

Marfat.com

سمجھتے ہیں۔

مولانا فضل الرحمٰن: آپ طاقت کے استعمال کے فارمولے پر نظر ثانی کریں کیونکہ روس کے پاس بھی طاقت تھی لیکن وہ ٹوٹ گئی۔ اسامہ کے بارے میں امریکہ موقف درست نہیں کیونکہ اسامہ بن لادن ربانی کے دور میں سوڈان سے افغانستان آیا تھا۔ اس وقت بھی اسامہ امریکہ کے خلاف تھا۔

جی ویلز: اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہم اب بھی پاکستان میں غیر محفوظ ہیں

مولانا فضل الرحمٰن نے اس کا جواب نہیں دیا۔

جی ویلز: افغانستان کو دہشت گردوں کو تربیت دی جاتی ہے۔

مولانا فضل الرحمٰن: افغان جہاد کے دوران افغانوں کو امریکہ کی بھرپور سرپرستی حاصل تھی، یہ وہی تربیت گاہیں ہیں جہاں روس کے خلاف جنگ کی تربیت دی جاتی تھی۔ عسکری ادارے بنانا طالبان کا حق ہے۔

جی ویلز: روس کے خلاف جنگ جہاد تھا۔

مولانا فضل الرحمٰن: وہ جہاد آج بھی جاری ہے۔ امریکہ ہمارا مفتی نہیں، سرزمین عرب پر امریکی فوجی کس خوشی میں بیٹھی ہیں؟

جی ویلز: ہمیں خلیج میں بلایا گیا تھا۔

مولانا فضل الرحمٰن: آپ کو اقوام متحدہ اور کمزور حکومتوں نے بلایا تھا جن کی امت مسلمہ میں کوئی حیثیت نہیں اور خلیج میں امریکی فوجوں کی موجودگی سراسر دہشت گردی ہے اور اس دہشت گردی کے خلاف امت مسلمہ کی طرف سے زبردست ردعمل سامنے آئے گا۔

جی ویلز: اتنا شدید ردعمل؟

مولانا فضل الرحمٰن: میں سیاسی آدمی ہوں اور ڈپلومیسی کا قائل ہوں۔ اس کے باوجود میں نے امریکیوں کے قتل عام کا اعلان کیا ہے تو پھر عام مسلمانوں کے جذبات کا اندازہ آپ کو خود لگانا چاہیے۔

جی ویلز: طالبان کو افغانستان کے عوام نے قبول نہیں کیا۔

Marfat.com

مولانا فضل الرحمٰن: جھوٹ، بالکل جھوٹ۔
جی ویلز: طالبان نے بامیان میں قتل عام کیا ہے۔
مولانا فضل الرحمٰن: آپ مزار شریف اور دوسرے علاقوں میں ہزاروں طالبان کے قتل عام کو نظر انداز کیوں کر رہے ہیں؟
جی ویلز: (دھمکی آمیز لہجے میں) امریکہ افغانستان میں تربیتی ٹھکانوں کو نشانہ بنائے گا۔
مولانا فضل الرحمٰن: آپ طالبان حکومت کو ختم کرنا چاہتے ہیں۔ آپ ہمیں کشمیر پر مذاکرات کا درس دیتے ہیں اور خود محض ایک شخص (اسامہ) کے لئے افغانستان کو تباہ کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔ طالبان اپنے علاقوں میں تربیتی ادارے نہیں بنائیں گے تو کیا امریکا میں جا کر تربیت حاصل کریں گے۔ مسئلہ ہمارا نہیں، طالبان کا ہے۔ آپ ہماری بجائے مرد مجاہد امیر المومنین ملا محمد عمر مجاہد کو مطمئن کریں، اگر وہ مطمئن ہو جائیں تو ہم اپنی کارروائیاں روک دیں گے۔
جی ویلز: ہمارا طالبان سے رابطہ ہے اور ہم ان سے مذاکرات کر رہے ہیں۔
جی ویلز نے آخر میں پوچھا: اگر میں ڈیرہ اسماعیل خان آؤں تو آپ میرے ساتھ کیا سلوک کریں گے۔
مولانا فضل الرحمٰن: ہم آپ کے ساتھ وہی سلوک کریں گے جو افغان حکومت اور عوام اسامہ کے ساتھ کر رہے ہیں۔
قائد جمعیت مولانا فضل الرحمٰن نے جی ویلز سے کہا کہ گوادر سے بحری بیڑے واپس بلائیں اور افغان عوام کے حال پر رحم کریں ورنہ آپ کے حال پر ہم بھی رحم نہیں کریں گے۔
مولانا فضل الرحمٰن نے کہا کہ اگر آپ مذاکرات کی بات کریں گے تو ہم مذاکرات کے لئے تیار ہیں۔ اگر آپ گولی کی بات کریں گے تو جواب گولی سے دیا جائے گا۔
مولانا فضل الرحمٰن سے ملاقات کے دوران امریکی سفارتکار پر خوف طاری تھا۔ مولانا فضل الرحمٰن کے دوٹوک موقف نے سفارتکار کو مزید خوفزدہ کر دیا۔ اس کا اصرار تھا کہ آپ اعلان واپس لے لیں تا کہ امریکی باشندے یہاں اپنے آپ کو محفوظ تصور کریں۔ مولانا فضل الرحمٰن نے دو ٹوک الفاظ میں کہا کہ میں آپ کو کوئی ضمانت نہیں دے سکتا۔ (ہفت روزہ ضرب مومن ۱۳ تا ۱۹

اگست ۱۹۹۹ء)

مولانا فضل الرحمٰن امریکی فرعونیت کے سامنے سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن کر شہر بہ شہر امریکہ کے خلاف اعلان جہاد کرتے ہوئے دن رات ایک کر کے پھرتے رہے۔ پاکستانی غیرت مند مسلمان ہزاروں کی تعداد میں آپ کے جلسوں میں شرکت کرتے رہے لیکن امریکہ کے پٹھو حکمرانوں کو کس طرح اپنے آقاؤں کی توہین برداشت ہوتی؟ اس حق گوئی اور بے باکی کو روکنے کے لئے بالآخر مولانا فضل الرحمٰن کو جنوبی وزیرستان میں داخلہ سے قبل گرفتار کر کے امریکہ کو خوش کرنے کی کوشش کی گئی مگر جلد ہی جمعیت علماء اسلام کے کارکنوں کے شدید احتجاج پر مولانا کو رہا کر دیا گیا۔

ہم باغی ہیں ہر ظالم کے ہر ظالم سے ٹکرائیں گے
زنداں کی زینت بن کر بھی حق باطل سے منوائیں گے

مفتی نظام الدین شامزئی کا قلندرانہ فتویٰ

۱۹۹۹ء میں جب عالمی طاغوت دہشت گرد امریکہ نے افغانسان کی اسلامی حکومت کے خلاف جارحانہ اقدام اٹھانے کا عزم کیا جس کے لئے اس نے پہلے سے ہی منصوبہ بندی کر رکھی تھی۔ دنیا کی واحد اسلامی حکومت صلیبی فرمانرواؤں کی آنکھوں میں کھٹک رہی تھی کہ کس طرح اس کو ختم کر دیا جائے۔ اس کے لئے اس نے مختلف قسم کے بہانے تراش لئے تھے۔ کبھی انسانی حقوق کی خلاف ورزی، کبھی عورتوں پر پابندی، کبھی بامیان کے بتوں کی شاخ تراشی۔ مگر اب کی بار اس نے اسامہ بن لادن کو حوالہ کرنے کا بہانہ بنا کر امارت شرعیہ حکومت اسلامیہ کو ختم کرنے کا ارادہ کیا۔ خلیج میں اس کے بحری بیڑے حرکت میں آ گئے۔

افغانستان کی اسلامی حکومت کی تشکیل میں علماء کا کردار اہم تھا۔ طالبان جن کی اکثریت پاکستانی مدارس کے فیض یافتہ تھی، ہر مسئلہ میں پاکستان کے اکابر علماء سے مشاورت کرتے تھے۔ مگر مولانا مفتی نظام الدین شامزئیؒ نے افغان جہاد اور طالبان حکومت کے لئے اپنے خون پسینے کی قربانیاں دی تھیں۔ جہادی میدان میں کمانداروں کے ساتھ اگلے مورچوں پر اپنی قربانیاں کر

Marfat.com

چکے تھے۔ اپنی تمام تر توانائیاں صرف کر دنیا کے نقشے پر ایک اسلامی شرعی حکومت کا قیام عمل میں لا چکے تھے۔

مگر جب اس خرمن اسلام کو اجاڑنے کے لئے، اسلامی نظام کو مٹانے کے لئے، شرعی قوانین کو ختم کرنے کے لئے عالمی دہشت گرد منظر عام پر آیا اور اس شیطان اکبر نے اپنی توپوں کے دہانے افغانستان کی طرف کر دیئے تو ایک طرف قائد جمعیت مولانا فضل الرحمٰن ملک کے چپے چپے میں امریکہ کے خلاف نفرت کی آگ بھڑکا رہے تھے اور دوسری طرف اسلام آباد کے ہالیڈے ان ہوٹل میں ۲۱ اگست ۱۹۹۹ میں ایک سیمینار سے خطاب کرتے ہوئے امریکیوں کو حربی کافر قرار دے کر ان کے قتل کا فتویٰ جاری کیا۔ حضرت مفتی صاحب نے فرمایا:

میں مفتی ہونے کے ناطے یہ فتویٰ دیتا ہوں کہ ہر مسلمان پر اس ملک کے اقتصادی بائیکاٹ فرض ہے جس کی دولت مسلمانوں کے خلاف خرچ ہوتی ہو۔ جو لوگ کہتے ہیں کہ امریکی ہمارے معزز مہمان ہیں، انہیں جاننا چاہئے کہ امریکی حربی ہیں اور حربی وہ ہوتا ہے جو مسلمان کے ساتھ حالت جنگ میں ہو اور حربی کا خون بہانا شرعاً جائز ہے۔

انہوں نے امریکیوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

امریکیو! انتظار کرو اس وقت کا جب مجاہدین کا ایٹم بم تمہارے وہائٹ ہاؤس پر گرے گا۔ اگر تم اپنے آپ کو مسلمانوں کے عتاب سے بچانا چاہتے ہو تو اپنی حکومت کو مجبور کرو کہ وہ اپنے اس رویہ سے باز آجائے ورنہ یاد رکھو، تمہاری داستان تک نہ ہوگی داستانوں میں۔

حضرت مفتی رحمۃ اللہ علیہ اپنے اسے فتوے پر قائم رہے۔ حضرت مفتی صاحب کا یہ فتویٰ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے ۱۸۰۵ کے ہندوستان کو دارالحرب قرار دینے اور مولانا مفتی محمود کے ۱۹۷۹ء کے روس کے خلاف فتویٰ جہاد دینے کے بعد تیسرا اعلان حق ہے جو وقت کے سب سے بڑے دجال کے خلاف دیا گیا ہے۔ برطانیہ اس وقت دنیا کا سپر پاور تھا جب شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے بے سروسامانی کے عالم میں اس کے خلاف فتویٰ دیا تھا۔ بالآخر اس فتوے کے نتیجہ میں برطانوی غرور خاک میں مل گیا۔ اور برطانیہ کو ہندوستان سے دم دبا کر بھاگنا پڑا۔ حضرت مفتی محمود رحمۃ اللہ علیہ نے روس کے خلاف اس وقت فتویٰ دیا جب روس سپر پاور تھا،

Marfat.com

اس کا حشر بھی دنیا نے دیکھا۔ اور تیسرے سپر پاور کے خلاف فتویٰ جہاد دینے کی سعادت حضرت مفتی نظام الدین شامزئی کی قسمت میں لکھی گئی تھی۔

افغانستان اور عراق کے حالات بتا رہے ہیں کہ عنقریب امریکی فرعونیت غرقاب ہونے والی ہے۔ حضرت مفتی نظام الدین شامزئی اسی حق گوئی کی وجہ سے عالمی دہشت گرد امریکہ اور اس کے حواریوں کے ذہن میں کھٹک رہے تھے۔ بالآخر ۳۰ مئی ۲۰۰۴ء کو اپنے مدرسہ نیوٹاؤن جاتے ہوئے انہی ظالموں کے ہاتھوں اپنے خون میں تڑپ کر جام شہادت نوش کر گئے۔

کلیوں کو میں سینے کا لہو دے کے چلا ہوں
صدیوں مجھے گلشن کی فضا یاد کرے گی

میراتھن ریس اور قاضی حمید اللہ کا جرأتمندانہ اقدام

یونان کے دارالحکومت ایتھنز سے ۲۶ میل کے فاصلے پر میراتھن نام کا ایک قصبہ ہے۔ ۴۹۰ قبل مسیح میں ایرانی حاکم ''دارا'' نے مختلف روایات کے مطابق پچاس ہزار تا ایک لاکھ افواج کا بحری بیڑہ تیار کیا اور ایتھنز پر حملہ آور ہونے کے لئے ایتھنز کے بالمقابل بحیرہ انجین کے مشرقی کنارہ پر میراتھن نامی قصبہ میں اتارا۔ دارا کی فوجوں کی جنگی حکمت عملی یہ تھی کہ میراتھن پر لنگر انداز ہو کر یونانیوں کو گھیر کر ایتھنز پر قبضہ کیا جائے۔ ایرانیوں نے میراتھن پر محاذ کھولا۔ تیس ہزار افواج سے ایتھنز کو کنٹرول کرنے کا پروگرام تھا۔

ایسے حالات میں یونانی جنرل کالی ماچس نے اپنے ایک نامور اتھلیٹ فبڈی پیٹرسن کو طلب کیا اور اس کو یہ پیغام دے کر میراتھن سے ایتھنز روانہ کیا کہ وہ اہل ایتھنز کو صورت حال سے باخبر کرے اور ان کو کم از کم وقت میں مقابلہ کے لئے تیار کرے۔ فبڈی پیٹرسن نامی اتھلیٹ نے بہت کم وقت میں چھبیس میل کا فاصلہ طے کیا اور اپنا کام کر لیا لیکن اس قدر انتہائی دوڑ کے نتیجے میں بالآخر وہ زندگی کی بازی ہار گیا۔ فبڈی پیٹرسن کی مسلسل دوڑ نے جنگ کے بدلے ہوئے حالات سے یونانیوں کو آگاہ کیا۔ یہ جنگ یونانیوں نے جیت لی اور ایرانی میدان چھوڑ کر بھاگ گئے۔ چنانچہ اسی ریکارڈ مدت کے اندر اندر دوڑ کر پہنچنے والے شخص کی یاد میں اہل یورپ نے ایک دوڑ

ایجاد کی جس کا نام میراتھن ریس رکھا گیا۔

پرویز مشرف نے برسر اقتدار آکر اسلامی شعائر کو مٹا کر ان کی جگہ مغربی تہذیب اور کلچر کو قائم کرنے کے لئے بہت کچھ کیا۔ ان میں سے ایک اقدام میراتھن ریس کے نام سے نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کو نیم برہنہ حالت میں سڑکوں پر دوڑانا ہے۔ یہ نیم برہنہ اور مخلوط دوڑ پرویز مشرف سے قبل ملک میں کہیں نہیں پائی جاتی تھی۔ مگر پرویز مشرف نے بذات خود اس میں خصوصی دلچسپی لے کر اس حیاباختہ دوڑ کو متعارف کروایا۔

۱۳اپریل ۲۰۰۵ء کو گوجرانوالہ میں اس دوڑ کا اہتمام کیا گیا۔ گوجرانوالہ کی مشہور علمی شخصیت اور ممبر قومی اسمبلی مولانا قاضی حمید اللہ خان امیر جمعیت علماء اسلام پنجاب نے اس پروگرام سے قبل انتظامیہ کو براہ راست مطلع کیا کہ ان کو تفریح اور کھیل کود کی سرگرمیوں پر کوئی اعتراض نہیں لیکن نوجوان لڑکیوں کی اس نیم برہنہ جی ٹی روڈ پر تین کلومیٹر تک دوڑ اسلام اور ہماری روایات کے خلاف ہے۔ اس لئے ہم یہ دوڑ نہیں ہونے دیں گے۔ ڈی پی او نے قاضی حمید اللہ کو جواب دیا کہ ہمیں اوپر کا حکم ہے اس لئے ہم مجبور ہیں اور رکاوٹ ڈالنے والوں سے آہنی ہاتھوں سے نمٹیں گے۔

ڈی پی او کی اس دھمکی آمیز گفتگو کے جواب میں قاضی صاحب نے فرمایا کہ ہم آپ کے اوپر والوں سے بھی زیادہ اوپر والے کے حکم سے مجبور ہیں۔ ہمارے ہاتھوں کو بھی آپ فولاد پائیں گے۔

قاضی حمید اللہ صاحب نے مختلف کالجوں میں تعلیم حاصل کرنے والی لڑکیوں کے والدین کو کہا کہ اپنی نوجوان لڑکیوں کو اس بے حیائی سے روکو مگر ان کی طرف سے جواب تھا کہ ہم بھی نہیں چاہتے مگر اس شرکت کی صورت میں دس اضافی نمبر ملیں گے اور کالج والے بھی ہمیں مجبور کرتے ہیں۔

اب قاضی حمید اللہ صاحب انتظامیہ اور والدین کی طرف سے مایوس ہو کر بزور قوت اس بے حیائی کو روکنے کا فیصلہ کر چکے تھے۔ ۱۳اپریل کو قاضی صاحب اپنے ساتھیوں سمیت جناح اسٹیڈیم کے اردگرد موجود تھے اور لڑکوں کی دوڑ ان کے سامنے سے گزری۔ جونہی اطلاع ملی کہ لڑکیوں کی

Marfat.com

دوڑ جی ٹی روڈ سے شروع کرادی گئی ہے، قاضی صاحب اپنے ساتھیوں سمیت اسٹیڈیم کے گیٹ پر دھرنا دینے کے لئے آگے بڑھے۔ ڈی پی او نے روکنے کے لئے گفتگو کی بجائے دھمکیوں کا راستہ اختیار کیا اور آگے بڑھ کر قاضی حمید اللہ صاحب کا گریبان پکڑا جس سے پولیس اور مظاہرین کے درمیان تصادم کی صورت حال بن گئی۔ ایک طالب علم کو پولیس افسر نے ٹانگ میں گولی ماری۔ قاضی صاحب اپنے بیٹے سمیت زخمی ہوئے اور اسی حالت میں ہسپتال سے گرفتار کر کے گوجرانوالہ سے لاہور اور پھر ساہیوال بھیج دیئے گئے۔

اس پیرانہ سالی میں قاضی حمید اللہ خان نے ایسا مجاہدانہ کردار ادا کیا کہ حکومت کو ملتان میراتھن ریس پروگرام منسوخ کرنا پڑا اور راولپنڈی اور سرگودھا میں کالجوں کی حدود کے اندر اس حیاباختہ پروگرام کو مقید اور محدود کرنا پڑا۔

امیر المومنین ملا محمد عمر مجاہد کی جرأت و بہادری

افغانستان میں روس کی شکست کے بعد جہادی کمانڈر آپس میں دست و گریبان ہوئے۔ ہر کمانڈر بادشاہ بن بیٹھا اور وہ توپیں جو روس کو شکست سے دوچار کر چکی تھیں، آپس میں ایک دوسرے کی طرف مڑ گئیں۔ دونوں طرف سے مسلمان قتل ہونے لگے، لوٹ مار کا بازار گرم ہوا۔ بدامنی نے پورے ملک کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ مخلص مجاہدین پریشان تھے کہ کیا کریں، کس کے خلاف ہتھیار اٹھائیں اور کس کو سمجھائیں۔ بیت اللہ میں جا کر آپس میں نہ لڑنے کا معاہدہ کیا گیا مگر واپس آ کر پھر دست و گریبان ہو گئے۔

اسی اثناء میں قندھار کے علاقے سپین بولدک کے مقام پر چند طالبان نے مقامی کمانڈروں کے ظلم و زیادتی سے عوام کو نجات دلانے کا عزم کیا۔ آگے چل کر یہ تحریک طالبان کے نام سے دنیا میں مشہور ہوئی۔ جس کے سپریم کمانڈر ملا محمد عمر مجاہد تھے۔ دیکھتے دیکھتے افغانستان کے طول و عرض پر یہ بے سروسامان طالبان چھا گئے۔ جس طرف رخ کرتے، ہوا کی طرف پھیل جاتے۔ جہاں جاتے، بدامنی لوٹ مار کا خاتمہ کرتے اور اسلامی شریعت کے مطابق فیصلے کرتے۔ اس طرح تھوڑے عرصہ میں افغانستان کے اکثر علاقوں میں اسلامی شرعی حکومت قائم ہوگئی اور خلافت

Marfat.com

راشدہ کے بعد پہلی خالص اسلامی حکومت سرزمین افغانستان پر قائم ہوئی۔

پوری دنیا کے مسلمان اس طرف متوجہ ہوئے۔ مسلمانان عالم کے لئے امید کی کرن پیدا ہوگئی مگر دنیائے کفر کے علمبردار کس طرح خالص اسلامی مملکت کو برداشت کرتے اور اسلامی برکات کو پھلتے پھولتے دیکھتے۔ انہوں نے شروع دن سے مختلف الزامات لگا کر طالبان اور ان کی اسلامی حکومت کو بدنام کرنا شروع کیا۔ کبھی انسانی حقوق کی خلاف ورزی، کبھی عورتوں پر پابندیاں لگانے کی رٹ، کبھی میوزک سنٹروں کو بند کرنے کی بات، کبھی داڑھی رکھنے پر استہزاء، کبھی عورتوں کو برقع پہنانے، سکول و کالج سے روکنے کی تہمت، کبھی بامیان کی بت شکنی پر برہمی۔ غرض قدم قدم پر عالمی سامراج اور اس کے سرغنہ امریکہ کی طرف سے رکاوٹیں کھڑی کی گئیں۔ مگر طالبان اللہ پر بھروسہ کرتے ہوئے آگے بڑھتے رہے۔

۹/۱۱ کے بعد تو دنیا کے تیور ہی بدل گئے۔ چند دوست تھے وہ بھی دشمنی پر اتر آئے جو سرپرست تھے وہ بھی خون چوسنے کے متمنی ہوگئے۔ پاکستانی حکومت نے جس طرح راتوں رات اپنی پالیسیاں تبدیل کر کے دوستی کی جگہ دشمنی کا آغاز کیا یہ تاریخ کا ایک المناک باب ہے۔ ایک طرف تو دنیائے اسلام کی واحد ایٹمی قوت اور اس کے جرنیل ایک ٹیلی فونک دھمکی پر اپنا سب کچھ امریکہ کے حوالے کر رہے تھے اور اپنے مسلمان بھائیوں کو خاک و خون میں تڑپانے کے منصوبے بنا رہے تھے اور دوسری طرف ایک ملا محمد عمر مجاہد اکیلے پورے عالم کفر اور ان کے بموں اور میزائلوں کا مقابلہ کرنیکی تیاری کر رہے تھے۔ عالمی شیطان انسانیت کا دشمن ۹/۱۱ کے فوراً بعد خطاب کرتے ہوئے امیر المومنین ملا محمد عمر مجاہد سے چند مطالبات کرتا ہے اور ساتھ طاقت کے استعمال کی دھمکی دیتا ہے۔

۱۔ اپنی سرزمین پر چھپے ہوئے القاعدہ کے تمام لیڈروں کو امریکہ کے حوالے کردیں۔

۲۔ تمام غیر ملکی بشمول امریکی شہریوں کے جنہیں آپ نے ناروا طور پر قید کر رکھا ہے، رہا کر دیں۔

۳۔ افغانستان میں قائم دہشت گردی کی تربیت دینے والا ہر کیمپ فوری طور پر مستقلاً بند کر دیں اور ہر دہشت گرد اور اس کی حمایت کرنے والے ہر فرد اور ڈھانچے کو موزوں حکام کے حوالے

Marfat.com

کردیں۔

۴۔ امریکہ کو دہشت گردی کی تربیت دینے والے کیمپوں تک مکمل رسائی حاصل کرنے دی جائے تاکہ ہمیں یقین ہو جائے کہ اب وہ کام نہیں کر رہے۔

۵۔ طالبان کو یہ کام فوری اور یقینی طور پر کرنا ہے، وہ دہشت گردوں کو ہمارے حوالے کر دیں یا پھر ان کی تقدیر میں ان کے ساتھی بن جائیں۔

مسٹر بش نے اپنی فرعونیت کا اظہار کرتے ہوئے کہا، ہمارے ردعمل میں فوری بدلے اور منفرد حملوں سے کہیں زیادہ کچھ شامل ہے، ہم دہشت گردوں کو فنڈ مہیا نہیں ہونے دیں گے، انہیں ایک دوسرے کے خلاف کر دیں گے۔ انہیں جگہ جگہ دوڑایا جائے گا حتیٰ کہ ان کے لئے کوئی پناہ کوئی سکون نہ رہے۔

اس عالمی غنڈے نے پوری دنیا کے اپنے مخالفین کو دھمکی دیتے ہوئے کہا، ہم دہشت گردی کو امداد فراہم کرنے یا اسے تحفظ فراہم کرنے والے ممالک کا بھی تعاقب کریں گے، ہر گوشے میں موجود ہر ملک کو ایک فیصلہ کرنا ہوگا کہ آپ ہمارے ساتھ ہیں یا پھر دہشت گردوں کے ساتھ۔ (کانگریس کے مشترکہ اجلاس کے خطاب سے اقتباسات)

اس خطاب سے پوری دنیا کے لوگ سہم گئے۔ بڑے بڑے بہادروں نے ہتھیار ڈال دیئے۔ سب نے بیک آواز امریکی شیطان کے سامنے گردن جھکا دی۔

طالبان ڈیڑھ عرب مسلمانوں میں، ۵۶ سے زیادہ اسلامی حکومتوں میں تن تنہا ہو گئے۔ دوست دشمن بن گئے، اپنے پرائے ہو گئے، خیر خواہ بدخواہ ہو گئے۔ اس وحشت و تنہائی کی حالت میں امارت اسلامیہ افغانستان کے امیر المومنین ملا محمد عمر مجاہد اپنی قوم اور دنیائے انسانیت سے خطاب کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

تاریخ میں تیسری جارحیت ہے جو ہم پر مسلط کی جارہی ہے بلکہ تھوپی جارہی ہے۔ آپ اس سے باخبر ہیں کہ کیا انگریزوں کا کوئی حق تھا کہ وہ افغانستان پر حملہ کرتے۔ اس وقت تو اسامہ نہیں تھا۔ روسیوں کا کوئی حق تھا کہ وہ افغانسان پر جارحیت کا ارتکاب کرتے یا یہاں قبضہ کرنے کی کوشش کرتے۔ اس وقت تو اسامہ نہیں تھا۔ یہ تیسری جارحیت ہے جو ہم پر مسلط کی جارہی ہے۔

Marfat.com

آپ سب کو معلوم ہے کہ اس کی وجہ اسامہ نہیں ہے۔ یہ اسلام کے ساتھ ضد و عناد ہے جو ان لوگوں نے اختیار کر رکھا ہے......... امریکہ کروز میزائل برسائے گا یا بمباری کرے گا یا حملہ کرے گا۔ وہ جو کچھ بھی کرے ہمارے اور آپ کے سامنے ہے اور بے غیرتی اختیار کرنے سے یہ خطرہ ہمارے اور آپ کے سروں سے ٹلنے والا نہیں ہے۔ امریکہ اگر کارروائی کرتا ہے اور خدائے جل جلالہ نے ارادہ کیا ہو کہ ایسا ہو تو پھر یہ ہمارے سروں سے ٹل نہیں سکتا۔ مسلمانوں کو چاہئے کہ اپنے اسلام کو دیکھیں، اپنی غیرت کو دیکھیں۔ ان چیزوں کے بارے میں کسی مسلمان کو ہمت نہیں ہارنی چاہئے۔ ہم مرجائیں یا زندہ رہیں، ہمیں اسلام اور غیرت کا دامن تھامے رہنا چاہئے۔ موت ناگزیر ہے، جو کوئی مرتا ہے، اپنا ایمان اور اسلام محفوظ کر لیتا ہے، اپنی غیرت محفوظ کر لیتا ہے۔ تو اس سے بڑھ کر بادشاہی کیا ہوگی۔ اس سے بڑھ کر کامیابی کیا ہوگی۔ موت تو ویسے بھی ہر ایک نے دیکھنی ہے۔ آج یا کل۔ تو کیا یہ اچھا ہے کہ بے ایمانی اور بے غیرتی پر موت آجائے یا یہ کہ اسلام پر غیرت کرنے اور اسلام کے ناموس کی حفاظت کرنے کی حالت پر موت آئے؟

انگریزوں اور روسیوں نے ہمارے کئی ملین انسانوں کو شہید کیا لیکن خدا نے انہیں دفع کر دیا۔ اس قربانی کے باعث خدا نے دفع کیا۔ اگر آپ قربانی نہ دیں اور اپنے اسلام اور ایمان پر غیرت نہ کریں تو آپ دیگر ممالک کو دیکھ لیں کہ ان کے ایمان کو ان سے چھین لیا گیا، غیرت بھی چھین لی گئی اور ہر چیز ان سے کفار لے گئے کہ ہم اور آپ بھی ان جیسے ہو جائیں؟......... تاریخ میں دو جارح طاقتیں افغانوں کے ہاتھوں تحلیل ہوئی، دربدر ہوئیں، ٹکڑے ٹکڑے ہوئیں۔ افغانستان وہی افغانستان ہے۔ وہی اس کا نام ہے، وہی غیرت ہے، وہی اس کا اسلام ہے، وہی اس کا ایمان ہے۔ اس وقت کیا ہوا تھا؟ یہ بھی اسی طرح ایک واقعہ ہوگا ہو جائے، لوگ مریں گے مرجائیں، اپنے اسلام، ایمان اور غیرت کے ساتھ مریں گے۔ یہ کیا بات ہوئی کہ ایمان سے بھی ہاتھ دھولیں، غیرت کو بھی خیرباد کہہ دیں اور مر بھی جائیں۔ یہ کیسی سوچ آپ نے دل میں پالی ہے۔ کوئی شخص ایسی تشویش نہ کرے بلکہ ہر مسلمان اس طرح کے اقدام کے مقابلہ میں جہاد کے لئے تیار رہے.........

اس لئے موجودہ حالت میں ہر مسلمان کو اس کا ایمان اور اس کی غیرت للکارتی ہے کہ ہر

Marfat.com

گھڑی ثابت قدم رہے۔ اگر ایمان اور غیرت نہ ہو تو مسلمان ہمیشہ خوف زدہ ہوں گے اور پھر بھی ان کا احترام روئے زمین پر نہ ہوگا............۔ عجیب بات ہے میں نہ حواس باختہ ہوں نہ بے دینوں کے ساتھ اسلام کے خلاف راستہ اختیار کرتا ہوں، باوجودیکہ میرا اقتدار بھی خطرے میں ہے، میری سربراہی اور کرسی بھی خطرے میں ہے، میری زندگی بھی خطرے میں ہے، پھر بھی............ جان بھی قربان کرتا ہوں۔ اگر میں کافروں کے مطالبے پر ایسی راہ اختیار کرلوں جو اسلام کے خلاف ہو، ان کے ساتھ موافقت کرلوں اور کے ساتھ معاملات ٹھیک رکھوں تو میری میز مستحکم ہوگی، میری بادشاہی اور سلطنت بھی باقی رہے گی اور اس طرح طاقت، پیسہ اور جاہ وجلال بھی ہوگا۔ جس طرح دیگر ممالک کے سربراہوں کا ہے لیکن میں اسلام کی خاطر ہر قربانی کے لئے حاضر ہوں، سب کچھ کرنے کے لئے حاضر ہوں، جان قربان کرتا ہوں، سب کچھ سے بے پرواہ ہو چکا ہوں، سلطنت، اقتدار و طاقت ہر چیز کی قربانی کا عزم کر چکا ہوں............

اگر آپ میں ایمان ہو اور آپ کا ضمیر زندہ ہو تو چاہئے کہ آپ کھڑے ہوں۔ اگر ایمان وضمیر آپ میں نہیں تو پھر مجھے آپ کی پرواہ نہیں۔ پھر میں آپ کی کیا بات مانوں؟ کیوں مانوں؟ کس طرح مانوں؟ اگر آپ سے اسلام ایمان اور غیرت سب کچھ جاچکا ہے، سب کچھ ختم ہو چکا ہے تو میں آپ کی کون سی بات مانوں اور کس طرح مانوں؟ آپ مجھے مشورہ دیتے ہیں یا مجھے کہتے ہیں کہ ایسا کرو۔ اگر آپ میں ایمان مضبوط ہے تو آپ ایسی چیز کو ہرگز برداشت نہیں کر سکتے جس سے ایمان کا نقصان ہو جس سے اسلام کا نقصان ہو، جس سے ملکی حدود کا نقصان ہو۔ (امیر المومنین کے خطاب سے چند اقتباسات)

امیر المومنین ملا محمد عمر مجاہد نے اپنا سب کچھ قربان کیا، ہزاروں طالبان اور مسلمان امریکہ کے ڈیزی کٹر بموں کا نشانہ بنے، امریکہ دہشت گردی کا رپٹ بمباری سے افغانستان کے کھنڈرات سے ایک بار پھر آپ کے شعلے بلند ہونے لگے مگر وہ بش کی فرعونیت کے سامنے سجدہ ریز نہیں ہوئے۔

مفاہمت نہ سکھا جبر ناروا سے مجھے
سر بکف ہوں لڑا دے کسی بلا سے مجھے

Marfat.com

اسامہ بن لادن کی بہادری و مردانگی

اسامہ بن لادن ۱۴ مئی ۱۹۵۷ء کو محمد عود بن لادن کے گھر پیدا ہوئے۔ اسامہ کے والد ۱۹۳۰ء میں جنوبی یمن کے علاقے حضرموت سے ہجرت کر کے سعودی عرب آئے تھے اور جدہ کی بندر گارہ پر ایک غریب قلی کی حیثیت سے اپنی زندگی کا آغاز کیا۔ ۱۹۵۰ء کے عشرے میں وہ متمول سعودی خاندانوں میں شمار ہونے لگے۔

۱۹۸۱ء میں اسامہ نے کنگ عبدالعزیز یونیورسٹی سے پبلک ایڈمنسٹریشن میں ڈگری حاصل کی۔ دسمبر ۱۹۷۹ء میں سابقہ سوویت یونین نے اپنی فوجیں افغانستان میں اتار دیں جس کے خلاف پوری اسلامی دنیا میں اشتعال پھیل گیا خصوصاً افغانستان کے اسلامی حلقوں کے لئے یہ بات بڑی پریشان کن تھی۔ اسلامی دنیا کے ممالک سوویت یونین کی قوت سے خوفزدہ ہو کر بیٹھ چکے تھے۔ امریکہ نے سوویت یونین سے اپنی ویت نام کی شکست کا بدلہ لینے کے لئے افغان مجاہدین کی مدد کا فیصلہ کر لیا۔

۲۶ دسمبر ۱۹۷۹ء کو ۲۲ سالہ ارب پتی نوجوان اسلامی دنیا کی نئی تاریخ کو رقم کرنے اور افغانستان کے بنجر ویران اور سنگلاخ پہاڑوں میں جاری اسلام اور لادینی قوتوں کے خلاف جنگ لڑ کے لئے کراچی ایئر پورٹ پر اترا۔ ۱۹۸۴ء میں انہوں نے مجاہدین کو منظم کرنے کے لئے پشاور میں مہمان خانہ قائم کیا جس کا نام بیت الانصار رکھا گیا۔ ۱۹۸۶ء میں انہوں نے اپنا مرکز مشرقی افغانستان کے صوبہ ننگر ہار میں منتقل کر دیا تاکہ سوویت یونین کے خلاف جنگ میں باقاعدہ حصہ لے سکیں۔ ۸۹/۱۹۸۶ء کے دوران اسامہ ایک مجاہد کمانڈر کا کردار ادا کرتے رہے۔ ۱۹۸۹ء میں جنگ افغانستان کے خاتمے پر اسامہ واپس سعودی عرب چلے گئے جہاں ان کا استقبال ایک ہیرو کے طور پر کیا گیا۔ وہاں وہ سعودی حکومت مخالف سرگرمیوں میں شامل ہو گئے۔ سعودی عرب حکومت نے ان کی حکومت مخالف سرگرمیوں کی بناء پر انہیں گھر میں نظر بند کر دیا۔ عراق کے خلاف جنگ میں وہ امریکی سعودی اتحاد کے سب سے بڑے مخالف کے طور پر سامنے آئے۔ سعودی عرب نے ان پر جدہ کی حدود سے باہر نکلنے پر پابندی عائد کر دی۔

Marfat.com

۱۹۹۱ء میں اسامہ فرار ہو کر پاکستان پہنچے اور پاکستان سے فوراً افغانستان چلے گئے۔ سوویت یونین کے خاتمہ کے بعد وہاں دست وگریبان مجاہدین گروہوں میں مصالحت کی کوشش کی مگر ناکام رہے۔ اسی وجہ سے انہوں نے افغانستان کو چھوڑنے کا فیصلہ کیا اور وہاں سے ہجرت کر کے سوڈان روانہ ہو گئے کیونکہ سوڈان میں برسر اقتدار آنے والی حکومت نے اسلامی نظام قائم کرنے کا اعلان کیا تھا۔ سوڈان میں ان کے ساتھ خصوصی مہمان کا سلوک کیا گیا۔ انہوں نے سوڈان کی تعمیر نو میں حصہ لیا اور سعودی سرمایہ کاروں کو سوڈان میں سرمایہ کاری پر آمادہ کیا۔ وہاں ان پر سعودی خفیہ ایجنسیوں نے قاتلانہ حملہ بھی کیا جس میں وہ بال بال بچ گئے۔

۱۹۹۴ء میں سعودی حکومت نے سرکاری طور پر انہیں سعودی عرب کا باغی قرار دیا، ان کے اثاثے منجمد کر دیئے گئے۔ ۱۹۹۹ء میں سعودی حکومت نے ان کی شہریت منسوخ کر دی۔ ۱۹۹۵ء میں سعودی عرب میں کار بم دھماکہ کی ذمہ داری اسامہ پر ڈالی گئی، اگرچہ اسامہ نے اس دھماکہ کی ذمہ داری قبول نہیں کی۔ اس دھماکہ کی وجہ سے سوڈانی حکومت پر اسامہ اور ان کے پیروکاروں کے حوالے سے شدید دباؤ ڈالا گیا۔ سوڈانی حکومت اس دباؤ سے شدید پریشان ہوئی۔ حالات کی مجبوری کی وجہ سے اسامہ بن لادن نے افغانستان میں اپنے دوستوں سے دوبارہ رابطے شروع کر دیئے۔ ان کی طرف سے سگنل ملنے پر اپنے دوستوں سمیت جلال آباد پہنچ گئے۔ طالبان کے برسر اقتدار آنے پر طالبان تحریک کے امیر ملا محمد عمر مجاہد ذاتی طور پر اسامہ سے ملنے آئے اور انہیں طالبان کا مہمان قرار دیا اور اس طرح وہ طالبان تحریک میں شامل ہو گئے۔

۱۱ستمبر ۲۰۰۱ء کو ورلڈ ٹریڈ سنٹر سانحہ کے فوراً بعد امریکی صدر بش اور اس کے حواریوں نے بغیر کسی ثبوت کے تمام الزامات اسامہ بن لادن پر لگائے اور طالبان حکومت سے اسامہ کو امریکی حکومت کے حوالے کرنے کے لئے شدید دباؤ ڈالا مگر طالبان قیادت نے اسامہ بن لادن کو اپنا معزز مہمان قرار دے کر امریکہ کو جواب دیا کہ اگر امریکہ کے پاس اسامہ کے خلاف کوئی شواہد ہیں تو انہیں سامنے لائے تاکہ اسامہ پر اسلامی شریعت کے مطابق مقدمہ چلایا جا سکے۔ مگر امریکی فرعونیت کو یہ جواب کس طرح گوارا ہوتا۔ سپر پاور کے نشہ میں دھت امریکی حکمرانوں نے بغیر کسی دلیل اور ثبوت کے افغانستان پر تاریخ کی بدترین بمباری کی۔ طالبان قائدین کو حکومت چھوڑ کر

Marfat.com

پہاڑوں میں پناہ لینا پڑی۔ اسامہ بن لادن نے امریکہ کی اس فرعونیت کے سامنے سرنہیں جھکایا بلکہ علی الاعلان کہا کہ جب تک امریکہ جزیرۃ العرب سے نہیں نکلتا اور اسرائیل کی سرپرستی نہیں چھوڑتا اس کے خلاف جنگ جاری رہے گی۔

اس حق گوئی و بے باکی کی وجہ سے امریکی دجال نے اسامہ کو اپنا دشمن اول قرار دے کر اس کے زندہ یا مردہ گرفتار کرنے پر بھاری انعام کا اعلان کیا مگر ابھی تک امریکہ کو اپنے تمام تر وسائل اور جدید ٹیکنالوجی کے باوجود اسامہ کا سراغ نہیں مل سکا۔ جس کے لئے اس نے ہزاروں افغان بچوں، عورتوں اور بے گناہ افراد کو وحشیانہ بمباری کا نشانہ بنایا۔ امریکی حکام اور خصوصاً امریکی صدر مسٹر بش پر اسامہ کا رعب اس قدر مسلط ہے کہ ایک دفعہ وائٹ ہاؤس میں بسکٹ کھاتے ہوئے جب بسکٹ اس کے گلے میں پھنسا تو اس نے اس کو اسامہ کی کارروائی سمجھا اور ایک دم بے ہوش ہو گیا۔ اسی حق گوئی اور بے باکی اور امریکہ دشمنی کی وجہ سے پوری دنیا کے مسلمان انہیں اپنا ہیرو سمجھتے ہیں۔ اور تادم تحریر امریکہ اپنے تمام تر وسائل اور فرعونی جذبے کے باوجود اسامہ کی تلاش میں ناکام رہا ہے اور امریکہ کے ہر فرد کے ذہن پر اسامہ کی دہشت سوار ہے۔ اور دنیا میں جہاں بھی کوئی گوری چمڑی والا امر دار ہوتا ہے تو اس کو اسامہ اور القاعدہ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔

کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ظالم جیت جاتے ہیں
مگر یہ جنگ میں ایک مرحلے کی بات ہوتی ہے
کبھی ایسا نہیں ہوتا کہ ظالم دائم سرخرو نکلیں
اس آویزش میں آخر ظلم ہی کو مات ہوتی ہے

امام حرم نبوی شیخ حذیفی کا نعرہ حق

شیخ عبدالرحمٰن الحذیفی مسجد نبوی ﷺ کے امام اور خطیب ہیں۔ سعودی عرب کے قوانین کے مطابق کوئی خطیب بھی سرکار کی طرف سے دیئے گئے خطبے سے انحراف نہیں کرسکتا۔ لکھا ہوا خطبہ ہر خطیب کو دیا جاتا ہے جسے وہ پڑھ کر سناتا ہے۔ مگر ۱۹۹۸ء میں شیخ علی عبدالرحمٰن الحذیفی نے اس روایت کو پامال کرتے ہوئے منبر نبوی سے حق کا نعرہ بلند کیا جس کی بازگشت سعودی امراء کے

Marfat.com

محلات اور امریکہ کے وہائٹ ہاؤس سمیت تمام دنیا کے ایوانوں میں سنائی گئی۔ سعودی حکومت کے لئے یہ ایک انوکھا واقعہ اور امور سلطنت سے بہت بڑی بغاوت تھی جس کی پاداش میں مسجد نبوی کے ہر دلعزیز امام اور خطیب کو پابند سلاسل ہونا پڑا۔ جس پر پورے عالم اسلام کے مسلمانوں کو تکلیف اور اذیت پہنچی اور مسلمانوں کے دلوں میں سعودی حکومت کی اس ظالمانہ کارروائی کی وجہ سے نفرت اور غیظ و غضب پیدا ہوا۔ کچھ عرصہ بعد شیخ حذیفی کو ان کی شخصیت اور خدمات کی وجہ سے رہائی ملی اور اپنے سابقہ عہدہ پر بحال کر دیئے گئے۔

شیخ حذیفی کے منبر رسول پر دیئے گئے خطبے میں حق گوئی اور بے باکی کے چند اقتباسات ملاحظہ ہوں۔

اے مسلمانو! اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ مسلمان اپنے عقیدہ میں حق و باطل کا امتیاز کرے، جسے اللہ نے اچھا قرار دیا ہے اسے اچھا سمجھے اور جسے اللہ نے ناپسندیدہ بتایا اسے مکروہ اور مبغوض سمجھے۔ سب مسلمان باہمی مدد و نصرت کے ذریعے ایک ہو جائیں کیونکہ مسلمانوں کے تمام دشمنوں کو ان کے باطل دین اور کافرانہ عقائد نے اسلام دشمنی پر متحد کر دیا ہے اور یہ آج سے نہیں بلکہ ہمیشہ سے دشمنان اسلام مسلمانوں کے خلاف متحد رہے ہیں اور اس کا کوئی امکان نہیں کہ کفار مسلمانوں سے خوش ہو جائیں.........

چنانچہ فلسطین میں ایک صیہونی و یہودی حکومت کی داغ بیل صرف اس لئے ڈالی گئی تاکہ اسلام سے مسلح جنگ کا آغاز کر کے علاقہ کو ہولناک حالات سے دوچار کر دیا جائے اور صیہونی حکومت کے قیام کے بعد یہودی استعمار نے عالم اسلام کے خلاف متعدد ایسی بنیادوی اور اجتماعی سازشوں کا آغاز کیا جن کا غم مسلمانوں کو آج بھی کھا رہا ہے.........

یاد رکھیں عالمی طاقتیں مملکت حرمین کی سخت ترین دشمن ہیں کیونکہ یہ اسلام کا بہت بڑا مرکز اور قلعہ ہے۔ اس بارے میں امریکہ، برطانیہ اور ان کی ہمنوا حکومتوں کے مکروہ عزائم طشت ازبام ہو چکے ہیں۔ کفار کی حکومتیں حرمین کی اس مملکت کو نقصان پہنچانے کے درپے ہیں بلکہ تمام کفریہ طاقتیں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف متحد ہو چکی ہیں۔ اس لئے ان حکومتوں میں سے کسی پر بھی بھروسہ نہیں کیا جا سکتا (خصوصاً جبکہ) امریکہ و برطانیہ کی طرف سے مملکت حرمین کو اس کی بقاء و

سلامتی سے متعلق دھمکیاں دی جا رہی ہیں۔ان کی کھلی دشمنی بدنیتی نقصان پہنچانے کے عزائم اور مملکت حرمین کی تباہی کے منصوبے بالکل عیاں ہو چکے ہیں۔ امریکہ کان کھول کر سن لے کہ وہ مملکت حرمین کو تنہا نہ سمجھے۔ مشرق سے لے کر مغرب تک تمام مسلمان حرمین شریفین کی مملکت کے دفاع کے لئے متحد ہیں کیونکہ ارض حرمین اہل ایمان کا آخری مرکز ہے۔........................

مسلمانو! تمہیں ترکی سے عبرت حاصل کرنا چاہئے جب کمال اتاترک ملعون نے سیکولر حکومت قائم کی اور ترکوں پر زبردستی کفریہ نظام مسلط کیا۔ترک حکام نے نہ صرف اسلام کو پس پشت ڈالا بلکہ انہوں نے اسلام سے ہر جگہ دو بدو جنگ کی اور اب تک وہ اسلام کے خلاف صف آراء ہیں۔ وہ یہودوں کے ساتھ عہد و پیمان کر چکے ہیں اس کے باوجود کفار ترک حکومت سے صرف اس شرط پر خوش ہیں کہ وہ یہودیوں کی خدمت گزاری اور فرمانبرداری کر رہے ہیں۔ترکی نے یہود و نصاریٰ کے لئے اپنا دین وایمان سب کچھ قربان کر دیا لیکن ترکی کو کوئی یورپی ملک اپنے ساتھ ملانے کو تیار نہیں۔ترکی کا جرم کیا ہے؟ یہی کہ وہ کسی زمانے میں اسلام کا مرکز رہا تھا۔ترکی کے حالات سے عبرت پکڑو اور یاد رکھو، تم احکام اسلام سے کتنے ہی دستبردار ہو جاؤ کفار تم سے کبھی بھی راضی نہیں ہو سکتے۔لہٰذا ان کو راضی رکھنے کی بجائے اپنے دین اور اپنے حق کا دفاع کرو۔ مسلمانو! کفار کی یہ دشمنی دین پر مبنی ہے۔........................

میں امریکہ کو نصیحت کرتا ہوں کہ ہمارے خطہ میں مداخلت بند کر دے۔ جہاں تک خلیج میں امن وامان اور اس کے تحفظ کا معاملہ ہے تو اس کی ذمہ داری خود خلیجی ممالک پر عائد ہوتی ہے نہ کہ امریکہ پر۔امریکہ اپنی طاقت پر غرور نہ کرے۔اللہ تعالیٰ کی سنت چلی آ رہی ہے کہ جب بھی کمزور مغلوب (مظلوم) ہوتے ہیں، قوت والوں کو تباہ و برباد کر دیا جاتا ہے اور یہ تباہی رب العالمین کی طرف سے ہوتی ہے۔ اس لئے کمزوروں کی بے سروسامانی سے دھوکہ نہیں کھانا چاہئے۔ امریکیوں کو افغانستان کے مسلمانوں سے سبق لینا چاہئے جنہوں نے لاٹھیوں سے جہاد شروع کیا اور اس وقت کی بڑی طاقت کو نیست و نابود کر دیا۔ یاد رکھیں، ٹیکنالوجی ہی سب کچھ نہیں، اصل قوت تو ایمان کی ہے........................

ان کفریہ طاقتوں کا طریقہ واردات یہ ہے کہ جہاں کہیں کوئی معمولی حادثہ پیش آ جائے جو

Marfat.com

در پردہ انہی کا پیدا کردہ ہوتا ہے، تو یہ اس کو حل کرنے کے بہانے وہاں کود پڑتی ہیں۔ عنوان تو اس ملک کو درپیش خطرات ومصائب سے نجات دلانا ہوتا ہے مگر درحقیقت یہ طاقتیں اس آڑ میں اس ملک کے لئے سب سے بڑا خطرہ ومصیبت بن جاتی ہیں۔ بھیڑیا کیسے بھیڑوں اور بکریوں کا نگہبان ہوسکتا ہے؟

اے اللہ کے بندو! مسلمانوں اور کافروں کے درمیان عداوت مذہبی بنیادوں پر ہے اور امریکہ اگرچہ بذات خود ایک عیسائی حکومت ہے لیکن اس کی باگ ڈور یہودیوں کے ہاتھ میں ہے۔ امریکہ کا کسی معاملے میں کوئی حکم واختیار نہیں چلتا۔ یہودی جیسے چاہتے ہیں اسے استعمال کرتے ہیں۔ مگر مسلمان بلادحرمین میں امریکہ کے عسکری وجود کو کسی حال میں قبول نہیں کرسکتے۔ مسلمان امریکہ یا کسی بھی کفریہ طاقت کے مسلح وجود کو جزیرہ عرب میں برداشت نہیں کرسکتے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ جزیرہ عرب میں دو دین باقی نہیں رہ سکتے۔ آپ ﷺ کی آخری وصیت یہ تھی کہ یہود ونصاریٰ کو جزیرہ عرب سے نکال دو۔ سو رسول اللہ ﷺ کی اس وصیت پر عمل کرتے ہوئے ان کو جزیرہ عرب سے نکالنا فرض ہو چکا ہے۔

اے مسلمانو! تم پر عذاب کے بادل منڈلا رہے ہیں، تباہی وبربادی سے نجات کے لئے توبہ کرو اور اللہ کی طرف رجوع کرو۔ کیونکہ یہ طے شدہ امر ہے کہ نافرمانی اور گناہوں ہی کی وجہ سے مصیبت وبلا نازل ہوتی ہے اور توبہ ہی سے ان سے نجات ملتی ہے۔

(امام حرم نبوی کے تاریخی خطبہ سے چند اقتباسات۔ بشکریہ حرمین کی پکار)

پرویز مشرف کے سامنے عدنان کاکاخیل کی حق گوئی

طلبہ کنونشن ۲۰۰۵ء جس میں ملک بھر کی پچاس سے زائد یونیورسٹیوں اور پانچوں وفاقوں کے ۹۵ منتخب طلبہ وطالبات شریک تھے، فائنل سیشن تک پہنچ کر اور پھر فائنل سیشن بھی جیت کر سید عدنان کاکاخیل نے ملک بھر کے دینی مدارس کی لاج رکھ لی۔

سید عدنان کاکاخیل صوبہ سرحد کے معروف علمی وروحانی خانوادے کاکاخیل کے چشم وچراغ ہیں، حسینی سادات کا یہ گھرانہ اپنی عالی نسبی اور کئی صدیوں تک پے درپے روحانی شخصیات کا مرکز

Marfat.com

ہونے کی وجہ سے برصغیر کی علمی روحانی تاریخ کا ایک اہم باب ہے۔ خاندان کاکاخیل کا مورث اعلیٰ شیخ رحمکار حضرت سید کثیر گل المعروف کاکا صاحب تھے۔

موصوف عدنان کاکاخیل کے والد حضرت مولانا عبداللہ کاکاخیل صاحب جامعہ بنوری ٹاؤن کے اولین فضلاء میں سے تھے۔ انہوں نے جامعہ میں دس سال سے زائد عرصہ تک تدریسی خدمات انجام دیں۔ ان کے دادا حضرت مولانا عبدالحق نافع گل دارالعلوم دیوبند کے استاذ حدیث والکلام تھے۔ ان کے نامور شاگردوں میں امام اہلسنت شیخ الحدیث حضرت مولانا سرفراز خان صفدر، مفتی رشید احمد لدھیانوی، شیخ الحدیث مولانا سلیم اللہ خان، ڈاکٹر عبدالرزاق سکندر معروف ومشہور ہیں۔ بعدازاں مولانا عبدالحق نافع گل جامعہ بنوری ٹاؤن کے اولین شیخ الحدیث رہے۔ مولانا نافع گل کے بڑے بھائی اسیر مالٹا مولانا عزیز گل کاکاخیل حضرت شیخ الہند کے سفر و حضر کے رفیق و جانثار خادم اور دیوبند میں ان کے مشہور صاحب السر تھے۔ سید عدنان کاکاخیل کنونشن کے دوران جامعہ بنوری ٹاؤن کے دورہ حدیث کے طالب علم تھے اور اب جامعۃ الرشید کراچی میں استاد اور ہفت روزہ ضرب مومن کے کالم نویس ہیں۔

کنونشن کے فائنل سیشن میں سید عدنان کاکاخیل نے صدر پاکستان جنرل پرویز مشرف اور دیگر حکومتی ارکان کی موجودگی میں اظہار حق کا فریضہ ادا کیا اور بغیر کسی خوف اور جھجک کے دور حاضر کے سب سے بڑے ڈکٹیٹر زمانہ کے حجاج بن یوسف کے سامنے کھری کھری باتیں کیں۔

میرے ساتھیوں نے اس موضوع پر بہت اچھی باتیں کیں۔ میں بھی آج موضوع پر چند باتیں عرض کروں گا۔ اس میں دو آراء نہیں، ہمارا سب سے بڑا بحران نظریاتی یکجہتی، فکری وحدت اور اتحاد و اتفاق سے محرومی ہے۔ مگر سوچنے کی بات یہ ہے کہ اٹھاون سال گزرنے کے باوجود ابھی تک یہ محرومی کیوں ہے؟ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے، وہ جو پلیٹ فارم دیا گیا تھا کہ پاکستان کا مطلب کیا، لا الہ الا اللہ، اس پر کنفیوژن پیدا کر دی گئی۔ ایک سوچے منصوبے کے تحت ابھی تک پوچھا جا رہا ہے کہ پاکستان کیوں بنایا گیا؟ قائد کا ویژن کیا تھا؟ کیا یہ سب باتیں کلیئر نہیں ہیں؟ اس سوال کا جواب میں یا آپ دے سکتے ہیں یا وہ نسل دے سکتی ہے جس نے تخلیق پاکستان کے خاکے میں اپنے خون سے رنگ بھرا تھا۔ یہ ان کی روحوں کے ساتھ مذاق ہے، یہ ان کی قربانیوں

کے ساتھ مذاق ہے کہ جی آپ تو کٹ مرے، ہمیں سمجھ ہی نہ آیا کہ آپ کا مسئلہ کیا تھا؟

ہمارا دوسرا بڑا مسئلہ امن و امان کی دگرگوں صورت حال ہے اور بدقسمتی سے اس کو بعض اوقات کہا جاتا ہے کہ اسلام ذمہ دار ہے۔ حالانکہ قرآن کا مطالعہ بتاتا ہے کہ سب سے زیادہ اسلام امن وامان کے اوپر زور دیتا ہے۔ ابراہیم علیہ السلام کی دعا رب جعل هذا البلد آمنا وررزق اهله من الثمرات معیشت کی بات بعد میں کرتے ہیں امن کی بات پہلے کرتے ہیں۔ ہمارا امن کیوں تباہ ہوا؟ ہمارا نوجوان کس طرح دہشت گردوں کا آلہ کار بنا؟ ہم روز بروز لاقانونیت کی دلدل میں کیوں دھنسے جا رہے ہیں؟ اس نوجوان کو یہ سبق کسی مذہب نے نہیں سکھایا، یہ سبق طبقاتی تفریق، ٹیلنٹ کی بے قدری اور احساس محرومی نے سکھایا ہے۔ تعلیمی ڈھانچے کا کھوکھلا پن، بے انتہا کرپشن اور اختیارات کے ناجائز استعمال وہ خوفناک مسائل ہیں جو نوجوان کو اس طرف لے گئے ہیں۔ آپ یہ مسائل حل کر دیجئے پھر دیکھیں یہ نوجوان دہشت گرد ہے یا امن پسند۔

ہمارا تیسرا بڑا مسئلہ جو اس وقت بہت اہمیت کا حامل ہے، جمہوری روایات کا فقدان ہے۔ ہم ابھی تک حقیقی جمہوریت اور عوامی مینڈیٹ کا احترام کرنے میں ناکام رہے ہیں۔ ٹوٹتی بنتی اسمبلیوں، انتخابی دھاندلیوں اور اہم قومی مسائل میں پارلیمنٹ کو بائی پاس کرنے کی روایات نے عوام میں موجودہ پارلیمنٹ سے اعتماد اٹھا دیا ہے۔ ہمیں اس پڑوسی ملک سے سبق سیکھنا چاہئے جس سے مشاہد صاحب تشریف لا چکے ہیں اور آپ عنقریب جانے والے ہیں۔ ان کی اور ہماری تاریخ آزادی ایک ہی ہے۔ ہمیں اور ان کو ایک جیسا وقت ملا ہے۔ مگر انہوں نے اپنے ہاں جمہوری اقدار کو اتنا مضبوط کر دیا ہے کہ حکومت کتنی ناکام ہو جائے، کوئی بھی افتاد ٹوٹ پڑے، یہ نہیں ہوسکتا کہ فوج بیرکوں سے نکلے اور مسند اقتدار پر بیٹھ جائے۔

جناب صدر! میں دیکھتا ہوں کہ آج اس حال میں (سامنے قائداعظم کی تصویر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) قائد کی تصویر آپ سے پوچھ رہی ہے کہ جنرل! آپ تو سرحدوں کے رکھوالے تھے، آپ کو ایوان اقتدار کی راہ کس نے دکھائی؟

جناب عالی! ہمارا چوتھا بڑا مسئلہ ایلیٹ کلاس اکانومی ہے۔ آپ کے اعداد و شمار کے جادوگر

Marfat.com

کہتے ہیں کہ معیشت ترقی کر رہی ہے، زرمبادلہ کے ذخائر بڑھ رہے ہیں، قرضے کم ہو رہے ہیں، کچکول (کشکول) ٹوٹ چکا ہے۔ آپ کہتے ہیں کہ پہلے ہم مانگنے جاتے تھے اب ہم دینے جاتے ہیں اور عوام حیران ہیں کہ خدایا کیا بات ہے، معیشت ترقی کر رہی ہے، غریب کا چولہا بجھ رہا ہے، زرمبادلہ بڑھ رہا ہے، پٹرول کی قیمت ڈی ویلیو ہوتے ہوتے کہاں آ کھڑی ہوئی ہے۔

ایک اور بات، آپ نے کہا کہ بسنت منانے سے کچھ نہیں ہوتا۔ اسلام تفریح سے ہرگز منع نہیں کرتا بلکہ صحت مند تفریح کی حوصلہ افزائی کرتا ہے۔ مگر خدارا محروموں، لاچاروں کی آرزوؤں پر دھاچوکڑی نہ منائی جائے۔ غریب دیکھتا ہے کہ میرے گھر میں روٹی نہیں اور میرا صدر پتنگ اڑا رہا ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ ہمارے درمیان کوئی گیپ (فاصلہ) ہے۔

بعض مسائل آپ کے لہجے کی کرختگی کی وجہ سے خراب ہوتے ہیں۔ آپ بلوچستان کے عوام سے کہتے ہیں کہ ہم آپ کو وہاں سے ہٹ کریں گے کہ آپ کو پتہ بھی نہیں چلے گا کہ ہم نے آپ کو کہاں سے ہٹ کیا ہے۔ آپ قوم کے بڑے ہیں، قوم سے آپ کو بالکل اس انداز میں بات کرنی چاہئے جس طرح آپ اپنے بیٹے بلال سے کرتے ہیں۔ وردی کی بات آپ نے خود سولہ کروڑ عوام سے کی تھی، عوام سے کہا تھا کہ میں ۳۱ دسمبر کو وردی اتار دوں گا۔ پھر قوم کے وسیع تر مفاد میں اپنے وعدے سے مکر گئے۔ (عدنان کاکاخیل کی تقریر سے اقتباسات)

جنرل مشرف کے چہرے سے پریشانی ٹپک رہی تھی، کافی برہم تھے، ان کے پاس کوئی تسلی بخش جواب نہیں تھا بلکہ وائیں شائیں بائیں کرتے ہوئے جامعہ بنوری ٹاؤن پر الزامات لگانا شروع کئے جن کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں تھا۔

Marfat.com

Marfat.com

ہماری دیگر مطبوعات

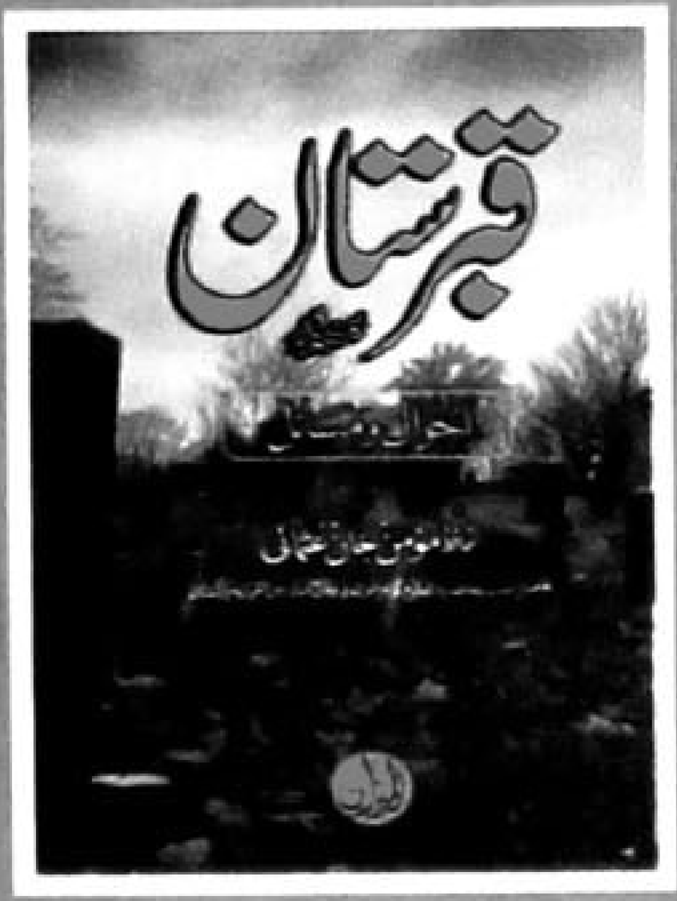

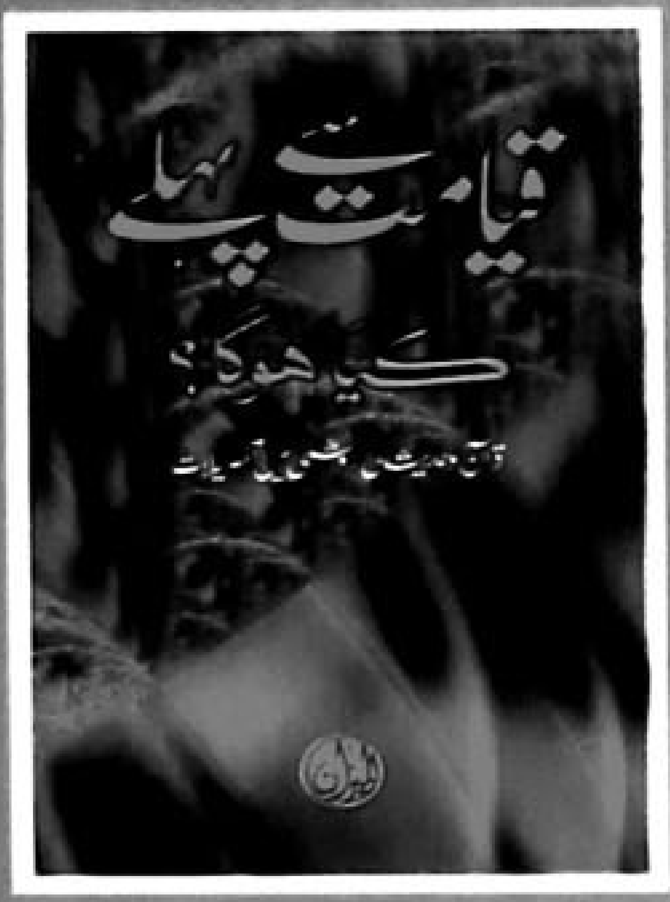

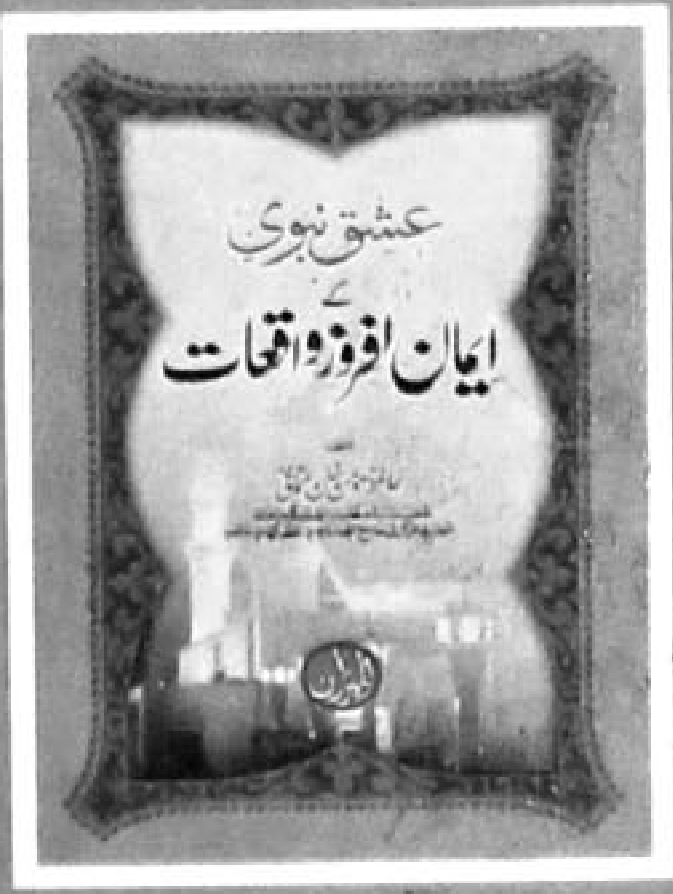

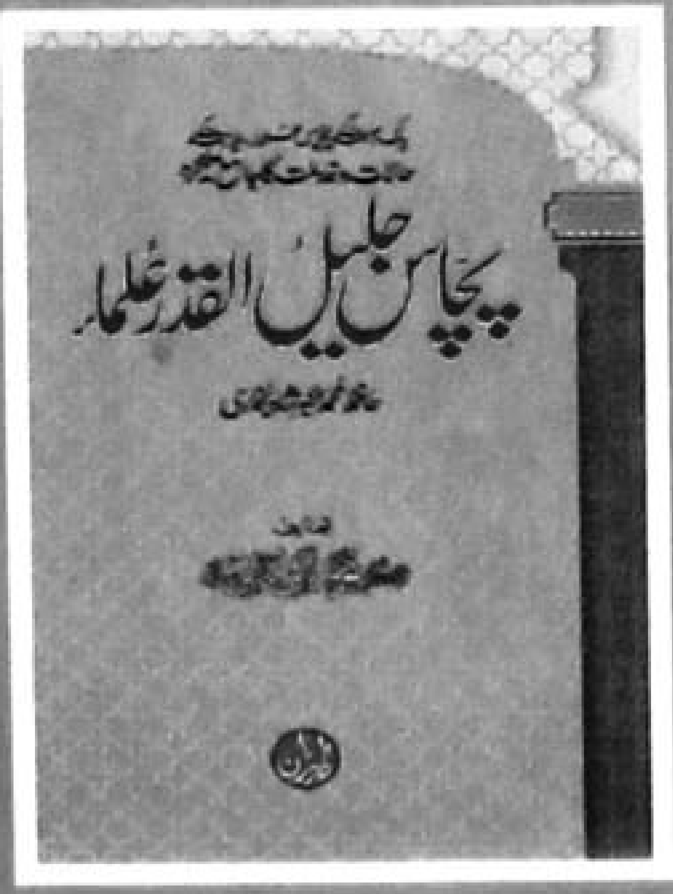

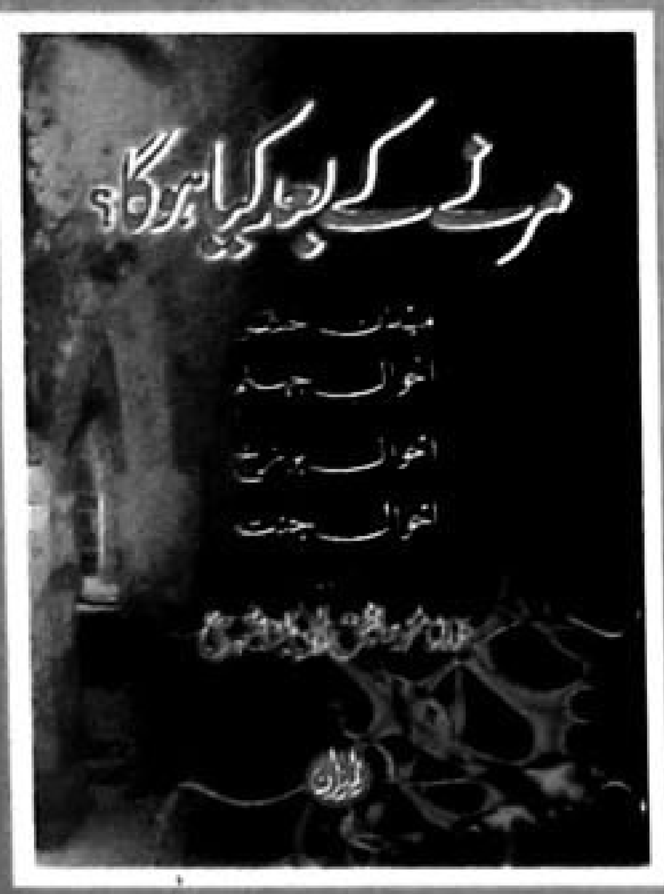

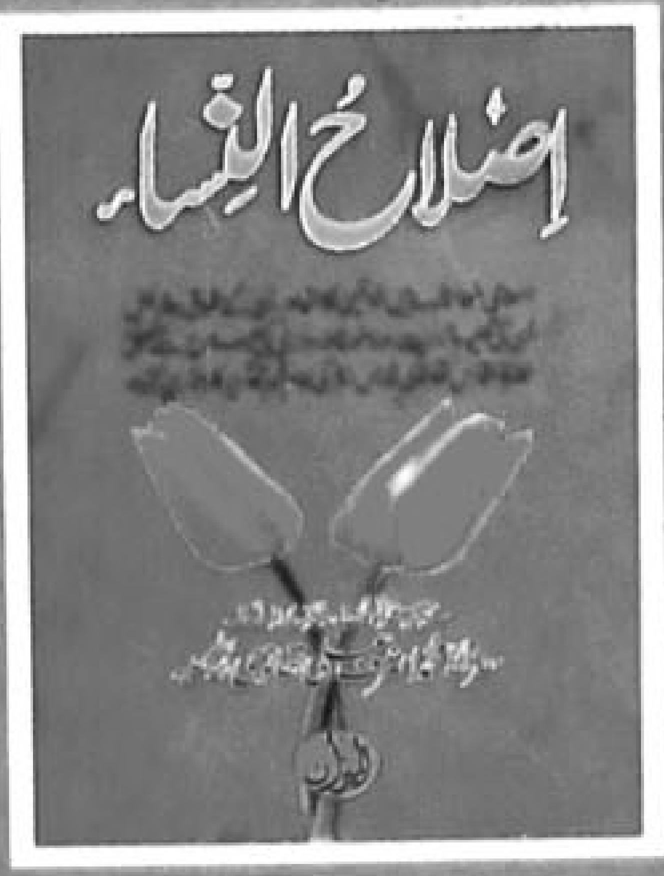

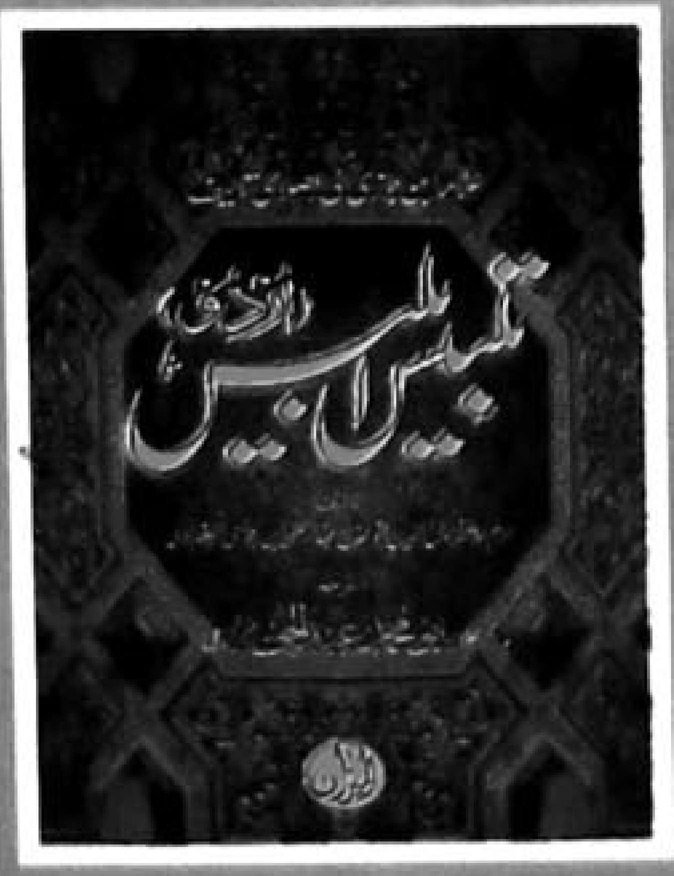

المیزان ناشران و تاجران کتب
الکریم مارکیٹ اردو بازار لاہور پاکستان
Ph: 042-7122981, 7232762
E-mail: info@almeezaanpublishers.com
almeezaanpublishers.com

GUJRAT BOOKS (G.B S)
GB0601
Rs. 180.00

Marfat.com